مقالہ برائے پی ایچ ڈی بعنوان:

سیرت النبی کی عصری اور بین الاقوامی اہمیت، اقوام متحدہ کے حقوق انسانی کے منشور کے تناظر میں ایک تحقیقی مطالعہ

مقالہ نگار

سید مظفر حسین

toobaa-elibrary.blogspot.com

زیرِ نگرانی

ڈاکٹر زاہد علی زاہدی

شعبہ علومِ اسلامی، کلیہ معارفِ اسلامیہ، جامعہ کراچی

(۲۰۱۷ء)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

toobaa-elibrary.blogspot.com

تصدیق نامہ

تصدیق کی جاتی ہے کہ مسمیٰ سید مظفر حسین ولد سید احمد شاہ نے یہ مقالہ بعنوان ''سیرت النبی کی عصری اور بین الاقوامی اہمیت اقوام متحدہ کے انسانی حقوق کے منشور کے تناظر میں، ایک تحقیقی جائزہ'' بورڈ آف ایڈوانسڈ اسٹڈیز اینڈ ریسرچ جامعہ کراچی کی اجازت سے میری نگرانی میں مکمل کیا ہے۔

مزید تصدیق کی جاتی ہے کہ یہ مقالہ پی ایچ ڈی کی سند کی ضروری شرائط کو پورا کرتا ہے لہٰذا اسے ممتحنین کی جانچ کے لئے پیش کرنے کی اجازت دی جاتی ہے۔

ڈاکٹر زاہد علی زاہدی

نگرانِ مقالہ

چیئرمین شعبہ علوم اسلامی، جامعہ کراچی

toobaa-elibrary.blogspot.com

اِنتساب

اپنے والدین کے نام جن کی تربیت، اُلفت اور محبت میرے لئے ہمیشہ سے سایہ فگن رہی، میں ان کے بے انتہا خلوص کو کبھی فراموش نہیں کر سکتا، خاص طور پر ان کی انہماک توجہ نے مجھے اس قابل بنادیا کہ جب میں نے شعور کی آنکھ کھولی تو میں علم کی لازوال دولت کی طرف ملتفت ہو چکا تھا۔

اور

فرزندان سید محمد منتظر مہدی رضوی اور سید محمد سفیر مہدی رضوی کے نام کہ جن کے سامنے دنیا کے نئے اُفق کھلنے کو ہیں اور انہوں نے اسلام کی روشنی سے اپنی زندگی کو اس طرح مزین کرنا ہے کہ اُن کا کردار اسلام کی حقانیت کی دلیل بن جائے۔

سید مظفر حسین

toobaa-elibrary.blogspot.com

اظہارِ تشکر

صد شکر ہے اس خدائے لم یزل ولا یزال کا جس نے مجھے مخلوقات میں سب سے احسن مخلوق انسان بنا کر خلق کیا اور اپنے محبوب نبی حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی محبت سے میرے قلب کو روشن کیا اور آپ کی سیرت اطہر کا ایک روشن گوشہ احترام انسانیت کے پہلو پر تحقیق کرنے کی سعادت بخشی کہ کس طرح آپ نے احترام انسانیت جس کی جدید اصطلاح (حقوق انسانی) کا آفاقی منشور دنیا کے سامنے پیش کیا اس منشور کو دنیا کے سامنے ایک نئی جہت سے پیش کرنے کا موقع بخشا۔ ان توفیقات کے حصول پر میں بارگاہ ایزدی میں جتنا شکر کروں کم ہے۔

بعد از خدائے بزرگ سب سے پہلے میں اپنے والدین کا شکر ادا کرونگا کہ جن کی دعاؤں سے آج میں اس مقام پر ہوں بارگاہ خداوندی میں دعا گو ہوں کہ خدا میرے والدین کو جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے۔

میں اس مقالہ کو پایہ تکمیل تک پہنچانے میں معاونت کرنے والی شخصیات کا ذکر کرنا فرض سمجھتا ہوں۔

سب سے پہلے میں اپنے نگرانِ مقالہ ڈاکٹر زاہد علی زاہدیؔ کا شکریہ ادا کروں گا کہ آپ نے میری رہنمائی و حوصلہ افزائی فرمائی اور تحقیق کے اس کٹھن سفر میں میرا ساتھ دیا۔ دوسری شخصیت جناب ڈاکٹر محمد ریاض رضی صاحب کی ہے، تحقیق کا جب سے آغاز کیا تب سے آپ سے بہت کچھ سیکھنے کو ملا۔ دورانِ تحقیق ایک ایک مرحلے میں آپ سے رہنمائی لیتا رہا اور اس مقالے کی تکمیل تک آپ کا تعاون رہا۔ جناب اشرف جعفری صاحب، سید ابرار رضوی، سید بشارت حسین، سید محمد علی شاہ، سید اصغر مہدی، سید محمد مہدی، سید کاظم مہدی، سید علی مہدی، محترمہ سیدہ ام رباب، سیدہ اُم زہرہ، سیدہ نرجس خاتون اور ریسرچ اسکالر محترمہ ثروت زہرہ صاحبہ کا شکریہ ادا کرنا فرض سمجھتا ہوں۔ جناب ڈاکٹر غلام محمد جعفری صاحب، ڈاکٹر افضل کریمیؔ صاحب، ڈاکٹر گلِ واحد صاحب، ریسرچ اسکالر احسن رضا نقوی صاحب، ڈاکٹر عباس حیدر زیدی صاحب، ریسرچ اسکالر جناب علی محمد صاحب اور جناب حسن بھائی کا بھی بے حد ممنون ہوں جنہوں نے اپنے مفید مشوروں سے نوازا۔

میں یہاں اپنی شریک حیات سیدہ بشریٰ رضوی کا شکریہ ادا نہ کروں تو ناسپاسی ہو گی کہ جنہوں نے مجھے اس تحقیقی کام میں گھریلو اُمور سے فارغ رکھا اور کسی پریشانی کے بغیر تمام اُمور اپنے ذمہ لے لیا۔ آخر میں ان

toobaa-elibrary.blogspot.com

تمام دوست واحباب جن کے نام طوالت کے خوف سے یہاں نہ لکھ سکا ان سب کا شکریہ ادا کرتا ہوں اور دعا گو ہوں کہ اللہ تعالیٰ ان تمام شخصیات کو دنیا وآخرت میں اپنی بے پناہ نعمتوں سے نوازے ان کی محبت و معاونت کا حق ادا کرنا میری بس میں نہیں ہے روایتاً لفظ تشکر پر اکتفا کرتا ہوں۔

جامعہ کراچی کے اساتذہ کرام کلیہ معارفِ اسلامیہ کی سابقہ رئیسہ محترمہ پروفیسر ڈاکٹر ریحانہ فردوس صاحبہ، پروفیسر ڈاکٹر جمیل حسن کاظمی(چیئرمین شعبہ جغرافیہ)،پروفیسر ڈاکٹر جناب عابد حسنین(ایوننگ ڈائریکٹر)، جناب مولانا شبیر حسن میثمی، جناب مولانا جعفر سبحانی، اُردو یونیورسٹی کے ریسرچ اسکالر محمد ابراہیم صاحب، ریسرچ اسکالر محمد تقی کا میں ممنون و مشکور ہوں کہ ان حضرات کے علمی و فکری تعاون میرے شاملِ حال رہا۔

سید مظفر حسین

toobaa-elibrary.blogspot.com

AN OVERVIEW RESEARCH OF INTERNATIONAL AND CONTEMPORARY SIGNIFICANCE OF SEERAT-UN-NABI, IN CONTEXT OF UNITED NATIONS CHARTER FOR HUMAN RIGHTS.

ABSTRACT

The Biography or Seerah of Prophet Mohammad is a glorious title of history and it has given humanity an unmatched and everlasting status. Its every aspect is a miracle, a road to guidance and a destiny. To prove its honesty and truth, one should not go far in quest or search or to put any efforts. We will know after having a glance at every section that, this alone is the biggest argument of his truth and a great privilege and miracle.

The last sermon of the Holy Prophet is also an important aspect of His life. Especially the points discussed about human rights are still the bacon of life. Since the discussed topic is related to human rights, so bilateral comparison of the last sermon and the universal charter has been focused by me. In this context, following five chapters has been formatted:

First chapter: in this chapter, the significance, utility and sources of Seerat-e-Tayyaba has been discussed. Keeping in mind the lexical and idiomatic annotations, it has been told that Seerat is a combination of two different meanings. Common meanings and Specific Meanings. In view of common meanings, it has been written that the actions and way of life of any common men is called Seerah, but in specific meanings, it has been described as the Plans, Acts, Personality and the life style that is belonged to Prophet Muhammad, is Called Seerah.

2nd Chapter: Need and importance of modern understandings of Seerat-e-Nabi has been explained. An effort has been made to bring constructive aspects and current issues into practice. In this chapter the aspects/attributes of Holy Prophet and principles of present time has also been expressed. For the relevancy to the topic, and in intention to certain attributes of Prophet Muhammad, Modern understandings of Seerah have been explained and three separate topics have been discussed.

Third Chapter: in this chapter, a comparative study of Modern Concept of Human Rights and Islamic Thought has been presented. Importance of human rights in view of Islam and West has also been explained. Concept of Human Rights in context of modern situation has been examined.

4th Chapter: in this chapter, human rights in specific view of Seerat-un-Nabi have been explained. The clauses of Last Sermon have been explained in view of recent times.

5th Chapter: in this chapter, an effort has been made to solve current issues in the light of Seerat-e-Tayyaba. The comprehensive and universal strategies and teachings of Seerat-e-Tayyaba have been applied in view of current scenario. Also considering the Seerah of Prophet Muhammad as a role model for all, some aspects has also been mentioned.

Syed Muzaffar Hussain

toobaa-elibrary.blogspot.com

خلاصہ مقالہ

پیغمبر اسلام کی سیرت تاریخ کا ایک ایسا درخشاں عنوان ہے جس نے انسانیت کو بے مثال اور لازوال مرتبہ عطا کیا ہے۔اس کا ہر پہلو معجزہ، شاہراہِ ہدایت اور جادہ منزل ہے۔اس کی حقانیت و صداقت کے لئے بہت دور جانے اور زیادہ دقیقہ ریزی اور تلاش و جستجو کی ضرورت نہیں۔اس کے جس شعبہ اور جس پہلو پر نظر ڈالی جائے گی معلوم ہو گا کہ تنہا یہی شعبہ آپ کی صداقت کی سب سے بڑی دلیل ہے اور آپ کا سب سے بڑا امتیاز و اعجاز ہے۔خطبہ حجۃ الوداع بھی پیغمبر اسلام کی زندگی کا اہم پہلو ہے۔خاص طور پر انسانی حقوق کے حوالے سے جو شذرات بیان ہوئے ہیں وہ آج بھی انسان کے لئے مشعلِ راہ ہیں۔زیر بحث موضوع کا تعلق چونکہ انسانی حقوق سے ہے لہٰذا عصری تناظر میں ہم نے خطبہ حجۃ الوداع اور عالمی منشور کے حقوق کا باہمی تقابل کیا ہے۔اس سلسلے میں پانچ ابواب ترتیب دیئے گئے ہیں جس کی تفصیل مندرجہ ذیل ہے:

باب اول: اس باب میں سیرتِ طیبہ کی اہمیت وافادیت اور اس کے مآخذ بیان کئے گئے ہیں۔لغوی واصطلاحی تشریحات کو سامنے رکھتے ہوئے بتایا گیا ہے کہ سیرت دراصل دو الگ الگ معنوں کا مجموعہ ہے: ایک عام معنی اور ایک خاص معنی، عام معنی کی تعریف میں بتایا گیا ہے کہ کسی بھی عام شخص کے طرزِ زندگی اور عمل کو سیرت کہا جاتا ہے جبکہ خاص معنی کی وضاحت کرتے ہوئے بتایا گیا ہے کہ وہ طریقہ کار، شخصیت، طرزِ زندگی و عمل جس کا تعلق پیغمبر اسلام سے ہو وہ سیرت کہلائے گی۔

باب دوم: سیرت النبی کی تفہیمِ جدید کی ضرورت کی وضاحت کی گئی ہے۔جبکہ اُن پہلوؤں کو سامنے لانے کی سعی کی گئی ہے جو تعمیری اور مقتضائے حال ہیں۔اس باب میں اوصافِ پیغمبر اسلام اور عصر حاضر کے لئے رہنماء اصول بیان کئے گئے ہیں۔باب کے عنوان سے مطابقت پیدا کرتے ہوئے سیرت پیغمبر اسلام کے بعض گوشوں کو تفہیم جدید کی نیت سے زیر بحث لایا گیا ہے اور تین الگ الگ مباحث قائم کئے گئے ہیں۔

باب سوم: اس باب میں حقوقِ انسانی کا تصورِ جدید اور اسلامی تصور کا تقابل کیا گیا ہے۔اسلام اور مغرب دونوں کے نزدیک انسانی حقوق کی اہمیت اور دونوں کا زاویہ نظر بیان کیا گیا ہے۔انسانی حقوق کے مفہوم کو جدید حالات کے تناظر میں واضح کیا گیا ہے۔

باب چہارم: اس باب میں خاص سیرت النبی کے تناظر میں حقوقِ انسانی کی وضاحت کی گئی ہے۔خطبہ حجۃ الوداع کی وہ شقیں جو انسانی حقوق سے متعلق تھیں، اُن کی وضاحت عصر حاضر کے حالات کو سامنے رکھتے ہوئے کی گئی ہے۔

باب پنجم: اس باب میں سیرت طیبہ کی روشنی میں عصری مسائل کے حل تلاش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔سیرت طیبہ کی جامع اور آفاقی حکمت عملی کی تشریح عصری مسائل کو سامنے رکھ کر کی گئی ہے۔نیز پیغمبر اسلام کی سیرت کو پوری دُنیا کے لئے نمونہ عمل قرار دیتے ہوئے بعض موارد کی خصوصی نشاندہی کی گئی ہے۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

فہرست مضامین

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ نمبر
باب اول:	سیرت طیبہ کی اہمیت وافادیت اور اس کے مآخذ	1
باب دوم:	سیرت کی تفہیمِ جدید کی ضرورت	45
باب سوم:	حقوقِ انسانی کا تصورِ جدید اور اسلامی تصور کا تقابل	80
باب چہارم:	سیرت النبی اور حقوقِ انسانی	112
باب پنجم:	سیرت طیبہ کی روشنی میں عصر حاضر کے مسائل کا حل	184
اختتامیہ:	نتائج وسفارشات	237
مصادر:	کتابیات	245

toobaa-elibrary.blogspot.com

باب اول:

سیرت طیبہ کی اہمیت وافادیت اور اس کے مآخذ

لفظ سیرت ایک عام لفظ ہے جو اہم شخصیات کی سوانح حیات بیان کرنے کے لئے استعمال ہوتا ہے لیکن جب ہم سیرت کے ساتھ طیبہ کا لفظ استعمال کرتے ہیں تو اس سے مراد صرف پیغمبر اسلام کی سوانح حیات مراد لیتے ہیں جس میں پیغمبر اسلام کی زندگی کی ایک ایک جھلک، ہر کیفیت اور حالت کو بالتفصیل بیان کیا جاتا ہے۔اس لیے سیرت آپ کے اقوال، اعمال اور اخلاق کو کہتے ہیں۔

کلمہ سیرت (السیرۃ) مادہ سیر (س،ی،ر) سے لیا گیا ہے جس کے معنی چلنے اور حرکت کرنے کے ہیں۔ عربی زبان میں ''فِعلة'' کے وزن پر جو مصدر آتا ہے اس کے معنی کسی کام کا طریقہ یا کسی کام کو اختیار کرنے کے انداز اور اسلوب کے ہوتے ہیں۔ مثلاً جِلسةً کا معنی بیٹھنے کا انداز اور ضِربةً کا معنی: مارنے کا طریقہ ہے لہٰذا سیرۃ (سیرت) کے لغوی اور لفظی معنی ہوئے ''چلنے کا طریقہ''۔ بعد میں اس معنی میں مزید وسعت آئی اور زندگی گزارنے کے اسلوب اور انداز کے معنی میں اس کا استعمال ہونے لگا۔ پھر بہت جلد ہی سیرت کا یہ لفظ پیغمبر اسلام کی ذات کے ساتھ مخصوص ہو گیا۔ چنانچہ آج دنیا کی تمام بولی جانے والی زبانوں میں سیرت کا لفظ عموماً پیغمبر اسلام کی زندگی کے لیے استعمال ہوتا ہے۔

سیرۃ کا لفظ عربی زبان کے جس مادے اور فعل سے بنا ہے، اس کے لفظی معنی ہیں چل پھرنا، راستہ لینا، رویہ یا طریقہ اختیار کرنا، روانہ ہونا، عمل پیرا ہونا وغیرہ۔ اس طرح سیرت کے معنی حالت، رویہ، طریقہ، چال، کردار، خصلت اور عادت کے ہیں اس سے اُردو میں تعمیر سیرت، سیرت سازی، پختگی سیرت، نیک سیرت، بد سیرت اور حسن سیرت وغیرہ کے الفاظ مستعمل ہیں۔

لغوی مفہوم:

سیرت کے لغوی معنی طریقہ اور راستہ کے ہیں اسی طرح طور طریقے، رہن سہن، عادات و اطوار، میل جول، تعلقات، اخلاق وغیرہ بھی سیرت کے زمرے میں آتے ہیں۔ جبکہ چلنا، سفر کرنا، عمل کرنے کو بھی سیرت کہتے ہیں۔ معروف لغت شناس لوئیس معلوف کہتے ہیں:

toobaa-elibrary.blogspot.com

سَارَیَسِیْرُسَیْراً، باب ضَرَبَ یَضْرِبُ ضرباًسے ہے۔سَیْراً، وتَسیاراًومسیْراً ومَسِیْرَۃً و سَیْرُوْرَۃً ، جانا، چلنا، سفر کرنا، عمل کرنے کے معنی میں بھی آتا ہے جیسے:"واوّل راضی سنة من یسیرھا" اسی طرح لوگوں میں مشہور کرنا (سیر المثل)،پہلے کے لوگوں کی باتیں بیان کرنا(سیّر سیرۃ)،طریقہ زندگی، سوانح عمری،لوگوں کے ساتھ حُسن سلوک کی کیفیت(ھُوَ حَسَنُ السِیْرَۃِ)اور اچھی عادت (مَنْ طَابَتْ سَرِیْرَتُہٗ حُمِدَتْ سِیْرَتُہٗ) سیرت لغت کے اعتبار سے عادت، خصلت، طریقہ کو کہتے ہیں اور "سِیْرَۃُ الرَّجُلُ" سوانح عمری کو کہتے ہیں۔(۱)

الزبیدی کے مطابق:

السیرہ: سار کا اسم ہے جس کے معنی عادت، خصلت،، طرز زندگی، جیسے سار الوالی فی رعیته سیرة حسنة، حاکم نے عوام کے ساتھ اچھی زندگی گزاری،وھذا فی سیرۃ الاوّلین اور یہی سابقہ لوگوں کی سیرت رہی ہے۔(۲)

الجوہری کے مطابق:

"سیر"سار۔یسیر،سیرا،ومسیرا،وتسیارا، جانا، چلنا، سفر کرنا،بارك الله لك فی مسیرك، ای سیرك، خدا آپ کا سفر مبارک کرے۔(۳)

ابن منظور کے مطابق:

"سیر" السَّیرُ: الذَّھابُ، سَارَ یَسِیْرُ سَیْراً، وَمَسِیْراً وَ مَسِیْرَۃً وَ سَیْرُوْرَۃً سیرۃ حسن السیرہ اچھے چال چلن کے معنی میں ہے۔(۴)

راغب اصفہانی کہتے ہیں:

"اَلسَّیْرُ باب ضرب یضرب سے ہے جس کے معنی زمین پر چلنے کے ہیں اور چلنے والے آدمی کو سَائِر وَسَیَّار کہا جاتا ہے اور ایک ساتھ چلنے والوں کی جماعت کو سَیَّارَۃ کہتے ہیں۔"(۵)

قرآن مجید میں کلمہ سَیْر کا لفظ چار طریقے سے مستعمل ہے:

toobaa-elibrary.blogspot.com

(۱) أَفَلَمْ يَسِيْرُوا فِي الأَرْض (٦)

کیا یہ لوگ زمین پر چلتے پھرتے نہیں ہیں۔

(۲) قُلْ سِيْرُوا فِي الأَرْض (٧)

کہوان سے کہ زمین میں چلو پھرو

(۳) سِيْرُوا فِيْهَا لَيَالِي (٨)

راتوں میں سفر کرو۔

(۴) هُوَ الَّذِيْ يُسَيِّرُكُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ (٩)

وہی تو ہے جو تمہیں خشکی میں اور دریا میں چلاتا ہے۔

قرآن مجید میں ایک اور جگہ ارشاد ہوتا ہے: وَجَاءَتْ سَيَّارَةٌ "اور ایک قافلہ وارد ہوا"۔(۱۰)

مرتضیٰ مطہری کہتے ہیں:

''سیرۃ'' عربی زبان میں ''سیر'' سے لیا گیا ہے۔ ''سیر'' یعنی حرکت کرنا، جانا، چلنا۔

''سیرۃ'' یعنی چلنے کا انداز۔(۱۱)

لفظ سیرت کیفیت اور حالت کے معنی میں بھی استعمال ہوا ہے، قرآن مجید میں ارشاد ہے: سَنُعِيدُهَا سِيرَتَهَا الْأُولَىٰ۔ ہم اسے ابھی اس کی پہلی حالت پر لوٹا دیں گے:(۱۲)

اس آیت میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے عصا (لاٹھی) کے سانپ بن جانے کے بعد دوبارہ اصلی حالت میں آجانے کی طرف اشارہ ہے لہٰذا یہاں لفظ سیرۃ حالت اور کیفیت کے معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ قرآن مجید میں لفظ سیرت صرف اسی آیت میں ہی استعمال ہوا ہے۔

لفظ سیرت واحد کے طور پر اور بعض دفعہ اپنی جمع سیر کے ساتھ اہم شخصیات کی سوانح حیات اور اہم تاریخی واقعات کے بیان کے لئے استعمال ہوتا رہا ہے۔ مثلاً کتابوں کے نام سیرۃ الصحابہ یا سیرت المتاخرین وغیرہ۔ کتب فقہ میں السیر جنگ اور قتال سے متعلق احکام کے لئے مستعمل ہے۔ چونکہ پیغمبر اسلام کی سیرت کے بیان میں غزوات کا ذکر خاص اہمیت رکھتا ہے اس لئے ابتدائی دور میں کتب سیرت کو

toobaa-elibrary.blogspot.com

عموماً مغازی و سیر کی کتابیں کہا جاتا تھا جبکہ لفظ مغازی مغزی کی جمع ہے جس کے معنی جنگ (غزوہ) کی جگہ یا وقت کے ہیں لیکن اب سیرت کی ترکیب ہی مستعمل ہے۔

پس حاصل کلام یہ رہا کہ سیرت کے لغوی معنی چلنے کی رفتار یا انداز فِعلَۃ کے وزن پر نوع بیان کرنے کے لئے آتا ہے۔اصطلاح میں "پیغمبر اسلام کی زندگی کو بیان کرنے" کے ساتھ یہ لفظ خاص ہو گیا۔ابتدا میں یہ لفظ غیر مسلم اقوام کے ساتھ رویہ بیان کرنے کے لئے یہ لفظ مستعمل تھا، جیسے ابواب السیر بعد میں یہ عام ہو گیا اور مغازی اس کا ایک شعبہ بن گیا۔انگریزی میں اسے "Biography" کے نام سے موسوم کیا جاسکتا ہے۔

اصطلاحی مفہوم:

سیرت کے اصطلاحی مفہوم کو ہم دو معنوں میں بیان کر سکتے ہیں۔ایک عام معنی ہو گا کہ جس کے تحت کسی بھی عام انسان کے طرزِ زندگی اور عمل کو سیرت کہیں گے جیسا کہ صاحبِ مفردات القرآن نے لکھا ہے:

> والسِّیرَۃُ الحالۃُ التی یکونُ علیھا الانسان وغیرہ غَرِیزِیّاً کان او مُکتَسَبا (۱۳)
>
> "سیرت" اس حالت کو کہتے ہیں جس پر انسان زندگی بسر کرتا ہے عام اس سے کہ وہ حالت طبعی ہو یا اکتسابی۔

جبکہ دوسرا معنی خاص ہو گا۔اس معنی میں پیغمبر اسلام کی زندگی، شخصیت، طرزِ عمل، طریقہ کار وغیرہ کو ہم سیرت کہیں گے۔اسلامی علوم و فنون کی اصطلاح میں سیرت کا لفظ ابتدا میں پیغمبر اسلام کے اُس طرزِ عمل کے لیے استعمال کیا گیا جو آپ نے غیر مسلموں سے معاملہ کرنے اور جنگوں یا صلح اور معاہدات کے معاملات میں اپنایا۔ چنانچہ قدیم مفسرین، فقہاء، محدثین اور سیرت نگاروں نے سیرت کا لفظ اسی مفہوم میں استعمال کیا ہے۔ محمد علی تھانوی نے اپنی مشہور کتاب "کشاف اصطلاحات الفنون والعلوم" میں سیرت کے لغوی معنی بیان کرنے کے بعد لکھا ہے:

> ثم غلبت فی الشرع علی طریقۃ المسلمین فی المعاملۃ مع الکفار والباغین وغیرھما من المستأمنین والمرتدین وأھل الذمۃ (۱۴)

toobaa-elibrary.blogspot.com

یعنی شریعت کی اصطلاح میں اس لفظ کا زیادہ استعمال مسلمانوں کے اس طریقہء کار پر ہوتا ہے جو وہ کفار، غیر مسلم محاربین، مسلمان باغی، مرتدین، اہل ذمہ وغیرہ سے معاملہ کے بارے میں اختیار کرتے ہیں۔

آہستہ آہستہ سیرت کے اصطلاحی معنٰی میں بھی توسع پیدا ہوا۔ جن جن قبائل سے آپ کا کسی نہ کسی درجہ میں تعلق رہا جس معاشرت اور معیشت کا قیام فرمایا جو انتظامات اور ادارے قائم کیے جو وثائق اور دستاویزات آپ نے مرتب کرائیں، آپ کے خدام، عمال، کارندگان حکومت حتی کہ آپ کی سواریاں، گھوڑے، اونٹنیاں وغیرہ بھی سیرت کے موضوعات میں شامل ہیں۔

مفکر و فلسفی مرتضی مطہری کہتے ہیں:

''سیرت پیغمبر، یعنی اسلوب و اندازِ پیغمبر، وہ طریق، سلیقہ اور اسلوب جس سے نبی اکرم اپنے عمل اور اپنی روش میں اپنے مقاصد کیلئے استفادہ کرتے تھے۔''(۱۵)

ایک تعریف یوں کی گئی ہے:

''پیغمبر اسلام کی پیدائش سے لیکر وفات تک کے تمام حالات اور اسی طرح صفات عالیہ، عبادات و معاملات، فضائل و معجزات، احوال وارشادات وغیرہ کے جامع بیان کو سیرت کہتے ہیں۔''(۱۶)

ہم نے آغاز میں بیان کیا تھا کہ لفظ سیرت عام لفظ ہے جو کسی بھی شخصیت کی سوانح بیان کرنے کے لئے استعمال ہوتا ہے لیکن وقت گذرنے کے ساتھ ساتھ یہ لفظ پیغمبر اسلام کی سوانح بیان کرنے کے لئے خاص ہو گیا اب اگر لفظ سیرت کے ساتھ کچھ صفات جو ادب و احترام کے اظہار کے لئے اکثر لگائی جاتی ہیں جیسے طیّبہ، پاک، مطہرہ نہ بھی لگائی جائیں تب بھی قاری سمجھ جاتا ہے کہ اس سیرت سے مراد سیرت پیغمبر اسلام ہے۔ کبھی سیرت کے لفظ کو کتاب کے مصنّف کی طرف اضافت کی نسبت سے بیان کیا جاتا ہے۔ جیسے سیرتِ ابن ہشام، سیرت حلبیہ وغیرہ۔ یہاں سیرت ابن ہشام سے مراد بھی محمد عبدالملک بن ھشام کی سیرت نہیں ہے یا سیرت حلبیہ سے مراد علی ابن برہان الدین حلبی کی سیرت نہیں ہے بلکہ اس

toobaa-elibrary.blogspot.com

سے مراد سیرت پیغمبر اسلام ہی لیا جاتا ہے۔یعنی جہاں کہیں لفظ سیرت کا مشاہدہ ہو گا وہاں پیغمبر اسلام کی ذات اور شخصیت مراد لی جائے گی۔

سیرت کے متبادل الفاظ:

(الف): سنت:

سُنت کو دو الگ الگ پہلوؤں سے بیان کرنا ہو گا۔ایک یہ کہ سُنت کی لغوی تعریف کیا ہے یعنی کلامِ عرب میں سُنت کو لغوی اعتبار سے کیسے بیان کیا جاتا ہے اور اصطلاح میں اس سے کیا مراد لیا جاتا ہے۔

لغوی تعریف:

وہ طریقہ جس پر لوگ چلتے ہوں اصل میں سنة الشیء بالمسن ، کسی چیز کو چھری سے کاٹنا کہ اس میں کٹنے کا نشان آجائے، کسائی کا کہنا ہے کہ سنت کا معنی دوام جیسے عرب کہتے ہیں سنت الماء یہ تب بولتے ہیں جب مسلسل پانی بہایا جائے۔اگر صرف سنت کہا جائے تو اس سے مراد اچھا راستہ، اور بُرا راستہ کہنا ہو تو سنت کے لفظ کے ساتھ سیئہ کہنا پڑتا ہے۔(۱۷)والسنه فی اصل اللغه الطریقة (۱۸) سنت اصل لغت میں طریقہ کو کہتے ہیں۔

اصطلاحی تعریف:

اصطلاحی اعتبار سے پھر سُنت کی دو تعریفیں ہوں گی: ایک عام تعریف کہ جس کے رو سے کسی بھی شخصیت کے قول، فعل، عمل اور طریقہ کو سنت کہا جائے گا جبکہ دوسری تعریف خاص ہو گی کہ جس کو ہم صرف اور صرف پیغمبر اسلام کی ذات سے وابستہ سمجھیں گے اور شرعی اصطلاح کے طور پر شناخت بیان کریں گے یعنی پیغمبر اسلام سے ثابت شدہ قول، فعل یا تقریر کو ہم سُنت کہیں گے۔ **قول کی مثال:** مَنْ سَنَّ سُنَّة حَسَنَةفَلَهُ أَجْرَهَا ،(جو بھی میری سنت پر چلا اُس کے لئے اجر ہے)، **فعل کی مثال**، جیسے نماز: صلوا کمارائیتمونی اصلی (نماز ایسے پڑھو جس طرح مجھے پڑھتے دیکھتے ہو)، اور حج خذوا عنی مناسککم (مجھ سے حج کے مناسک سیکھ لو) **تقریر کی مثال:** کسی اور کے فعل کی تائید کرنا جیسے پیغمبر اسلام کے دستر خوان پر ضب کھایا گیا مگر آپ نے نہیں کھایا، اور خاموشی اختیار کی، یا قیافہ شناسی کے

toobaa-elibrary.blogspot.com

ذریعے نسب پر استدلال کو صحیح سمجھنا(زید بن حارثہ واسامہ بن زید کا قصہ) یا جس طرح آپ کا ان لوگوں پر اعتراض نہ کرنا جنہوں نے بنو قریظہ پہنچنے کے بعد نماز عصر پڑھی تھی اور جنہوں نے راستے میں پڑھی تھی۔(۱۹)

"کل ما صدر عن النبی غیر القران الکریم،من قول،او فعل،او تقریر"(۲۰)

قرآن کریم کے علاوہ جو کچھ بھی نبی سے سرزد ہوا چاہے قول ہو یا فعل ہو یا تقریر اسے سنت کہتے ہیں۔

علامہ آمدی اپنی کتاب میں لکھتے:

"وھی مخصوصا بما یخصّ النبی علیه السلام من الاقوال و الافعال والتقاریر"(۲۱)

اور (سنت) مخصوص ہے ان اقوال و افعال و تقاریر سے جو پیغمبر اسلام سے مخصوص ہیں۔

السنة سیرة حسنة کانت او قبیحة (۲۲)

سنت سے مراد اچھا یا برا راستہ ہے۔

حافظ ابن کثیر اپنی تفسیر میں رقم طراز ہیں:

ان اصح الطریق فی ذالك ان یفسر القران بالقرآن فما اجمل فی مکان فانه قد فسر فی موضع اخر فان اعیاك ذالك فعلیك بالسنه فانها شارحة للقرآن وموضحة له (۲۳)

تفسیر قرآن کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ قرآن کی تفسیر قرآن ہی سے کی جائے اور اگر قرآن میں کسی جگہ اجمال ہو تو سنت سے مدد لی جائے یقیناً سنت قرآن مجید کی تشریح اور اس کی وضاحت ہے۔

(ب): حدیث

حافظ شمس الدّین البخاری کہتے ہیں:

toobaa-elibrary.blogspot.com

والحدیث لغة :ضد القدیم، و اصطلاحا :ما اضیف الی النبی قولا له ،او فعلا، او تقریرا،او صفة تحتی الحرکات السکنات۔(۲۴)

اور حدیث لغت میں قدیم کی ضد ہے اور اصطلاحا اس سے ہر وہ بات مراد ہے جسے حضور کی طرف نسبت دی گئی ہو، قول سے یا فعل سے یا اس کی صفت سے یہاں تک کہ حرکات و سکنات سے۔

ایک اور تعریف کے مطابق حدیث کو جدت کے معنی میں بھی بیان کیا گیا ہے:

''حدیث کو لغت میں جدت کے معنی میں لیا جاتا ہے اور حدیث کو لغت میں کلام یا بات بھی کہتے ہیں۔''(۲۵)

جلال الدین سیوطی حدیث کی تعریف یوں بیان کرتے ہیں:

''المراد بالحدیث فی عرف الشارع مایضاف الی النبی صلی الله علیه وسلم''(۲۶)

اصطلاح میں حدیث سے مراد وہ اقوال واعمال اور تقریر (تصویب) مراد ہیں جو رسول اللہ کی جانب منسوب ہوں۔

لفظ حدیث قرآن میں بھی آیا ہے۔ جیسے ''الله نزل احسن الحدیث۔''(۲۷)

خدا نے بہترین بات نازل کی ہے۔

سیوطی کا قول ہے:

المراد بالحدیث فی عرف الشرع ما یضاف الی النبی صلی الله علیه وسلم وکان اریدبه مقابلة القرآن لانه قدیم (۲۸)

اصطلاح شریعت میں حدیث سے مراد وہ کلام ہے جس کی نسبت حضور کی طرف دی جاتی ہے گویا اسے قرآن کریم کے مقابلے میں استعمال کیا گیا ہے کیونکہ قرآن کریم قدیم ہے۔

صحیح بخاری میں ہے کہ لفظ حدیث کا استعمال خود پیغمبر اسلام نے فرمایا:

toobaa-elibrary.blogspot.com

قال رسول اللہ صل اللہ علیہ وسلم لقد ظننت یا ابا ھریرۃ ان لا یسالنی عن ھذا الحدیث احد اول منك، لما رایت من حرصك علی الحدیث(۲۹)

رسول اللہ نے فرمایا! اے ابو ھریرہ مجھے یقین تھا کہ تم سے پہلے اس حدیث کے بارے میں مجھ سے دریافت نہیں کرے گا کیونکہ میں نے حدیث کے متعلق تمہاری حرص دیکھ لی تھی۔

امام ابن حزم فرماتے ہیں:

القرآن والخبر الصحیح بعضھا مضاف الی بعض۔ وھما شئیی واحد فی عنھما من عند اللہ وحکمھا حکم واحد فی باب وجوب الطاعۃ۔(۳۰)

قرآن اور حدیث صحیح ایک دوسرے سے مضاف ہیں اور دونوں ایک ہی ہیں اس چیز میں کہ وہ دونوں اللہ کی طرف سے ہیں اطاعت کے باب میں ان کا حکم ایک ہے۔

(ج):اُسوہ

قرآن کریم نے پیغمبر اسلام کے اسوہ کو اسوہ حسنہ قرار دیا ہے۔ ''لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ''(۳۱) اس اُسوہ سے مراد پیغمبر اسلام کی سیاسی، مذہبی، سماجی، تبلیغی، خانگی، تمدنی زندگی اور اس کے شب و روز ہیں جو اسلامی تعلیمات کا حقیقی اور کامل مظہر ہیں۔

پیغمبر اسلام کا اسوہ مسلمانوں کے لئے قیامت تک آنے والی نسلوں کے لیے نمونہ ہے اور تمام شعبہ زندگی میں آپ کا نمونہ ایک سنگِ میل کی حیثیت رکھتا ہے، جیسا کہ آپ کی کاملیت کی تصویر کشی سید سلیمان ندوی نے اس طرح کی ہے:

کسی انسانی سیرت کے دائمی نمونہ عمل بننے کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ اس کی زندگی کے تمام حصے ہماری نگاہوں کے سامنے ہوں، کوئی واقعہ ناواقفیت کی تاریکی میں گم نہ ہو۔ بلکہ ان کی پوری زندگی واضح طور پر ہمارے سامنے ہو۔ پیغمبر اسلام کی زندگی کا ہر لمحہ پیدائش سے لے کر وفات تک ان کے زمانہ کے لوگوں کے سامنے اور ان کی وفات کے بعد تاریخ عالم کے سامنے ہے۔ پیدائش، شیر خوارگی، بچپن، جوانی، تجارت، شادی،

toobaa-elibrary.blogspot.com

احباب، قبل نبوت، رفتہ رفتہ تنہائی پسندی، غار حرا کی گوشہ نشینی، اسلام کا ظہور، دعوت، مخالفت، سفر طائف ، ہجرت، غزوات، حدیبیہ کی صلح، اسلام کی اشاعت، تکمیل دین، حجتہ الوداع اور وفات۔ کون سا زمانہ ہے، جو دنیا کی نگاہوں کے سامنے نہیں اور کون سی حالت ہے، جس سے اہل تاریخ ناواقف ہیں؟ یہی ایک ذریعہ کسی زندگی کو کامل، معصوم اور بے گناہ یقین کرنے کا ہے۔(۳۲)

(د): شمائل:

شمائل سے مراد پیغمبر اسلام کی عادات و خصائل، معمولات زندگی، نشست و برخاست، قد، رنگ ، جسم کے نشیب فراز ہے۔(۳۳)

شمائل جمع ''الشمال'' معنی: طبیعت، عادت، سیرت۔(۳۴)

اصطلاح میں شمائل آپ کے اخلاق واحوال اور عادات کو کہتے ہیں اور بالفاظ دیگر پیغمبر اسلام کے اخلاق وعادات، فضائل اور شب وروز کے معمولات کی تفصیلات کا نام ہے۔(۳۵)

سیرت کسی بھی انسان کی عادت، جبلت، وصف اور خوبی کو کہتے ہیں اور سوانح کسی کی شخصی زندگی کے حالات پر مشتمل زبانی و تحریری بیان کا نام ہے، جب کہ مغازی کفار و مشرکین کے ساتھ ایسی جنگ کے تفصیلی بیان وتذکرہ کا نام ہے جس میں پیغمبر اسلام بنفس نفیس شریک رہے ہوں، متعلقہ واقعات اور ان میں شامل غازیان اسلام کے اوصاف و کمالات مذکور ہوں، جب کہ تاریخ اس جامع بیان کو کہتے ہیں جس میں تاریخی واقعات، روایات، حکایات، قصے، جنگ و شرکائے جنگ کے حالات ذکر کیے جائیں۔ اگر ہم دیکھیں تو آخر الذکر میں مذکورہ تمام اصطلاحی الفاظ کے معانی و مفاہیم شامل ہیں۔ گویا یہ ایسے مختلف اصطلاحی الفاظ ہیں جن کے مفہوم تقریباً ہم معنی ہیں اور عہد رسالت کے بعد خلافت راشدہ، خلافت بنوامیہ اور خلافت بنوعباس کے ابتدائی دنوں تک اسی طرح استعمال بھی ہوتے رہے ہیں۔ لہٰذا سیرت کا لفظ، پیغمبر اسلام کی ولادت سے وصالِ تک کے تمام مراحل حیات کے لئے خاص ہو گیا جس میں پیغمبر اسلام کی ذات وصفات، آپ کے شب وروز، معاملات زندگی، معجزات و خصوصیات یعنی اعلان نبوت سے پہلے کے حالات اور اس کے بعد کے تمام واقعات زندگی یہاں تک کہ ازواجِ پیغمبر اسلام کی خلوت گاہوں

toobaa-elibrary.blogspot.com

سے لے کر اسلامی غزوات اور عہد رسالت کے تمام معرکوں کے ہر لمحہ، ہر گوشہ، ہر کیفیت، ہر مرحلہ اور ہر مسئلہ و معاملہ کا تفصیلی بیان اس کے تحت شامل ہو گیا۔ یوں ہی تاریخ کا لفظ اس جامع ذکر و بیان کے ساتھ خاص ہو گیا جس میں بادشاہوں، معروف انسانوں، قابل ذکر ہستیوں، ان کے عہد کے واقعات، حادثات، روایات، تہذیب و ثقافت، جنگ نامے اور دوسرے متعلقہ حقائق و مضمرات واثرات کا تذکرہ موجود ہو۔ لیکن اہل فکر و دانش اس تاریخی حقیقت سے تقریباً مکمل اتفاق رکھتے ہیں کہ سیرت یا تاریخ نگاری یا اس طرح کے کسی بھی جمع و تحقیق کا کام مکمل طور سے مشاہدہ، تحقیق، تفتیش اور دیانت وامانت کا تقاضا کرتا ہے اور بڑی حد تک خلوص نیت کا عملی مزاج بھی اس تقاضے میں شامل ہے، تو شاید اس حقیقت سے بھی اہل نظر اتفاق کریں گے کہ مسلم مؤرخین نے دوسرے تمام علوم و فنون کی طرح فن سیرت و تاریخ کے لیے مشاہدہ، تفتیش و تحقیق اور امانت و دیانت کا جو اصول اپنایا ہے، اس کی مثال نہیں ملتی۔ چنانچہ دنیا کے اکثر ماہرین تاریخ کا اس پر اتفاق ہے کہ عام طور سے عرب مؤرخین اور خاص طور سے مسلم مؤرخین کا اس لحاظ سے مقابلہ نہیں کیا جا سکتا۔ خود سیرت النبی، سیر الصحابہ، مغازی اور اہم اسلامی و تاریخی واقعات کی جمع و تالیف نے بھی تاریخ نگاری کے مستقل فن کو ترقی دینے میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ بلکہ مسلم مؤرخین کے یہاں تاریخ نگاری کی ابتدا ہی سیر و مغازی سے ہوئی ہے۔ وہ اس طرح کہ اسلام کے ماننے والوں نے سب سے پہلے پیغمبر اسلام کے حالات زندگی، واقعات و مغازی وغیرہ قلم بند کرنے کی طرف توجہ دی، اس سے سیرت نگاری کی بنیاد پڑی، پھر سیرت کے اندر مغازی کا تذکرہ بڑی تفصیل سے کیا جانے لگا تو مغازی سے دل چسپی بڑھی اور اسی فن کی بدولت اسلامی فتوحات کی تاریخ مرتب کرنے کا سلسلہ شروع ہوا۔ تاریخ نویسی و سیرت نگاری کے ضمن میں تدوین حدیث کا کارنامہ بجائے خود ایک مستقل تاریخی قدم تھا جس کے نتیجے میں ''فن اسماء الرجال'' جیسے بے مثال فن کی بناو ترقی ہوئی۔ قرآنِ حکیم کے بعد اسلامی شریعت کا دوسرا اہم اور بنیادی مآخذ سنت رسول ہے، اس لئے محققین نے احادیث رسول کے تعلق سے صحیح و غلط میں تمیز کرنے کے لئے اس فن کو ایجاد کیا۔ اس سے بڑا فائدہ یہ ہوا کہ ایسے تقریباً ہزار افراد کے حالات زندگی تاریخ میں محفوظ ہو گئے جنھوں نے پیغمبر اسلام سے بحالت ایمان ملاقات اور اکتساب فیض کا شرف حاصل کیا تھا۔ آج پیغمبر اسلام کی سیرت، حالات اور ارشادات کو پیش کرتے ہوئے

toobaa-elibrary.blogspot.com

زمانے کی ہر ضرورت کو سامنے رکھنا ضروری ہے اس سلسلے میں اُم حماد فیض نے سیرت طیبہ کے چار خصائص بیان کیے ہیں جو بہترین رہنمائی کا کام دے سکتی ہیں۔

(۱) تاریخ نے بے شمار لوگوں کے حالات زندگی محفوظ کئے۔ لیکن کسی کی زندگی تاریخی اعتبار سے مستند اور محفوظ ہے تو وہ پیغمبر اسلام کی زندگی ہے۔ اس امر میں تمام مسلم اور غیر مسلم دانشور متفق ہیں کہ تاریخی اعتبار سے پیغمبر اسلام کے حالات زندگی تو محفوظ ہوئی ہی ہے پیغمبر اسلام تاریخ کی وہ واحد شخصیت ہیں جن کے حالات زندگی کے بارے میں اتنی زیادہ تحقیق کی گئی۔

(۲) پیغمبر اسلام کی زندگی کا ہر لمحہ ولادت سے لیکر وفات تک دنیا کے سامنے موجود ہے، آپ کی ذاتی زندگی ہو یا معاشرتی زندگی، تعلقات عامہ ہوں یا بین الاقوامی سیاست، الغرض ایک انسان کی زندگی کا جائزہ جتنے ممکنہ پہلوؤں سے لیا جا سکتا ہے وہ تمام پہلو اہل اسلام نے محفوظ کر لئے ہیں اور حیران کن امر یہ ہے کہ وہ علوم جو جدید سائنس نے آج وضع کئے ہیں ان کے بنیادی اصول حیات طیبہ سے ہی اخذ کئے جا سکتے ہیں مثال کے طور پر نئی بستیاں بسانے کے لئے جدید عمرانی علوم نے جو اصول وضوابط وضع کئے ہیں وہ سب پیغمبر اسلام کے فرامین میں موجود ہیں اور اس طرح بے شمار پہلوؤں پر تحقیق جاری ہے۔

(۳) پیغمبر اسلام کی سیرت کسی خاص طبقہ کے لئے نہیں بلکہ پوری بنی نوع انسانیت کے لئے رہنمائی موجود ہو۔ دنیا کے ادیان ومذاہب نے کامیاب زندگی گزارنے کا ایک ہی طریقہ بتایا کہ اُس مذہب نے جو عمدہ نصیحتیں کی ہیں ان پر عمل کیا جائے لیکن اسلام نے یہ طریقہ بتایا کہ اگر کامیاب زندگی گزارنی ہے تو حضور اکرمؐ کے عملی نمونہ کی پیروی کو لازم قرار دیا اور اسے بنی نوع انسان کے لئے آئیڈیل قرار دیا۔

(۴) ایک ایسی زندگی جو ہر حثیت کے انسان کے لئے کافی ہو اور انسان کے مختلف احوال وکیفیات کے اعتبار سے ہر قسم کے صحیح جذبات اور کامل اخلاق کا نمونہ و مجموعہ ہو تو وہ صرف آپ کی حیات ہی میں نظر آئے گا۔ امیری، غریبی، مہمان نوازی، سلطانیت، فاتح، معلم، ناصح، غرض جو بھی حیثیت ہو اور کسی حال میں بھی ہو زندگی کے لئے نمونہ اور ذاتی زندگی کی درستی واصلاح کیلئے سامان آپ کی ذات میں ہی مل سکتا ہے۔(۳۶)

toobaa-elibrary.blogspot.com

جدید انسانی تاریخ کے تناظر میں پیغمبر اسلام کی ذات مبارکہ اور آپ کی سیرت کا مطالعہ اس حقیقت کو واضح کرتا ہے کہ نہ صرف اُمت مسلمہ بلکہ انسانیت کو درپیش مسائل کا حل آپ کی سیرت میں پوشیدہ ہے۔اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم کو اتارتے ہی انسانیت کیلئے ہدایت کا سلسلہ جاری فرمادیا تھا۔یعنی روئے زمین پر پہلا انسان ہی اپنی آنے والی نسل کیلئے زندگی گزارنے کے رہنماء اصول بھی واضح کردیئے تھے، یہاں تک کہ اللہ کا قائم کردہ یہ سلسلہ وحی اور رشد و ہدایت پیغمبر اسلام پر اکر مکمل ہوا۔آپ کی شخصیت اور سیرت اس تناظر میں سلسلہ انبیاء کے تکمیلی عنصر کی حیثیت رکھتی ہے۔آپ نے خود فرمایا:

مثلی و مثل الانبیاء کمثل رجل بنی بنیانا فأحسنه و أجمله فجعل الناس یطیفون به یقولون مارأینا بنیانا أحسن من هذا لا هذه اللبنة فکن أنا تلك اللبنة۔(۳۷)

میری اور مجھ سے پہلے انبیاء کی مثال اس شخص کی طرح ہے جس نے ایک مکان بنایا اور کیا ہی حسین و جمیل مکان بنایا لوگ اس مکان کے گرد گھوم کر کہنے لگے ہم نے اس مکان سے اچھا کوئی مکان نہیں دیکھا مگر اس میں ایک اینٹ نہیں ہے سو میں وہ اینٹ ہوں۔

ان الرسالة و النبوة قد انقطعت،فلا رسول بعدی و لا نبی بعدی۔(۳۸)

اب رسالت و نبوت کا انقطاع عمل میں آچکا ہے،لہٰذا میرے بعد نہ کوئی رسول آئے گا اور نہ کوئی نبی۔

منصبِ نبوت و رسالت کے علاوہ آپ کی ذات کو شخصی حوالے سے بھی دیکھا جائے تو اس حوالے سے بھی آپ کی سیرت کا مطالعہ انسانیت کیلئے واضح رہنمائی کا سامان رکھتا ہے۔پہلے انسان سے لے کر آج تک شاید ہی کوئی ایسی شخصیت موجود ہو جس کی سیرت کے مطالعہ سے زندگی کے تمام معاملات تک رہنمائی میسر آتی ہو۔آپ کی سیرت اور تعلیمات میں اس قدر جامعیت اور ہمہ گیریت پائی جاتی ہے جس کا ذکر ایک مغربی مفکر یوں بیان کرتا ہے:

toobaa-elibrary.blogspot.com

The essential significance of the appearance of Muhammad is the crystallization of a new experience of the divine, which welded all those who shared it into a new kind of community. The effect of this experience on contemporary relationships is evident and unmistakable in both languages and art(۳۹)

محمد کے ظہور کی خصوصیت واہمیت اس الوہی واردات کی تشکیل میں مضمر ہے جس سے اس عمل میں شریک ہونے والوں کی شیرازہ بندی ایک نئی قوم کی شکل میں ہوئی۔اس تجربے کا اثر و نفوذ جو عصری روابط کی صورت میں ظاہر ہوا اس کی چھاپ زبانوں اور فنون لطیفہ پر نمایاں نظر آتی ہے۔

سیرت النبی کے مآخذ و مصادر:

کوئی علم خصوصاً جس کا تعلق تاریخ سے ہو،اس کے مآخذ سے مراد وہ کتابیں،روایات اور آثار وغیرہ ہیں جن میں اس علم کے متعلق سب سے پہلے بات کی گئی ہو یا جن میں اس علم کے متعلق معلومات سب سے پہلے جمع کی گئی ہوں۔کسی تاریخی شخصیت کے بارے میں معلومات کا اہم مآخذ وہ کتاب یا کتابیں ہوں گی جو اس کی زندگی میں لکھی گئی ہوں یا اس کے بعد قریب ترین زمانے میں لکھی گئی ہوں اور جن میں زیادہ سے زیادہ مواد یکجا کیا گیا ہو یا اس مواد کے جمع کرنے میں علمی تگ ودو اور تحقیقی چھان بین سے کام لیا گیا ہو۔اس لحاظ سے سیرت النبی کے اہم بنیادی مآخذ حسب ذیل بنتے ہیں۔

قرآن مجید:

سب سے پہلا اور بنیادی مآخذ قرآن مجید ہے اس کے کئی ایک بنیادی اسباب ہیں۔پیغمبر اسلام کی سیرت کا مسلمانوں کے پاس سب سے اہم،اساسی محفوظ ترین اور ہر جہت سے متفق علیہ دستاویز قرآن ہی ہے۔تمام مسلمان اسے تحریف سے پاک آسمانی کتاب مانتے ہیں جیسا کہ خود قرآن میں ارشاد ہوا:

''اِنَّا نَحۡنُ نزلنا الذِّکۡرَ وَاِنَّا لَہٗ لَحٰفِظُوۡنَ''(۴۰)

toobaa-elibrary.blogspot.com

بے شک ہم نے اس ذکر کو نازل کیا اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔

مسلمانوں کا اس بات پر اتفاق ہے کہ سیرت، تاریخ، حدیث اور تفسیر کے عنوان سے جتنی دستاویزات آج ان کے پاس سرمائے اور اثاثے کے طور پر موجود ہیں تمام پر ناظر اور حاکم قرآن ہے۔ دین اسلام کے دو اہم بنیادی مآخذ قرآن و سنّت ہیں لیکن قرآن کو سنّت پر فوقیت حاصل ہے۔

مسلمان دیگر انبیا کے بارے میں اسرائیلیات کو پرکھنے کے لئے بھی قرآن کو ہی معیار قرار دیتے ہیں بعض انبیاء بنی اسرائیل کے بارے میں جو قصّے اور کہانیاں اسرائیلی روایات میں آگئی ہیں عقلی دلائل کے علاوہ قرآن کی روشنی میں ہی ان پر نقد کرتے ہیں یہی اسلوب پیغمبر اسلام کی سیرت کو جاننے کے لئے اختیار کرتے ہیں۔ ایسی تمام روایات جو پیغمبر اسلام کی شخصیت، روش اور سیرت کے اس تصّور سے ٹکراتی ہیں جو قرآن نے پیش کیا ہے مسلمان انھیں قابل قبول نہیں سمجھتے ہیں۔

سیرت النبی کا سب سے بنیادی اور مستند مآخذ قرآن میں پیغمبر اسلام کی زندگی کے مختلف پہلو نہایت وضاحت کے ساتھ بیان کیے گئے ہیں۔ قرآن اسلامی تعلیمات و احکام ہی کا سرچشمہ نہیں بلکہ یہ تعلیمات جو کامل نمونہ عمل تخلیق کرتی ہیں جیسے پیغمبر اسلام کی زندگی کے مختلف پہلو:

۱۔ پیغمبر اسلام کا اللہ پر ایمان، عبادت الٰہی میں آپ کا خشوع و خضوع، اللہ کے حضور آپ کا احساس مسؤلیت وغیرہ۔

۲۔ پیغمبر اسلام کی خانگی اور عائلی زندگی۔

۳۔ مشرکین کے ساتھ آپ کی روش، مشرکین کی جانب سے پہنچنے والی تکلیفوں کے مقابلے میں آپ کا ردّ عمل۔

۴۔ مختلف طرح کے اہل کتاب کے ساتھ آپ کا برتاؤ۔

۵۔ جنگوں کے مختلف مراحل میں آپ کا کردار۔ فتح و شکست کی صورتوں میں آپ کا ردّ عمل۔

۶۔ ساتھیوں اور اصحاب کے ساتھ آپ کا طرز عمل۔ اُن سے مشاورت اور مختلف مراحل میں اُن کی تربیت اور اُن سے سلوک۔

۷۔ منافقوں کے ساتھ آنحضرت کا سلوک

toobaa-elibrary.blogspot.com

۸۔ آپ کی سچائی، امانت داری، حوصلہ مندی، اصحاب سے نرم خوئی وغیرہ۔

۹۔ آپ کا اسلوب دعوت اور اس کے مختلف مرحلے۔

۱۰۔ انبیاء اور کتب ماسبق کے بارے میں آپ کا پیغام۔

اور اسی طرح ایک قائد، رہبر، ہادی، پیغمبر، پیغمبر خاتم اور انسان کامل کی حیثیت سے آپ کی زندگی کے مختلف گوشے قرآن میں محفوظ ہیں۔

کتبِ احادیث:

جو احکامات الٰہی انسانوں تک پیغمبر اسلام کی طرف سے پہنچے اس کے دو حصے ہیں ایک قرآن جو لفظاً و معناً اللہ کا کلام ہے دوسرا پیغمبر اسلام کے تمام قولی اور فعلی ہدایات جو آپ نے نمائندہ خدا ہونے کی حیثیت سے انسانوں کے سامنے پیش کیے اور آپ کے پیروکاروں نے بعد والوں تک پہنچایا اور یہ سلسلہ جاری رہا اور ساتھ ہی کتابوں کی شکل میں محفوظ کیا۔

قرآن کے بعد سیرت کا سب سے بنیادی ماخذ حدیث ہے محدّثین نے حدیث کی تعریف یوں بیان کی ہیں۔

حافظ ابن حجر عسقلانی کے مطابق:

المراد بالحدیث فی عرف الشرع ما یضاف الی النبی صلّی اللہ علیہ وسلم (۴۱)

عرف عام میں حدیث سے مراد وہ چیز کہ جس کی نسبت پیغمبر اسلام کی طرف دی جاتی ہے۔

اسلام میں حدیث کو بنیادی حثیت حاصل ہے کیونکہ قرآن میں احکامات الٰہی اکثر اشارات میں بیان ہوئے ہیں تفصیلات بیان نہیں ہوئی ہیں مثلاً قرآن میں نماز کا حکم آیا ہے لیکن نماز کی تفصیلات بیان نہیں ہوئی ہیں کہ کتنی رکعات پڑھنی ہے کیسے پڑھنی ہے لہٰذا ان کی تفصیلات پیغمبر اسلام کی آحادیث میں بیان ہوئی ہیں پتہ چلا کہ قرآن کی تفہیم حدیث کے بغیر ممکن نہیں ہے اس لئے اس بنیادی ماخذ کو محفوظ بنانے کے لئے مسلمانوں نے علم الرجال کے نام سے باقاعدہ فن ایجاد کیا جس میں راویان حدیث کی

toobaa-elibrary.blogspot.com

پیدائش سے لے کر وفات تک کے حالات معلوم کیے جاتے ہیں یوں ہزاروں راویوں کا ریکارڈ جمع کرنا مسلمان محدّثین کا ایک منفرد کام ہے۔

کتب حدیث میں بیان کردہ واقعات سیرت قرآن کے بعد باقی تمام ماخذ سے سیرت سے زیادہ مستند اور زیادہ قابل اعتماد سمجھے جاتے ہیں حقیقت یہ ہے کہ اسلام کا کوئی موضوع حدیث کے بغیر مکمل نہیں ہو سکتا علماء حدیث کی گراں قدر کوششوں کا نتیجہ ہے کہ آج پیغمبر اسلام کی ہر ادا، پسند، ناپسند، اظہار خوشی، ناراضگی کی ہر کیفیت کو محفوظ کر لیا گیا ہے۔

عربوں میں کسی بات کو لکھ کر رکھنے کے بجائے ذہن میں محفوظ رکھنے کی عادت تھی بلکہ بعض اوقات تو لکھنے کو عیب سمجھتے تھے اور ایسے شخص پر ترس کھایا جاتا تھا کہ بچارے کی یاداشت کمزور ہے اس لئے اسے لکھنا پڑھ رہا ہے اہل عرب کی ذہانت بہت قوی تھی کیونکہ لکھنے کا رواج نہ ہونے کے برابر تھا لہذا اشعار کی صورت میں گذشتہ لوگوں کے انساب و واقعات زبانی یاد کر لیا کرتے تھے اسلام قبول کرنے کے بعد انہوں نے اپنی ذہانت کو قرآن و حدیث کو حفظ کرنے کے لئے استعمال کیا۔ احادیث میں یہ بات ملتی ہے کہ خود پیغمبر اسلام نے اپنے دور میں ہی آحادیث کو لکھنے کی ترغیب دی اور یوں کچھ صحابہ نے آپ کے اقوال وافعال کو تحریری طور پر بھی محفوظ کیا تھا مثلاً:

عن ابی هريرة قال كان رجل من النصار يجلس الى النبى صلى الله عليه وسلم فيسمع من النبى صلى الله عليه وسلم الحديث فعجبه ولا يحفظه فشكا ذلك الى النبى صلى الله عليه وسلم فقال يا رسول الله انى اسمع منك الحديث فيعجبنى ولا احفظه فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم استعن بيمينك واوما بيده للخط (۴۲)

حضرت ابوہریرہ سے منقول ہے کہ ایک شخص حضور اکرم کی مجلس میں حاضر ہوتے تھے، وہ حضور کے کلام کو سنتے تو وہ اچھا لگتا؛ لیکن وہ اسے یاد نہیں رکھ پاتے تھے؛ انہوں نے اپنے حافظہ کی کمزوری کی شکایت حضور سے کی تو آپ نے فرمایا: اسے لکھ لو۔

قيدوا العلم قلت: وما تقيده: قال: كتابته۔ (۴۳)

toobaa-elibrary.blogspot.com

علم کو قید کرو، میں نے کہا: علم کو قید کرنا کیا ہوتا ہے، آپ نے فرمایا: اس کو لکھ لینا۔

حدیث کی جمع آوری کا کام خود عہد پیغمبر میں شروع ہو چکا تھا لیکن باضابطہ سرکاری طور پر خلیفہ عمر بن عبدالعزیز کے دور میں ہوا جیسا کہ عمر بن عبدالعزیز نے ابو بکر بن حزم کو لکھا:

کتب عمر بن عبد العزیز الی ابی بکر بن حزم انظر ما کان من حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم فاکتبہ فانّی خفت دروس العلم وذھاب العلماء(۴۴)

عمر بن عبدالعزیز نے ابو بکر بن حزم کو لکھا کہ پیغمبر اسلام کی احادیث پر نظر رکھیں اور انہیں لکھ لیں کیونکہ مجھے علم کے مٹ جانے اور علما کے اٹھ جانے کا ڈر ہے۔

کتبِ تواریخ:

مسلمانوں نے فن تاریخ نویسی کو بڑی ترقی دی اور عالمی تاریخ کو عموماً اور تاریخ اسلام کو خصوصاً بڑی بڑی ضخیم کتابوں میں جمع کیا۔ اس قسم کی کتابوں میں سیرت طیبہ کا مذکور ہونا لازمی تھا۔ اس قسم کی چند نمایاں اور بنیادی کتابیں، جو سیرت طیبہ کے لیے بھی اہم مآخذ و مصدر ہیں، درج ذیل ہیں۔

۱۔ تاریخ یعقوبی، احمد بن ابی یعقوب (م ۲۸۴ھ)

یہ کتاب دو جلدوں پر مشتمل ہے جس میں حضرت آدمؑ سے لے کر ۲۵۹ھ تک کے حالات کو قلمبند کیا گیا ہے۔

۲۔ تاریخ طبری، ابن جریر طبری (م ۳۱۰ھ)

علامہ ابو جعفر محمد ابن جریر طبری کی کتاب تاریخ الرسل والملوک جو تاریخ طبری کے نام سے مشہور ہے۔ مکمل کتاب آٹھ جلدوں میں ہے جن میں سے دوسری جلد سیرت النبی کے متعلق ہے۔ تاریخ طبری کو اسلامی تاریخ میں بہت بڑا مقام حاصل ہے۔ تاریخ ابن خلقان کے مصنّف لکھتے ہیں:

ابن جریر طبری فنون کثیرہ میں امام تھے آپ اپنی روایات میں ثقہ تھے اور آپ کی تاریخ اصح اور معتبر ہے۔(۴۵)

شبلی نعمانی اپنی کتاب میں لکھتے ہیں:

toobaa-elibrary.blogspot.com

تاریخی اعتبار سے سب سے جامع اور مفصل کتاب امام طبری کی تاریخ کبیر ہے تمام محدّثین ان کے فضل و کمال ثقّہ اور وسعت علم کے معترف ہیں۔(۴۶)

۳۔التنبیہ والاشراف،ابوالحسن علی بن حسین مسعودی(م۳۴۵ھ)

مسعودی نے اسے چار حصوں پر تقسیم کیا ہے پہلا حصہ سیرت النبی سے متعلق ہے۔ان کی دوسری کتاب مروج الذہب ہے جس کی پہلی جلد میں عہد نبوی کا تذکرہ ہے۔

۴۔المنتظم فی تاریخ الامم والملوک،ابن جوزی(م۵۹۷ھ)

یہ کتاب ۱۸ جلدں میں شایع ہوئی ہے پہلی دو جلدیں عہد نبوی سے قبل کی تاریخ پر مشتمل ہیں باقی جلدیں عہد نبوی سے ۵۷۴ھ تک احاطہ کرتی ہیں۔

۵۔الکامل فی التاریخ،ابن الاثیر(م۶۳۰ھ)

یہ کتاب ۹ جلدوں میں ہے اور اس کی دوسری جلد سیرت النبی سے متعلق ہے۔

۶۔تاریخ الاسلام ووفیات المشاہیر والاعلام۔شمس الدین محمد بن عثمان الذہبی(م۷۴۸ھ)

یہ کتاب چالیس جلدوں میں شائع ہو چکی ہے۔عہد نبوی سے ۶۸۰ھ تک کی تاریخ پر محیط ہے۔

۷۔البدایہ والنہایہ۔حافظ ابن کثیر۔(م۷۷۴ھ)

یہ کتاب ۹ جلدوں میں ہے۔اس کتاب کی دوسری سے چھٹی تک کی پانچ جلدیں سیرت سے متعلق ہیں۔اس کتاب کا یہ مخصوص حصہ سیرت ابن کثیر کے نام سے الگ سے ۴ جلدوں میں بھی شائع ہو چکا ہے۔

۸۔تاریخ ابن خلدون۔عبدالرحمٰن بن محمد بن خلدون الحضرمی(م۸۰۸)

یہ کتاب دو بڑے حصّوں پر مشتمل ہے۔پہلے حصے میں مقدمہ ہے۔مقدّمہ ابن خلدون کو ایک منفرد حیثیت حاصل ہے۔خاص طور پر علم عمرانیات کے حوالے سے مقدمہ ابن خلدون بنیادی حوالہ کی اہمیت رکھتا ہے۔اس کتاب کو ابن خلدون نے چار سال میں لکھی۔دوسرا حصّہ سیرت النبی پر ختم ہوتا ہے جس میں پیغمبر اسلام کے حالاتِ زندگی،شمائل،غزوات اور دیگر تمام واقعات ذکر ہیں۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

۹۔تاریخ الخمیس۔ حسین بن محمد بن حسن الدیار بکری۔(م ۹۸۲ھ)

یہ کتاب ۵ جلدوں میں ہے۔اس کی جلد اول اور دوم کا بڑا حصہ سیرت طیبہ پر مشتمل ہے۔اس کتاب کا سال تالیف ۹۴۶ھ ہے۔

طبقات مشاہیر:

تاریخ اسلام (سن وار) لکھنے کے علاوہ بعض مسلمان اہل علم نے مشہور شخصیتوں کی آٹھ اقسام الگ الگ کر کے ہر گروہ یا طبقے کے مشاہیر کے حالات الگ الگ کتابوں میں جمع کیے ہیں۔ مثلاً صحابہ، حفاظ و قراء ، شعراء، علمائے لغت و نحو، اطباء وغیرہ۔ اس قسم کی کتابیں عموماً طبقات کے نام سے لکھی گئی ہیں مثلاً طبقات ابن سعد، طبقات القراء، طبقات الاطباء وغیرہ۔ اس قسم کی کتابیں، جن کا تعلق بالخصوص صحابہ کرام سے ہے،ان میں سیرت طیبہ پر بھی بہت کچھ مواد ملتا ہے۔

ا۔الطبقات الکبیر المعروف طبقات ابن سعد، محمد ابن سعد (م ۲۳۰ھ)

یہ محمد ابن سعد کی تصنیف جو صحابہ کرام اور تابعین کے حالات پر ہے۔اس کتاب کے ابتدائی حصے میں سیرت طیبہ کا بیان ہے۔ مکمل کتاب کے آٹھ حصوں میں سے پہلے دو حصے سیرت پر مشتمل ہیں۔اس لحاظ سے یہ سیرت نبوی کے نہایت قدیم اور قیمتی مصادر و مآخذ میں شمار ہوتی ہے۔

۲۔ فتوح البلدان وانساب الاشراف،ابوالحسن احمد بن یحیٰی بن جابر بن داؤد البلاذری (۲۷۹ھ)

علم الانساب پر سب سے مشہور اور جامع کتاب احمد بن یحیی البلاذری کی ''انساب الاشراف'' ہے۔ کہنے کو تو یہ انساب کی کتاب ہے لیکن اس میں تاریخی معلومات بکثرت موجود ہیں کیونکہ مصنف نے ہر شخصیت کے نسب کے ساتھ اس کے پورے حالات زندگی بیان کر دیے ہیں۔ موجودہ دور میں یہ کتاب بڑے سائز کے پانچ پانچ سو صفحات پر مشتمل ۱۳ جلدوں میں چھپی ہے۔ مصنف نے پیغمبر اسلام کے خاندان سے آغاز کرتے ہوئے نسل در نسل آپ کے ایک ایک رشتے دار کے حالات بیان کیے ہیں۔ پھر آپ کے چچا ابو طالب اور عباس کے خاندان کے حالات بیان کیے ہیں۔اس کے بعد بنواُمیہ، بنو زہرہ، بنو تیم، بنو مخزوم، بنو عدی اور قریش کے دیگر خاندانوں کے لوگوں کے حالات بیان کیے ہیں۔ کتاب کی ترتیب انہوں

toobaa-elibrary.blogspot.com

نے اس طرح رکھی ہے کہ جو خاندان نسب کے اعتبار سے پیغمبر اسلام سے جتنا قریب ہے، اس کے حالات انہوں نے پہلے بیان کیے ہیں۔

۳۔ تاریخ الاسلام والطبقات المشاہیر والاعلام، محمد بن احمد بن عثمان الذہبی (م ۷۴۸ھ)

اس کتاب کی متعدد جلدوں میں سے پہلی جلد سیرت سے متعلق ہے۔

سیرت نویسی کا آغاز:

آغازِ اسلام میں جب مسلمانوں نے احادیث نبوی کو باضابطہ تحریری شکل میں لانا شروع کیا تو ساتھ ساتھ پیغمبر اسلام کے غزوات پر فن مغازی کے تحت کتب بھی تحریر میں لائیں۔ شبلی نعمانی اپنی کتاب سیرت النبی میں لکھتے ہیں کہ مغازی رسول کے حوالے سے حضرت عروہ بن زبیر (م ۹۶ھ) نے پہلی دستاویز تیار کی، اور فن سیرت نگاری کے امام اول امام زہری کے تلمیذ محمد بن اسحاق بن یسار ہیں، ابن اسحاق نے سیرت نگاری کو ایک مستقل فن کی حیثیت دی۔ اُن کے بعد یہ سلسلہ مختلف حوالوں سے شروع ہو گیا۔ کسی نے حدیث کے عنوان پیغمبر اسلام کے اقوال کی جمع آوری سے آغاز کیا، کسی نے تاریخ نویسی کے عنوان سے تحریر عمل میں لایا اور کسی نے سیرت نگاری کے عنوان سے کام کی ابتدا کی۔ آج کئی صدیاں گزر گئی لیکن سیرت نویسی کا کام جاری ہے۔ پیغمبر اسلام پر لکھی گئی کتب کی تعداد انسان کو حیرت میں ڈال دینے کے لیے کافی ہیں۔ یہ کہنا بے جانہ ہو گا کہ دنیا میں کسی شخصیت کے بارے میں اتنا نہیں لکھا گیا جتنا پیغمبر اسلام کے بارے میں لکھا گیا۔ آپ کی زندگی پر مسلم اور غیر مسلم دونوں طرف کے دانشوروں نے کئی کئی جلدوں پر مشتمل تصانیف تحریر کیں۔ سیرت النبی پر لکھنے والوں کی کثرتِ تعداد کا ذِکر آکسفورڈ یونیورسٹی کے مشہور عربی دان پروفیسر مارگولیتھ نے اپنی کتاب ''محمد'' میں اِس طرح کیا ہے:

> The biographers of the Prophet Mohammed from a long series which it is impossible to end, but in which it would be honourable to find a place(۴۷).
>
> ''محمد کے سیرت نگاروں کا ایک وسیع سلسلہ ہے جن کا ختم ہونا غیر ممکن ہے، لیکن اس میں جگہ پانا قابل فخر چیز ہے۔''

toobaa-elibrary.blogspot.com

اوّلین کتب سیرت جو یا تو پیغمبر اسلام کے قریب ترین دور میں لکھی گئیں اور آنے والوں کے لیے مآخذ و مصادر بنیں یا اِن اولین کتب سیرت کی بنیاد پر تالیف کی جانے والی اولین ضخیم اور جامع کتب سیرت جن میں شامل مواد متعدد کتب سے جمع کیا گیا۔ان میں سے بہت سی کتب سیرت ناپید ہو چکی ہیں تاہم ان کا ذکر اور ان سے اخذ کردہ مواد کے حوالے بعد کی کتابوں میں ملتے ہیں۔ سیرت پر آج بھی سینکڑوں کتابیں موجود ہیں۔ لیکن سب کا سلسلہ جا کر ان ہی چند کتابوں سے ملتا ہے۔

السّیرۃ النّبویۃ، محمد بن اسحاق بن یسار بن خیار (م ۱۵۰ھ)

محمد بن اسحاق آٹھویں صدی کے قدیم ترین سیرت نگار ہیں آپ نے فن مغازی میں سب سے زیادہ شہرت حاصل کی۔آپ امام فن مغازی کے نام سے مشہور ہیں آج اصل کتاب ملنا مشکل ہے لہذا اس کی یادگار سیرت ابن ہشام کی شکل میں دستیاب ہے۔

مغازی واقدی، محمد بن عمر الواقدی (م ۲۰۷ھ)

اس کتاب کے مولف محمد بن عمر واقدی (پیدائش ۱۳۰ھ وفات ۲۰۷ھ) ہیں واقدی غزوات اور فتوحات کے سلسلے میں اچھی خاصی معلومات رکھتے تھے انہوں نے ہجرت سے لے کر پیغمبر اسلام کی رحلت تک کی روایات کے بارے میں عمدہ تحقیق کی ہے جس کی وجہ سے وہ پیغمبر اسلام کی جنگوں کو تفصیل کے ساتھ بیان کرنے میں کافی حد تک کامیاب رہے۔

تلخیص و تہذیب سیرت ابن اسحاق، ابو محمد عبد الملک بن ہشام (م ۲۱۸ھ)

سیرت ابن ہشام پیغمبر اسلام کی زندگی پر لکھی جانے والی ابتدائی کتابوں میں سے ایک ہے تاریخ اور سیرت کے بنیادی اور ابتدائی ماخذ و مصادر میں کلیدی اہمیت حاصل ہے۔ابن ہشام نے اپنے پیش رو ابن اسحاق کی کتاب (المبتداء والمبعث والمغازی) کو بنیاد بنایا اور اس میں جابجا ترمیمات اور اضافوں سے کتاب کی افادیت میں اضافہ کیا اور ان ضافوں کے بعد یہ کتاب ابن ہشام کے نام سے مشہور ہو گئی۔

انسان العیون فی سیرۃ الامین المامون، شیخ علی بن برہان الدین حلبی (م ۱۰۴۴ھ)

سیرت حلبیہ اصل میں سیرت کی دو اہم کتب (عیون الاثر) اور (سیرت الشمس الشامی) کی تلخیص کے طور پر مرتب کی ہے مؤلف نے اور دونوں کتابوں میں منتشر واقعات کو مربوط کر کے تسلسل

toobaa-elibrary.blogspot.com

کے ساتھ مرتب کیا ہے اس کتاب کی خصوصیت یہ ہے ایک واقعہ کے ذیل میں جتنی مختلف اور متفرق روایات فراہم ہوتی ہیں ان میں سے اکثر پیش کرتے ہیں اور اس کے بعد ان روایات میں سے ممکن طور پر تضاد کو دور کر کے موافقت پیدا کرنے کی کوشش کی ہے جس سے مختلف تاریخی واقعات کا ایک دوسرے سے جوڑ پیدا کرنا ممکن ہو جاتا ہے۔اور آپ نے مفید اضافے بھی کئے۔

جمع وتدوین سیرت:

پیغمبر اسلام کی سیرت کے مختلف پہلوؤں پر مبنی معلومات آپ کے اہل بیت، اصحاب، اور آپ کی ازواج کے پاس منتشر صورت میں موجود تھیں۔ چونکہ آپ بطور رسول اللہ ان سب کی توجہ کا مرکز تھے اس لیے یہ تمام اصحاب آپس میں ملتے تھے تو پیغمبر اسلام سے متعلقہ مختلف قسم کی معلومات کا تبادلہ بھی کرتے جیسے کسی تازہ ترین وحی، کسی واقعہ یا کسی فرمان کا باہمی تبادلہ وغیرہ۔

پیغمبر اسلام کے انتقال کے بعد آپ کے پیروکاروں کے دل میں اپنے ہادی و پیشوا کی ذاتِ، آپ کے اخلاق و عادات اور آپ کی زندگی سے متعلق باتیں دریافت کرنے کا شوق بڑھتا چلا گیا۔ اس شوق و جستجو سے رفتہ رفتہ روایات کا ایک وسیع ذخیرہ ہونا شروع ہو گیا۔ صحابہ کے بعد تابعین کے دور نہ صرف روایات جمع کرنے کا کام ہوا بلکہ ان روایات کو مختلف طریقوں سے منظم کرنے کا کام بھی شروع ہو گیا مثلاً ایک تابعی مختلف صحابہ کرام سے پیغمبر اسلام کے وعظ، تقریر اور نصائح کے حوالے سے عام روایات کو یاد کرتا یا لکھ لیتا تو دوسرا تابعی اپنے ملنے والے صحابہ کرام سے پیغمبر اسلام کے غزوات اور دیگر واقعات دریافت کر کے لکھ لیتا۔ اس طرح ایک ایک تابعی کے پاس دس بیس یا پچاس صحابہ کرام کے ذریعے سے حاصل ہونے والی معلومات جمع ہوتی گئیں۔ فتوحات کے نتیجہ میں جب صحابہ ایران، عراق، شام اور مصر وغیرہ میں پھیلے تو ان سے معلومات جمع کرنے کا کام ان علاقوں میں بھی جاری رہا۔

تابعین کے بعد تبع تابعین کے دور میں صحابہ کرام اور تابعین سے جمع شدہ روایات اور بیسیوں چھوٹی چھوٹی کتابوں میں ذخیرہ شدہ معلومات کو مناسب تقسیم اور ترتیب دے کر بڑی اور جامع کتب مرتب ہوئیں۔ اس کے ساتھ ہی ساتھ اسی زمانے میں قرآن، حدیث اور فقہ کے بنیادی علوم کے ماتحت ان کے ذیلی علوم اور ان علوم میں مہارت کے حامل مخصوص افراد سامنے آئے۔ ان افراد نے جب تفسیر،

toobaa-elibrary.blogspot.com

حدیث، تاریخ، مغازی و سیرت کے بڑے بڑے مجموعات مرتب کئے تو ان کی مقبولیت کے باعث اس سے پہلے کے چھوٹے چھوٹے مجموعے متروک ہوتے چلے گئے تاہم ان چھوٹے مجموعوں کے حوالے بڑے مجموعوں اور جامع کتب میں بکثرت ملتے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان جامع کتب کی تدوین کے زمانے تک یہ چھوٹے، مختصر مگر اصل مآخذ موجود تھے اور پڑھے پڑھائے جاتے تھے۔

اسی پسِ منظر میں تدوین سیرت کا کام بھی یوں شروع ہوا کہ جب مسلمانوں نے اپنے ہادی و رہنما کے اقوال وافعال اور احوال کو اختیار کیا اور تفصیل سے جمع و محفوظ کرنا شروع کیا تو بعض بزرگوں نے صرف واقعات سیرت سے متعلق مواد جمع کرنے کو ہی اپنا دینی و علمی مشغلہ بنالیا اور اس فن میں خاصی شہرت پائی۔

تابعین اور تبع تابعین میں سے جن لوگوں نے سیرت و مغازی پر مواد جمع کیا اور ابتدائی کتابیں لکھیں ان میں سے مشہور لوگوں کے نام سنین وفات کی ترتیب سے پیش کیے جارہے ہیں تاکہ یہ حقیقت روزِ روشن کی طرح عیاں ہو جائے کہ کس طرح سیرت نگاری کا عمل ایک تسلسل سے جاری رہا اور تفسیر، حدیث اور تاریخ کی طرح تیسری صدی ہجری کے آخر تک مکمل ہوا۔

(1)	عروہ ابن زبیر بن عوام	متوفی ۹۴ھ
(2)	ابو عمرو عامر بن شراجیل الشعبی	متوفی ۱۰۹ھ
(3)	وہب بن منبہ	متوفی ۱۱۴ھ
(4)	عاصم بن عمر بن قتادہ انصاری	متوفی ۱۲۱ھ
(5)	محمد بن مسلم بن شہاب زہری	متوفی ۱۲۴ھ
(6)	یعقوب بن عتبہ بن مغیرہ بن الاخنس	متوفی ۱۲۸ھ
(7)	موسیٰ بن عقبۃ الاسدی	متوفی ۱۴۱ھ
(8)	ہشام بن عروہ ابن زبیر	متوفی ۱۴۶ھ
(9)	محمد بن اسحق بن یسار المطلبی	متوفی ۱۵۰ھ
(10)	عمر بن الراشد الازدی	متوفی ۱۵۲ھ

toobaa-elibrary.blogspot.com

(11) عبدالرحمن بن عبدالعزیزالاوسی متوفی ۱۶۲ھ

(12) محمد بن صالح بن دینارالتمار متوفی ۱۶۸ھ

(13) ابو معشر نجیح المدنی متوفی ۱۷۰ھ

(14) عبداللہ بن جعفر ابن عبدالرحمن المخزومی متوفی ۱۷۰ھ

(15) علی بن مجاہدالرازی الکندی متوفی ۱۸۰ھ

(16) زیادہ بن عبداللہ بن الطفیل ابکائی متوفی ۱۸۳ھ

(17) سلمہ بن الفضل الابرش الانصاری متوفی ۱۹۱ھ

(18) ابو محمد یحییٰ بن سعید ابن ابان الاموی متوفی ۱۹۴ھ

(19) ولید بن مسلم القرشی متوفی ۱۹۵ھ

(20) یونس بن بکیر متوفی ۱۹۹ھ

(21) محمد بن عمر والواقدی الاسلمی متوفی ۲۰۷ھ

(22) یعقوب بن ابراہیم الزہری متوفی ۲۰۸ھ

(23) عبدالملک بن ہشام الحمیری علی بن المدائینی متوفی ۲۲۵ھ

(24) عمر بن شبتہ البصری متوفی ۲۶۲ھ

(25) محمد بن عیسی الترمذی متوفی ۲۷۹ھ

(26) ابراہیم بن اسحاق بن ابراہیم متوفی ۲۸۵ھ

(27) ابو بکر احمد بن ابی خثیمۃ البغدادی متوفی ۲۹۹ھ

سیرت نویسی اور مستشرقین:

مستشرقین صدیوں سے اسلام اور اس کی تعلیمات کے بارے میں اپنی تحقیقات میں مصروف ہیں ان کی تعداد تقریبا سینکڑوں میں ہے ان کا تعلق کسی ایک ملک یا علاقے سے نہیں ہے بلکہ یہ دنیا کے مختلف ممالک اور خطوں میں مصروف عمل ہیں لیکن جس طرح پانچوں انگلیاں برابر نہیں ہوتیں اسی طرح ان مستشرقین کو ایک ہی درجے میں نہیں رکھا جاسکتا۔ ان میں کچھ متعصب ہوتے ہیں اور کچھ انصاف پسند

toobaa-elibrary.blogspot.com

بھی ہوتے ہیں۔ چونکہ علم ایک ایسی روشنی ہے جو انسان کے قلب و نظر کو وسعت دیتی ہے اور حقائق سے اگاہ کرکے اس کے اندر کی دنیا کو تبدیل کر دیتی ہے اس لئے بہت سے ایسے لوگ دنیا میں ہمیشہ موجود ہوتے ہیں جن کا مقصد صرف علم اور تحقیق کی حوصلہ افزائی ہے ایسے لوگ مشرق میں بھی پائے جاتے ہیں اور مغرب میں بھی اسی طرح شمال و جنوب بھی ان سے خالی نہیں ہیں۔ یہ لوگ اپنے علم اور اپنی تحقیق کو بلاخوف وخطر جوں کا توں بیان کر دیتے ہیں ان کو اس بات سے غرض نہیں ہوتی کہ ان کی تحقیق سے کسی کو نقصان پہنچتا ہے یا فائدہ وہ سچ کو بیان کر دیتے ہیں۔ ان لوگوں نے مشرق سے علم وادب کا ذخیرہ ترجمہ کر کے مغرب میں پہنچایا جس میں تحقیق اور اضافے کے نتیجے میں آج مغرب دنیا پر حکومت کر رہا ہے۔ انہوں نے مشرق کے چپے چپے کو چھان مارا اور جہاں سے کچھ ملا اس کو حاصل کیا اور اپنی شب وروز محنت سے سنوار کر علم و فن کو علمی ذوق و شوق رکھنے والوں کے حوالے کیا۔ اسلامی دنیا کا بہت سا علمی ذخیرہ جو صرف مسلمانوں کی ضرورت تھا اسے بھی انھیں لوگوں نے تلاش کر کے دنیا کے سامنے پیش کیا لیکن اس بات سے حیرت ہوتی ہے کہ عام طور پر ان مستشرقین کا رویّہ بھی انھیں چیزوں کے بارے میں غیر جانبدارانہ ہوتا ہے جو اسلامی عقائد سے ہٹ کر ہوں جب معاملہ اسلامی عقائد و نظریات کا آتا ہے تو یہ لوگ بھی بعض اوقات اپنے متعصب محققین کی تحریروں سے استفادہ کرنے لگ جاتے ہیں اور حقیقت کی تلاش میں زیادہ جستجو نہیں کرتے۔ علامہ شبلی نعمانی نے مستشرقین کو تین اقسام میں تقسیم کیا ہے۔

ا۔ عربی زبان و ادب اور تاریخ اسلام سے ناواقف مستشرقین جن کی معلومات براہ راست نہیں ہوتیں بلکہ وہ تراجم سے مدد لیتے ہیں۔

۲۔ وہ مستشرقین جو عربی زبان اور تاریخ سے تو واقف ہوتے ہیں مگر مذہبی لیٹریچر اور فنون مثلاً آسماء الرجال، روایات اور درایت کے اصولوں، قدیم ادب اور روایات سے واقف نہیں ہوتے۔

۳۔ وہ مستشرقین جو اسلامی علوم اور مذہبی لٹریچر کا مطالعہ کر چکے ہوتے ہیں لیکن اپنے مذہبی تعصبات کو دل سے نہیں نکال سکے۔ وہ اسلامی علوم کے بارے میں تعصب، تنگ نظری اور کذب وافترا سے کام لیتے ہیں۔ (۴۹)

ہنری وی کاستری کے بیان سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے جیسا کہ انہوں نے لکھا ہے:

toobaa-elibrary.blogspot.com

''وہ گیت اور کہانیاں جو اسلام کے متعلق یورپ میں قرونِ وسطیٰ میں رائج تھے۔ ہمیں نہیں معلوم کہ مسلمان ان کو سن کر کیا کہیں گے ؟ یہ تمام داستانیں اور نظمیں مسلمانوں کے مذہب کی ناواقفیت کی وجہ سے بغض وعداوت سے بھری ہوئی ہیں۔ جو غلطیاں اور بدگمانیاں اسلام کے متعلق آج تک قائم ہیں ان کا باعث وہی قدیم معلومات ہیں۔ ہر مسیحی شاعر مسلمانوں کو مشرک اور بت پرست سمجھتا تھا۔ مسلمانوں کے تین خدا تسلیم کئے جاتے تھے۔''(۵۰)

ہم یہاں ان مستشرقین کا ذکر کرتے ہیں جنہوں نے غیر جانبداری کے ساتھ پیغمبر اسلام کی سیرت پر اپنی تحقیق پیش کی اور پیغمبر اسلام کی ذات کو کیسے پایا؟

مائیکل ہارٹ اپنی کتاب میں لکھتا ہے:

My choice of Mohammad is to lead the list of the world,s most influential person,s may surprise some readers may be qustioned by others, but he was the only man in history who was supremely succsessfull on both religious and secular levels (۵۱)

دنیا کے سب سے موثر ترین افراد کی فہرست میں محمد کو پہلے رکھنے کی وجہ سے شاید کچھ انسانوں کو حیرت ہو اور شاید کچھ دیگر لوگ اس پر سوال اٹھائیں، مگر یہ تاریخ انسانی کا وہ واحد انسان ہے جو مذہبی اور سیکولر دونوں سطح پر کامیاب رہا۔

امریکی پروٹسٹنٹ پشب اپنی کتاب (۔محمد اور محمد زم) میں رقمطراز ہیں:

He was caesar and pope in one, but he was pope without people,s pretensions,caesar without the legions of caesar,without a standing army, without a bodyguard , without a palace, without a fixed revenue if ever any man had the right to say that he rolued by

toobaa-elibrary.blogspot.com

the right divine,it was mohammad for he had all the power without its instruments and without its supports(۵۲).

وہ بیک وقت قیصر اور پوپ تھا تاہم ایسا پوپ جسے کوئی دعویٰ نہ تھا اور ایسا قیصر جسکے پاس بڑا لشکر نہ تھا اگر کسی شخص سے یہ پوچھا جائے کہ باقاعدہ فوج، محافظوں ، محل، محصولات کے بغیر دنیا میں کس شخص نے فی الحقیقت الٰہی انداز میں حکومت کی اس کا جواب محمد ہوگا چونکہ اس کے پاس پوری قوت تھی،تاہم اپنے ضروری آلات اور ان کی مدد کے بغیر۔

انگریز مفکر جارج برنارڈ شاہ اپنی کتاب ''The Genuine Islam'' میں لکھتا ہے:

I believe that if a man like him were to assume the dictatorship of the modern world he would succeed in solving its problems in a way that would bring it the much needed peace and happiness: I have prophesied about the faith of Muhammad that it would be acceptable to the Europe of tomorrow as it is beginning to be acceptable to the Europe of today(۵۳).

مجھے یقین ہے کہ اگر اس (محمد) جیسے انسان کو جدید دنیا پر حکومت مل جائے تو وہ اس دنیا کے بہت سے مسائل کو حل کرنے میں کامیاب ہو جائیں گے اور اس دنیا کو درکار امن اور خوش بختی لوٹا دینگے۔میں نے اس کا مطالعہ کیا ہے۔میری نظر میں وہ انسان عیسائیت کا دشمن نہیں تھا۔اسے انسانیت کا منجی کہا جانا چاہیے۔میں نے محمد کے ایمان کے بارے میں پیش گوئی کی تھی کہ یہ کل کے یورپ کیلئے قابل قبول ہوگا جیسے کہ وہ آج کے یورپ کیلئے قابل قبول بننا شروع ہو چکا ہے۔

معروف انگریز تاریخ دان ایڈورڈ گبن پیغمبر اسلام کے بارے میں اپنی کتاب میں لکھتے ہیں:

toobaa-elibrary.blogspot.com

The greatest success of Mohammad's life was effected by sheer moral force without the stroke of a sword(۵۴)

محمد کی زندگی کی سب سے بڑی کامیابی بغیر تلوار کی طاقت استعمال کیے صرف اور صرف اخلاقی قوت کے ذریعے متاثر کرنا تھا۔

برٹن رسل رقمطراز ہیں:

The supremacy of the East was not only military. Science, philosophy, poetry, and the arts, all flourished in the Muhammadan world at a time when Europe was sunk in barbarism. Europeans, with unpardonable insularity, call this period 'the Dark Ages': but it was only in Europe that it was dark, indeed only in Christian Europe, for Spain, which was Muhammadan, had a brilliant culture(۵۵).

مشرق کی فوقیت فقط فوجی نہ تھی۔ محمد کے دور میں سائنس، فلسفہ، فن اور ادب سبھی نے ایک ہی وقت میں، اس وقت ترقی کی، جب یورپ جہالت میں غرق تھا۔ یورپین اس دور سے بیزاری کا اظہار کرنے کے لیے اس دور کو جاہلیت کا دور کہتے ہیں۔ تاہم یہ دور فقط یورپ کے لیے جاہلیت کا دور تھا اور وہ بھی مسیحی یورپ کیلئے۔ اسپین جو اس وقت اسلام کے زیر اثر تھا میں عظیم الشان ثقافت پروان چڑھ رہی تھی۔

فرانسیسی ادیب، اور سیاستدان لامارٹائن اپنی کتاب میں لکھتے ہیں:

"Philosopher, orator, apostle, legislator, warrior, conqueror of ideas, the founder of twenty terrestrial empires and of one spiritual empire, that is Muhammad. As regards all standards by which human

toobaa-elibrary.blogspot.com

greatness may be measured, we may well ask, is there any man greater than he(۵۶)"

فلسفی، خطیب، پیغمبر،، قانون دان، مرد میدان، فاتح نظریات، منطقی نظریات کا احیاء کرنے والا، بیس زمینی اور ایک روحانی سلطنت کا بانی محمد ہے ہر وہ معیار جس پر کسی انسان کی بڑائی کو پرکھا جا سکتا ہے، ہم یہ کہنے میں حق بہ جانب ہیں کہ کیا کوئی اس جیسا عظیم انسان تھا؟

وہ مستشرقین جو عربی زبان اور سیرت کے اصل ماخذوں سے واقف نہیں تھے ان کا سرمایہ معلومات اوروں کی تصنیفات اور تراجم تھے جن کی مدد سے انہوں نے پیغمبر اسلام کی زندگی پر لکھا ایسے غیر مسلم دانشوروں کے بارے میں فرانس کا مشہور مصنف ہنری وی کاستری یوں بیان کرتا ہے وہ گیت اور کہانیاں جو اسلام کے متعلق یورپ میں قرونِ وسطیٰ میں رائج تھے۔ ہمیں نہیں معلوم کہ مسلمان ان کو سن کر کیا کہیں گے؟ یہ تمام داستانیں اور نظمیں مسلمانوں کے مذہب کی ناواقفیت کی وجہ سے بغض و عداوت سے بھری ہوئی ہیں۔ جو غلطیاں اور بدگمانیاں اسلام کے متعلق آج تک قائم ہیں ان کا باعث وہی قدیم معلومات ہیں۔ ہر مسیحی شاعر مسلمانوں کو مشرک اور بت پرست سمجھتا تھا۔ مسلمانوں کے تین خدا تسلیم کئے جاتے تھے۔(۵۷)

سیرت کے مطالعہ کی ضرورت واہمیت:

مطالعہ سیرت پیغمبر اسلام ہر اس شخص کے لئے ضروری ہے جو اسلام کو جاننے، سمجھنے اور اس پر عمل پیرا ہونے کا خواہشمند ہے۔ اسلام کے ماننے والوں کے لئے مطالعہ سیرت کی ضرورت واہمیت بہت زیادہ ہے۔ مسلمانوں کی مقدس کتاب قرآن مجید میں پیغمبر اسلام کی ذات کو بہترین نمونہ قرار دے کر اہل اسلام کو آپ کے اسوہ حسنہ پر عمل پیرا ہونے کا حکم دیا گیا ہے لہذا سیرت پیغمبر کو جانے بغیر پیغمبر اسلام کے اسوہ حسنہ پر عمل ممکن نہیں۔ قرآن میں پیغمبر اسلام کی اتباع اور اطاعت کو لازم قرار دیا ہے۔ اس لحاظ سے پیغمبر اسلام کی سیرت کا مطالعہ از حد ضروری ہے تاکہ ان کے احکامات اور دیگر اوامر و نواہی کے ساتھ ساتھ آپ کی پسند و ناپسند کا علم بھی ہو سکے۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

دین اسلام کی تبلیغ اور نشر واشاعت کے حوالے سے سیرت کا مطالعہ ناگزیر ہے تاکہ ایک تو ہر مبلغ تبلیغ کے اس مسنون طریقہ کار سے آگاہ ہو جس پر عمل پیرا ہو کہ کس طرح آپ نے عالم عرب میں اتنا بڑا انقلاب لایا اور دوسرا اس مطالعہ کے ذریعے مخاطب کو آپ کے اسوہ حسنہ سے متعارف کروا کر اور موقع بہ موقع سیرت کے واقعات سُنا کر اسے متاثر کیا جا سکے۔

قرآن کا فہم مطالعہ سیرت کے بغیر نا ممکن ہے کیونکہ آپ ہی صاحب قرآن اور کامل مفسر ہیں۔ مسلمانوں کے لیے سیرت کا مطالعہ محض ایک علمی مشغلہ ہی نہیں بلکہ اہم دینی ضرورت ہے جبکہ غیر مسلموں کے لیے سیرت کے مطالعہ کی نوعیت اس سے کچھ مختلف ہو سکتی ہے۔ غیر مسلم کا سیرت کے مطالعہ کا مقصد ان حالات اور اسباب سے آگاہی ہو سکتا ہے کہ جس کے تحت پیغمبر اسلام نے تیئیس سال کے قلیل عرصہ میں دنیا میں ایک ایسا انقلاب برپا کر دیا اور عرب کے وہ لوگ جو اپنی ہی اولاد کو زندہ درگور کرتے تھے چھوٹی چھوٹی باتوں پر سالہا سال لڑتے تھے سے ایک ایسی امت تیار کر دی کہ جس کے کارنامے مورخین عالم کے لیے انتہائی دلچسپ اور حیران کن ہیں۔

فرانس کے مشہور مصنف ہنری وی کاستری نے غیر مسلم مصنّفین کی پیغمبر اسلام کے خلاف لکھی گئیں تحریروں پر جو تجزیہ بیان کیا جس کا ذکر میں اوپر کر چکا ہوں اس کے مطالعے سے ایک اور گروہ غیر مسلم مصنّفین کا سامنے آتا ہے اور وہ ہے وہ غیر مسلم جو اسلام اور پیغمبر اسلام سے اختلاف رکھتے ہیں، ان کے مطالعہ سیرت کا مقصد اصل حقائق سے آگاہی حاصل کر کے انہی واقعات کو توڑ مروڑ کر پیش کرنا اور حقیقت کے برعکس ان واقعات کو اپنے رنگ میں پیش کر کے اپنے مقاصد کی تکمیل کرنا بھی ہو سکتا ہے۔

مطالعۂ سیرت کا مقصد:

تاریخ کے مطالعے سے پتہ چلتا ہے کہ مسلمانوں نے اپنے نبی کی سیرت کے ایک ایک پہلو کو جس انداز میں محفوظ کیا اس کی مثال نہیں مل سکتی۔ بقول علامہ شبلی نعمانی:

> ”مسلمانوں کے اس فخر کا قیامت تک کوئی حریف نہیں ہو سکتا کہ انہوں نے اپنے پیغمبر کے حالات اور واقعات کا ایک ایک حرف اس استقصا کے ساتھ محفوظ رکھا کہ کسی

toobaa-elibrary.blogspot.com

شخص کے حالات آج تک اس جامعیت اور احتیاط کے ساتھ قلم بند نہیں ہو سکے اور نہ آئندہ توقع کی جاسکتی ہے۔"(۵۸)

آپ کی سیرت نگاری کا مقصد یہ نہیں ہے کہ محض تاریخی حیثیت سے لوگ اسے پڑھیں اور جانیں؛ کیوں کہ آپ کی داستانِ حیات کسی پہلوان کا قصہ نہیں ہے اور نہ ہی کوئی افسانوی کردار ہے بلکہ اس کا مقصد یہ ہے کہ آپ کے اخلاق اور اوصاف کا مطالعہ آپ کی محبت و رضا حاصل کرنے کے لیے کیا جائے، جیسا کہ قرآن کا واضح پیغام ہے: "اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوْنِی۔۔۔"(۵۹)

آپ کی زندگی پر ان گنت کتابیں لکھی گئیں اور اور یہ سلسلہ یہاں نہیں رکا بلکہ جاری ہے تاکہ دنیا کے سامنے آپ کی زندگی ایک مثالی زندگی رہے، جیسا کہ علامہ شبلی رقم طراز ہیں:

"سب سے زیادہ صحیح، سب سے زیادہ کامل، سب سے زیادہ علمی طریقہ یہ ہے کہ نہ زبان سے کچھ کہا جائے، نہ تحریری نقوش پیش کیے جائیں، نہ جبر و زور سے کام کیا جائے؛ بلکہ فضائلِ اخلاق کا ایک پیکرِ مجسم سامنے آجائے جو خود ہمہ تن آئینہ عمل ہو، جس کی ہر جنبشِ لب ہزاروں تصنیفات کا کام دے اور جس کا ایک ایک اشارہ اوامر سلطانی بن جائے، دنیا میں آج اخلاق کا جو سرمایہ ہے سب ان ہی نفوسِ قدسیہ کا پرتو ہے، دیگر اور اسباب صرف ایوانِ تمدن کے نقش و نگار ہیں۔"(۶۰)

عصر حاضر میں سائنس اور ٹیکنالوجی کا دور دورہ ہے۔ آج انسان نے بڑی ترقی کی ہے آئے دن نئے نئے انکشافات اور ایجادات سامنے آرہی ہیں۔ انسانیت کا بے دریغ قتل عام ہو رہا ہے دہشت گردی عروج پر ہے جس کا خاتمہ ناممکن نظر آرہا ہے۔ مائیں غربت کی وجہ سے اپنے ہی بچوں کو قتل کر رہی ہیں ایسے ہی حالات تاریخ میں آج سے ساڑھے چودہ سو سال پہلے بھی ملتے ہیں جب انسان غلامی کی زندگی گزار رہا تھا۔ جہالت کا دور دورہ تھا۔ قانون صرف غریبوں کے لئے تھا دولت مند لوگ کوئی بھی جرم کریں ان کو کوئی نہیں پوچھتا تھا غریب ہی ظلم کی چکی میں پستا تھا ایسے عالم میں پیغمبر اسلام نے اس ظلم کے خلاف آواز اٹھایا اور انسانیت کو ذلت اور رسوائی سے نجات دلائی۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

مطالعۂ سیرت کا مقصد یہ ہے کہ قرآنی آیات اور احادیثِ کی عملی صورت سامنے آسکے؛ کیوں کہ آپ کی پیروی آپ کی سیرت کو جانے بغیر ممکن نہیں اور آپ کی سیرت کے مطالعے سے قرآن وسنت کا اصلی فہم حاصل ہوتا ہے۔ مسلمانوں کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ انہوں نے اپنے نبی سے حد درجہ لگاؤ ومحبت کی بناپر آپ کی پوری زندگی کے حالات محفوظ کر لئے ہیں۔ مثلاً ہر موقع کے افعال واقوال، رفتار وگفتار، عادات واطوار، معاملات ومجاہدات اور ملبوسات وغیرہ۔ آپ کی سیرت کے دو حصّے ہیں، پہلا خَلقی اور دوسرا خُلقی۔

خَلقی سے مراد ہے کہ آپ کے جسمِ کے اندر کون کون سے اوصافِ جمیلہ تھے۔ اور آپ کے جسم کی بناوٹ اور ساخت کس انداز کی تھی اور خُلقی سے مراد ہے کہ آپ کے اخلاق کیسے تھے گھر کے لوگوں کے ساتھ آپ نے فرمایا:

''خَيْرُكُمْ خَيْرُكُمْ لِاَهْلِهٖ وَاَنَا خَيْرُكُمْ لِاَهْلِي''(٦١)

تم میں بہترین انسان وہ ہے جو اپنے گھر والوں ہیں بہتر ہو اور میں تم سب میں اپنے گھر والوں کے نزدیک بہتر ہوں۔

پیغمبر اسلام کی زندگی کے ہر پہلو اور ہر گوشے کو محفوظ کرنے کی کیا حکمت کار فرما تھی؟ اس سوال کے ضمن میں کہا جاسکتا ہے کہ آپ کی شخصیت کسی بھی زمانے کے لئے نمونہ عمل بننے کی پوری صلاحیت رکھتی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کے اقوال وافعال، وضع وقطع، شکل وشباہت، رفتار وگفتار، مذاقِ طبیعت، اندازِ گفتگو، طرزِ زندگی، طریقِ معاشرت، اکل وشرب، نشست وبرخاست اور سونے جاگنے کی ایک ایک ادا محفوظ کرلی گئی، اور اس سے قدرتی طور پر یہ نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ دیگر مذاہب کے اصول وتعلیمات وقتی تھے، ابدی نہ تھے۔ قرآن کریم نے اس ابدیت اور حکمت کو یوں اعلان کیا:

''وَمَا اَرْسَلْنَاكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِيْنَ''(٦٢)

آپ (محمد) کو عالمین کے لئے رحمت بنا کر بھیجا گیا ہے۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

دور جدید میں سیرت کی اہمیت:

عصر حاضر میں پوری دنیا میں اتحاد قائم کرنے کی ضرورت شدّت سے محسوس کی جارہی ہے۔آج کوئی ایسا رہنما نہیں جس کو سب لوگ تسلیم کریں، جس کی سب اطاعت کریں، کسی متفقہ رہنما اور اقتدار کا نہ ہونا آج کے دور کی بڑی کمی ہے، ایک قوم دوسری قوم کو برداشت نہیں کرتی، قوموں کے درمیان مختلف قسم کے معاہدے ہوتے ہیں اور ٹوٹ جاتے ہیں، اس کے حل کے لیے اگر یہ سوچا جائے کہ کسی ایک انسان کی حاکمیت پر سارے لوگ متفق ہو جائیں، ہر ایک کی پیروی کریں ایسا فطری طور پر ناممکن ہے۔اس لیے کہ آج ہر قوم دوسری قوم کی مخالف ہے، تو جس انسان کا بھی انتخاب ہوگا، وہ کسی ایک قوم کا فرد ہوگا، اس ایک پر اگر اتفاق سے اپنی قوم متفق ہو گئی تو دوسری اقوام کو متفق کرنا آسان نہیں، پھر یہ کہ انسان نفسانی اغراض اور ذاتی خواہشات سے پاک نہیں ہوتا، اگر کسی پر اتفاق کر لینے کی پوری دنیا کوشش بھی کرے تو چونکہ انسان خطا کا پتلہ ہے وہ سارے فوائد اپنے لیے، اپنے خاندان، اپنے فرقے اور اپنی قوم کے لیے سمیٹ لے گا، دوسرے لوگ محروم اور منہ تکتے رہ جائیں گے۔اس طرح انصاف کی جگہ ظلم اور مساوات کی جگہ بے اعتدالیوں کی حکومت ہو گی۔ کسی آدمی کا علم اتنا وسیع نہیں ہو سکتا کہ ہر انسان کی ضروریات معلوم کر سکے۔اس لیے وسیع ترین علم نہ ہونے کی وجہ سے وہ جگہ جگہ ٹھوکریں کھائے گا، یوں اس کا سارے انسانوں کے لئے متفقہ رہنما باقی رہنا ناممکن ہو جائے گا اس لیے کسی انسان پر پوری نوع انسانیت کا متفق ہونا ناممکن ہے، اور یہ بھی ممکن نہیں کہ ساری انسان مل کر کسی ایک ادارہ کی سرپرستی کو تسلیم کر لے، اس کے ہر حکم کو بغیر چوں چرا کے تسلیم کرے، کوئی ادارہ سارے انسانوں کو اپنی اطاعت پر مجبور نہیں کر سکتا، اور نہ ہی ایسا متفقہ قانون بنا سکتا ہے جس میں ہر ایک کی فطری ضرورتوں کا پورا لحاظ ہو اور قانون ایسا دلکش ہو کہ سارے لوگ اس کو جان و دل سے ماننے لگیں۔ بالآخر یہ اختلاف و انتشار ختم نہیں ہو گا، بلکہ لازمی طور پر اس ادارے میں جس قوم کی نمائندگی زیادہ ہو گی، وہ قوم ادارہ پر حاوی ہو گی اور اپنی قوم کو نوازنے میں مصروف ہو گی یوں دوسری قومیں محرومیت کا شکار ہوتی نظر آئینگی۔ دنیا میں جتنے ادارے عالمی پیمانے پر قائم ہوئے ان سب کا حال یہی ہوا، آج اس کی واضح مثال عالمی تنظیم ''اقوام متحدہ'' ہے۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

لہٰذا آج ہم اختلافات کے خاتمے کے لئے کوئی عملی نمونہ تلاش کرتے ہیں تو ہمیں پیغمبر اسلام کی مدینہ آمد کے بعد کی زندگی میں وہ مثال مل جاتی ہے وہاں کے قبائل جو کئی سالوں سے اختلافات کے شکار تھے آپ نے ان کے درمیان نفرتوں کے خاتمے کے لئے عملی اقدامات کیے اور مختلف قبائل کے درمیان اتحاد قائم کر کے عملی مثال قائم کی۔

جرمنی کے معروف اسکالر جولیس ھاسن کہتے ہیں:

The community (of Madina) was divided into two hostile camps Aus and the Khazraj. Murder and manslaughter were the order of the day; no body dared venture out of his quarter with out danger; there reigned a tumult in which life was impossible. What was wanted was a man to step into banish anarchy; but he must be neutral and not involved in the domestic rivalry. Then came the Prophet from Mecca, as if God-sent. Blood, as a bond of union, had failed; he put faith in its place. He brought with him a tribe of Believers, the companions of his flight from Mecca, and slowly advancing steadly step by step, he established the commonwealth of Madina on the basis of religions as an Ummat Allah, a congregation of God ... what had to be done was the elementary work, the establishment of order and the re restoration of peace and right. Since there was no other authority a religiou s authority took the lead, got the power into its hands and secured its position by

toobaa-elibrary.blogspot.com

performing what was expected of it. Muhammad displayed the gift of ability to deal with affairs in the mass(۶۳).

"مدینہ کی آبادی دو حریف گروہوں اوس اور خزرج میں تقسیم ہو چکی تھی۔ قتل عام روزانہ کا معمول تھا۔ کوئی آدمی بھی اپنے گھر سے باہر خطرہ مول لئے بغیر نہ نکل سکتا تھا۔ وہاں ایسی افراتفری کا بازار گرم تھا کہ زندگی محال تھی۔ اب یہاں ایک ایسی شخصیت کی ضرورت تھی جو اس لاقانونیت کا خاتمہ کرتی۔ لیکن وہ شخص غیر جانبدار ہوتا اور کسی مقامی حریفانہ آویزش میں شامل نہ ہوتا۔ اندرآں حالات مکہ سے پیغمبر اسلام شریف لائے گویا آپ کو (مدینہ) میں خدا نے ہی بھیجا۔ خون کا رشتہ جو تعلق باہمی کی بنیاد کے طور پر ناکام ہو چکا تھا، آپ نے اس جگہ عقیدہ کو رکھا۔ آپ اپنے ساتھ اہل ایمان کا ایک گروہ بھی لائے اور آہستہ آہستہ آپ نے مدینہ میں ایک دولت مشترکہ کی بنیاد رکھ دی جس کی اساس امۃ اللہ یعنی اللہ کا گروہ تھا۔ آپ کے سامنے جو کرنے کے کام تھے ان میں ابتدائی کام قانون کا نفاذ اور امن وامان کی بحالی تھا چونکہ (مدینہ میں) کوئی حکمران نہ تھا سو (مذہبی حکمران کے طور) آپ نے قیادت سنبھال لی، قوت اپنے ہاتھوں میں لے اور اپنی پوزیشن کو ایسے اقدامات سے مضبوط کر لیا جو ان حالات میں متوقع تھے۔ پیغمبر اسلام نے ان معاملات کو طے کرنے میں کمال (سیاسی) بصیرت و حکمت کا مظاہرہ کیا۔"

پیغمبر اسلام نے اس وقت کے اہل کتاب، یہود و نصاریٰ کو توحید پر متحد ہو جانے کی دعوت دی اور بحکم خدا ارشاد فرمایا:

قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ تَعَالَوْا إِلَىٰ كَلِمَةٍ سَوَاءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ أَلَّا نَعْبُدَ إِلَّا اللَّهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهِ شَيْئًا وَلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا أَرْبَابًا مِّن دُونِ اللَّهِ ۚ فَإِن تَوَلَّوْا فَقُولُوا اشْهَدُوا بِأَنَّا مُسْلِمُونَ(۶۴)

toobaa-elibrary.blogspot.com

"اے اہل کتاب! ایک ایسی بات کی طرف آؤ جو ہمارے اور تمہارے درمیان (مشترک) اور یکساں ہے کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں، اور اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں اور ہم میں سے کوئی اللہ کو چھوڑ کر کسی دوسرے کو رب (مالک و مختار) قرار نہ دے۔"

پیغمبر اسلام انسانیت کی بھلائی اور کامیابی کے لئے اللہ کی جانب سے جو پیغام قرآن کی شکل میں لائے تھے اُس میں بھلائی اور آپس میں بھائی چارگی کا پیغام تھا۔ خاص طور پر مسلمانوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا گیا تھا کہ وہ آپسی معاملات کو درست انداز میں رکھیں اور باہمی اتحاد کو فروغ دیں۔ پھر اللہ کی نعمت کا احساس دلاتے ہوئے اس امر کی جانب توجہ دلائی گئی ہے کہ تمہارے درمیان جو دشمنی تھی وہ دوستی میں بدل دی گئی تاکہ تمہارے درمیان اتحاد و اتفاق کی فضا قائم ہو سکے۔ جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد ہو رہا ہے:

وَاعتَصِمُوا بِحَبلِ اللّٰہِ جَمِیعًا وَلاَ تَفَرَّقُوا وَاذکُرُوا نِعمَتَ اللّٰہِ عَلَیکُم اِذ کُنتُم اَعدَاءً فَاَلَّفَ بَینَ قُلُوبِکُم فَاَصبَحتُم بِنِعمَتِہِ اِخوَانًا وَکُنتُم عَلَیٰ شَفَا حُفرَۃٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنقَذَکُم مِّنہَا کَذَالِکَ یُبَیِّنُ اللّٰہُ لَکُم اٰیَاتِہِ لَعَلَّکُم تَہتَدُونَ (۶۵)

"اور سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لو اور آپس میں تفرقہ پیدا نہ کرو اور اللہ کے اس احسان کو یاد کرو جو اس نے تم پر کیا ہے کہ تم آپس میں دشمن تھے اس نے تمہارے دلوں میں الفت پیدا کر دی اور تم اس کی نعمت سے بھائی بھائی ہو گئے۔ اور تم آگ کے بھرے ہوئے گڑھے (دوزخ) کے کنارے پر کھڑے تھے جو اس نے تمہیں اس سے بچا لیا اس طرح اللہ تمہارے لیے اپنی نشانیاں ظاہر کرتا ہے تاکہ تم ہدایت پا جاؤ۔"

پہلے کی طرح آج بھی لوگ قومی تفاخر اور نسلی اختلاف میں پڑے ہوئے ہیں۔ کالے گوروں کا اختلاف، علاقے علاقے کا اختلاف، ملکی اور غیر ملکی امتیاز، ان تمام امتیازات کی وجہ سے جو پریشانی پہلے تھی اس سے کہیں زیادہ آج ہے، پہلے تو دنیا کی قومیں الگ تھیں لیکن آج دوری نزدیکی میں بدل گئی، پوری دنیا

toobaa-elibrary.blogspot.com

ایک خاندان اور گھر کی طرح ہو گئی ہے، اس لیے آج بھی ان امتیازات کو ہٹا کر ہی سکون کی سانس لی جا سکتی ہے۔ پیغمبر اسلام اس طرح تفاخر و امتیاز سے پیدا ہونے والے نقصانات سے خوب واقف تھے۔ آپ نے ان کو جڑ سے ختم کرنے کا اعلان فرمادیا اور انسانوں کو سبق دیا کہ دیکھو تم سب ایک خالق کی مخلوق ہو، ایک اللہ کے پجاری ہو، اس لیے اختلافات و امتیازات کو ختم کرو اور یاد کرو کہ تم سب ایک ہی باپ کی اولاد ہو اور تمہارے باپ مٹی سے پیدا کیے گئے، مٹی میں تواضع، انکساری اور فروتنی ہوتی ہے، تم سب بھائی بھائی بن کر رہو، کالے گوروں میں سے کسی کو کسی پر فضیلت نہیں، عربی اور غیر عربی ہونا کوئی امتیاز و تفوق کی بات نہیں، ہاں تفوق اور برتری تقویٰ کی بنیاد پر قائم ہو سکتی ہے۔ (خطبہ حجۃ الوداع) تم میں سب سے زیادہ اللہ کو محبوب وہ شخص ہے جو سب سے بڑا پرہیز گار متقی اور محتاط ہے۔ (٦٦)

جس ماحول میں اللہ کے نبی نے یہ تعلیم دی وہ چھوٹی سی تعداد میں ہونے کے باوجود درجنوں قبیلوں میں منقسم تھے۔ پھر ہر قبیلے کے مختلف ٹکڑے تھے اور ہر ایک کے مختلف خاندان اور کنبے تھے۔ ہر ایک اپنا ایک امتیاز رکھتا تھا، سب آپس میں دست و گریبان تھے ان کے اندر سے امتیاز و تفاخر برتنے کے سارے جرائم کو آپ نے ختم کر دیا، وہ سب کے سب بھائی بھائی بن گئے، جہاں گئے اس تعلیم نبوی کو عام کیا، اس طرح ایک عالم گیر برادری اور ہمہ گیر اخوت وجود میں آگئی، ہر فرد ایک دوسرے سے اس طرح جڑا محسوس کرتا تھا جس طرح جسم کے اعضا ایک دوسرے سے ملے ہوتے ہیں، آج بھی اس تعلیم کو عام کرنے سے یہ نتائج برآمد ہو سکتے ہیں اور انسانیت کا اختلاف اور تصادم یقینی طور پر ختم ہو سکتا ہے۔

مساوات و برابری اور عدل و انصاف بہتر انسانی سماج کی تشکیل کیلئے ضروری ہیں۔ رسول کی حیات طیبہ میں مساوات اور انصاف کی روشن مثالیں ملتی ہیں۔ ایک مرتبہ قریش کی ایک خاتون چوری کے جرم میں پکڑی گئی، بعض عزیز ترین صحابہ نے اس کی سفارش کرنا چاہی تو آپؐ نے ان کی نہ سنی، اور فرمایا: ''تم سے پہلے کی قومیں اس لیے تباہ ہوئیں کہ جب ان میں معمولی لوگ گناہ کرتے تھے تو ان کو سزا دی جاتی تھی اور جب بڑے لوگ کرتے تو ان کا جرم نظر انداز کر دیا جاتا تھا۔'' (٦٧)

رسول اللہ کی ذاتی اور گھریلو زندگی پر نظر ڈالی جائے تو وہ ایک عام انسان کی طرح روزمرہ کے کاموں اور ہر دکھ درد میں شریک نظر آتے ہیں، بکری کا دودھ دوتے، خادموں کو ان کے کاموں میں مدد

toobaa-elibrary.blogspot.com

دیتے، بازار سے سودا خرید لاتے اور کوئی دعوت دیتا تو فوراً قبول کر لیتے تھے۔ سماجی تعاون اور خوشی و غمی میں شرکت کے لیے کوئی مذہبی رکاوٹ آپ کی راہ میں حائل نہیں تھی۔ ایک یہودی خاتون کی دعوت آپ نے قبول فرمائی، اور اس کا کھانا کھایا، اسی طرح ایک یہودی لڑکا بیمار ہوا تو آپ اس کی مزاج پرسی کے لیے تشریف لے گئے۔

آج جب کہ دنیا ایک عالمی گاؤں بن گئی ہے اور اس گاؤں میں مختلف مذاہب کے ماننے والے پڑوسی کی طرح رہنے لگے ہیں، سماجی زندگی کو خوشگوار بنانے کے لیے پڑوسیوں کے حقوق اور ان کے ساتھ زندگی گذارنے کے آداب انتہائی اہمیت رکھتے ہیں، جب پیغمبر اسلام نے مدینہ ہجرت کی تو وہاں نہ کوئی حکمراں تھا، نا ہی کوئی تحریری قانون اور نتیجتاً جرم کے لئے کسی کی کوئی جواب دہی نہ تھی۔ طاقتور کو کھلی چھوٹ تھی جبکہ کمزور کو اپنی بقا کے لئے طاقتور قبیلے یا اس کے لیڈر کے زیر سایہ رہنا پڑتا تھا۔

عرب میں لا قانونیت کے ساتھ ہی ساتھ باہمی ہلاکتوں والی مسلسل قبائلی جنگیں جاری رہتی تھیں۔ پیغمبر اسلام شہر کو ایک ریاست کی شکل دینے اور تحریری قوانین جو بنیادی آئین کے لئے زمین فراہم کر سکیں، کو بنانے کے لئے فوراً منظم کوشش کرنے لگے۔

ہجرت کے پہلے سال پیغمبر اسلام نے مسلمانوں اور مدینہ کے دیگر قبائل بشمول یہودیوں کے درمیان ایک تحریری معاہدہ کیا جسے میثاقِ مدینہ کہا گیا۔ یہ معاہدہ دراصل ایک ریاست کی تشکیلی مرحلہ کا آغاز تھا۔ جس میں رعایا کی شکل میں مہاجرین، انصارِ مدینہ اور مدینہ کے دیگر قبائل تھے جبکہ ریاست کو استحکام دینے کے لئے آئین کی ضرورت تھی جس کو پیغمبر اسلام نے مہاجرین، انصار اور یہودیوں کے درمیان باہمی معاہدہ کے ذریعے ترتیب دیا۔ اس آئین کی مکمل شکل ابن اسحاق کی پیغمبر اسلام کی سیرت پر لکھی ہوئی کتاب کے ذریعے ہمارے سامنے آئی۔ یہ معاہدہ تقریباً ۵۲ شقوں پر مشتمل تھا۔ کیونکہ اس وقت مسلسل قبائلی جنگیں جاری تھیں اس لئے اس آئین کی زیادہ تر شقیں جنگ کے مسائل اور اس کے بعد کے معاملات پر مبنی تھیں۔ اس معاہدہ کی کچھ اہم دفعات یہ تھیں:

- مہاجرین، انصار اور دوسرے قبائل کے مسلمان سب مل جل کر ایک جماعت کی حیثیت سے رہیں گے، مختلف قبائل کے یہود جو اس معاہدہ میں شریک ہیں وہ بھی حقوق و فرائض کے لحاظ سے اسی

toobaa-elibrary.blogspot.com

جماعت میں شامل سمجھے جائیں گے،اُن کی مدد مسلمانوں پر ضروری ہو گی اور ان کو کسی قسم کے ظلم کا شکار نہ ہونے دیا جائے گا۔

- یہودیوں کو پوری مذہبی آزادی حاصل ہو گی،ان کے مذہبی معاملات میں کسی قسم کی مداخلت نہ کی جائے گی۔
- کوئی غیر مسلم شریک معاہدہ، قریش کو (جو مسلمانوں سے بر سر پیکار ہیں) مال و جان کی امان نہ دے گا اور نہ مسلمانوں کے مقابلہ میں ان کا مددگار ہو گا۔
- جو اس معاہدہ کے شرکاء سے جنگ کرے گا اس کے مقابلہ میں سب ایک دوسرے کے مددگار ہوں گے اور آپس میں ہمدردی اور بھلائی کا برتاؤ کریں گے، کوئی اپنے حلیف کو نقصان نہ پہنچائے گا۔
- شرکاء معاہدہ مدینہ منورہ میں امن قائم رکھنے کے ذمہ دار ہوں گے۔
- اگر ایک فریق کسی دشمن سے صلح کرے گا تو دوسرا بھی اس میں شریک ہو گا، مگر مذہبی جنگ کرنے والوں سے یہ صلح نہ ہو سکے گی۔
- ہر اختلافی معاملہ کا فیصلہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول محمد کے حکم کے مطابق ہو گا۔(٦٨)

toobaa-elibrary.blogspot.com

حوالہ جات

۱۔ لوئیس معلوف، المنجد فی اللغۃ، دار المشرق سرل پبلشرز، بیروت، ۱۹۹۶ء، ص: ۳۶۸

۲۔ الزبیدی، سیّد محمد مرتضی الحسینی، تاج العروس من جواہر القاموس، ج ۶، ناشر، دار الفکر، بیروت، ۱۹۹۴ء، ص ۵۵۹

۳۔ الجوہری، اسماعیل بن حماد، الصحاح تاج اللغۃ وصحاح العربیہ، ج ۶، دار العلم للملایین، القاہرہ، ۱۹۵۶ء ص: ۶۹۱

۴۔ ابن منظور، لسان العرب، ج ۴، مادہ سین، دار صادر، بیروت، س ن، ص ۳۸۹

۵۔ راغب اصفہانی، المفردات فی غریب القرآن، دار المعرفہ، بیروت، ۱۳۲۷ھ، ص: ۲۴۷

۶۔ سورہ حج، آیت ۴۶

۷۔ سورہ عنکبوت آیت ۲۰

۸۔ سورۃ سباء، آیت: ۱۸

۹۔ سورۃ یونس، آیت: ۲۲

۱۰۔ سورۃ یوسف، آیت: ۱۹

۱۱۔ استاد مرتضیٰ مطہری، ''سیری در سیرہ نبوی''، انتشارات صدرا و اثار استاد شہید مطہری، ایران ۱۳۶۴ھ، ص: ۴۷، ۴۶

۱۲۔ سورہ طٰہٰ، آیت: ۲۱، ترجمہ از ذیشان حیدر جوادی

۱۳۔ راغب اصفہانی، المفردات فی غریب القرآن، دار المعرفہ، بیروت، ۱۳۲۷ھ، ص: ۲۴۷

۱۴۔ محمد علی، تھانوی، کشاف اِصطلاحات الفنون والعلوم، ج ۱، الطبعۃ الاولیٰ، مکتبۃ لبنان ناشرون، لبنان، ۱۹۹۶ء، ص: ۹۹۸

۱۵۔ استاد مرتضیٰ مطہری، ''سیری در سیرہ نبوی''، محولہ بالا، ص: ۵۰

۱۶۔ اُم حماد فیض، مطالعہ سیرت کے فوائد و ثمرات، مشمولہ: ماہنامہ اُسوہ حسنہ، جامعہ ابی بکر، کراچی، ۱۹/ فروری ۲۰۱۲ء، ص: ۳۲

۱۷۔ ڈاکٹر طارق عبد الحلیم، مفتاح الدخول الی علم الاصول، مختصر جامع فی علم الاصول للمبتدئین، مکتبہ دار القرآن والسنۃ مرکز دار الارقم الاسلامی، ٹورنٹو، ۱۳/ رمضان ۱۹۹۸ ص: ۵۶

۱۸۔ علی بن حجر العسقلانی، فتح الباری فی شرح صحیح بخاری، ج ۱۳، ناشر دار المعرفہ، بیروت، ۱۳۷۹ھ، ص ۲۴۵

۱۹۔ ڈاکٹر طارق عبد الحلیم، ''مفتاح الدخول الی علم الاصول...''، محولہ بالا، ص: ۵۶

toobaa-elibrary.blogspot.com

۲۰۔ محمد عجاج الخطیب، السنۃ قبل التدوین، ج ۱، ام القری لطباعۃ والنشر القاہرہ، اپریل ۱۹۸۸ء، ص: ۱۴

۲۱۔ لاحکام فی اصول الاحکام، الامام العلامہ علی بن محمد آمدی، ناشر دار الصمیعی، ج ۱، ریاض ۲۰۰۳ء، ص ۲۲۷

۲۲۔ محمد عجاج الخطیب، السنۃ قبل التدوین، ج ۱، ناشر ام القری لطباعۃ والنشر القاہرہ، اپریل ۱۹۸۸ء، ص: ۱۴

۲۳۔ اسمعیل بن عمر بن کثیر القرشی دمشقی، مقدمہ ابن کثیر، ج ۱، دار طیبہ ۱۴۲۰ء بمطابق ۱۹۹۹ء، ص: ۷

۲۴۔ شمس الدین ابی الخیر الشافعی، فتح المغیث بشرح الفیۃ الحدیث، ج ۱، مکتبۃ دار المنہاج، ریاض، ۱۴۲۶ھ، ص: ۱۴

۲۵۔ محمد عجاج الخطیب، السنۃ قبل التدوین، ج ۱، ناشر ام القری لطباعۃ والنشر القاہرہ، ۱۹۸۸ء، ص: ۱۴

۲۶۔ سیوطی، جلال الدین، تدریب الراوی، ج ۱، دار الکتب الحدیثہ مصر، ۱۳۸۵ھ، ص: ۴۲

۲۷۔ سورہ زمر، آیت: ۲۳

۲۸۔ سیوطی، جلال الدین، تدریب الراوی، ج ۱، دار الکتب الحدیثہ مصر، ۱۳۸۵ھ، ص: ۴۲

۲۹۔ ابی عبداللہ محمد بن اسماعیل بن ابراہیم، الجامع الصحیح، کتاب العلم، باب الحرص علی الحدیث، حدیث: ۹۹، دار طوق النجاۃ، بیروت، ۱۴۲۲ھ

۳۰۔ الاحکام فی اصول الاحکام، الامام العلامہ علی بن محمد آمدی، ناشر دار الصمیعی، ج ۱، ریاض، ۲۰۰۳ء، ص: ۱۱۷

۳۱۔ سورۃ الاحزاب، آیت: ۲۱

۳۲۔ سید سلیمان ندوی، خطباتِ مدارس،، ادارہ مطبوعات طلبہ، لاہور، ۱۹۹۵ء، ص: ۳۰

۳۳۔ ڈاکٹر صلاح الدین ثانی، اصول سیرت نگاری، ج ۱، مکتبہ یادگار شیخ الاسلام علامہ شبیر عثمانی، کراچی، ۲۰۰۳ء، ص ۱۲۶

۳۴۔ ابن منظور، جمال الدین بن محمد بن مکرم، لسان العرب، ج ۶، دار صادر بیروت لبنان، ۱۳۰۰ھ، ص: ۳۱۰

۳۵۔ ڈاکٹر تقی الدین ندوی، سیرت النبی کے قدیم اور اولین ماخذ اور ان کا تنقیدی جائزہ، معارف دار المصنفین، ہندوستان، ۱۹۸۱ء، ص: ۴۵

۳۶۔ اُم حماد فیض، مطالعہ سیرت کے فوائد و ثمرات، ماہنامہ اُسوہ حسنہ، جامعہ ابی بکر، کراچی، ۱۹/ فروری ۲۰۱۲ء، ص: ۳۳

۳۷۔ ابی الحسین مسلم بن الحجاج القشیری، صحیح مسلم، کتاب الفضائل، باب ذکر خاتم النبیین، رقم الحدیث: ۲۲۸۶ دار طیبہ للنشر والتوزیع، الریاض، ۱۷۹۰ھ

۳۸۔ ابی عیسیٰ محمد بن عیسیٰ الترمذی، لجامع الکبیر، کتاب الرویا، باب: ذھبت النبوۃ، رقم الحدیث: ۲۲۷۲، الطبعۃ الاولیٰ، دار السلام لنشر والتوزیع، الریاض، ۱۹۹۶ء

toobaa-elibrary.blogspot.com

۳۹۔ Grunebaum, Gustave Edmund Von, Classical Islam: A History, 600-1258,Transaction Publishers , 1970, New Gersey USA p27,28

۴۰۔ سورۃ الحجر،آیت:۹

۴۱۔ ابن حجر عسقلانی،احمد بن علی، فتح الباری،دار المعرفہ بیروت،۱۳۷۹ھ، ص ۱۹۳

۴۲۔ ترمذی، جامع ترمذی، کتاب العلم باب ماجآء فی الرخصۃ فیہ، ج ا، ناشر دار الکتب العلمیہ، ص ۲۷۹

۴۳۔ مستدرک، کتاب العلم، حدیث نمبر: ۲۶۳، شاملہ، الناشر: دار الکتب العلمیۃ، بیروت، الطبعۃ الاوّل

۴۴۔ بخاری، محمد بن اسماعیل، صحیح بخاری باب العلم، ج ا، ناشر، دار ابن کثیر، ۱۴۰۴ھ، ص ۵۰

۴۵۔ ابن خلکان، وفیات الاعیان وانباء أبناء الزمان، حصہ چہارم، دار صادر، بیروت، ۱۹۷۲ء، ص ۵۶۷

۴۶۔ شبلی نعمانی، سیرت النبی، ج ا، ص ۱۹

۴۷۔ Morgoliouth David Samuel, Mohammed and the Rise of Islam G.P. Putnum,S Sons 1905,New York And Londond, Pg:5

۴۸۔ شبلی نعمانی، سیرت النبی، آر، زیڈ پیکیجز، لاہور، ۱۴۰۸ھ، ص: ۳۴تا۳۷

۔ علی شرف الدین، انبیا قرآن محمد مصطفی، دار الثقافۃ الاسلامیہ پاکستان، س ن، ص ۴۱

۴۹۔ علامہ شبلی نعمانی، سیرۃ النبی، ج ا، آر۔ زیڈ پیکیجز، لاہور، ۱۴۰۸ھ، ص: ۶۹

۵۰۔ سیرت النبی شبلی بحوالہ ترجمہ کتاب ہنری وی کاسٹری بزبانِ عربی مطبوعہ مصر ص ۸

۵۱۔ Hart Michael H,The 100 A Ranking of the Most Influential Persons in History, Carol Publishing Group1978,New York, Pg:4

۵۲۔ Smith,Rev.Bosworth, Mohammed and Mohammedanism, Atlantic Pulishers london,1996, Pg:92

۵۳۔ Shaw,George Bernard 'The Genuine Islam,' Vol. 1, No. 8, USA,1936.

۵۴۔ Morgoliouth David Samuel, Mohammed And The Rise Of Islam G.P. Putnum,S Sons 1905,New York And Londond,Pg:5

۵۵۔ Unal,Ali,"Islamic Perspectives on Science",The light , int, New Gersey USA, 2007, pg:30

۵۶۔ Lamartine,A.De,Historie de la Turquie, Vol II, Pg: 276, Publisher Paris V. lecou, Toronto Canada 1854

۵۷۔ علامہ شبلی نعمانی، سیرت النبی بحوالہ ترجمہ کتاب ہنری وی کاسٹری بزبانِ عربی مطبوعہ مصر ص ۸

toobaa-elibrary.blogspot.com

۵۸۔ علامہ شبلی نعمانی، سیرۃ النبی، ج ا، آر۔ زیڈ پیکجز، لاہور، ۱۴۰۸ھ، ص: ۲۴

۵۹۔ سورہ آل عمران، آیت: ۳۱

۶۰۔ شبلی نعمانی، سیرت النبیؐ، آر، زیڈ پیکجز، لاہور، ۱۴۰۸ھ، ص: ۳۴تا۳۷

۶۱۔ مولانا کرامت علی جونپوری، انوار محمدی ترجمہ شمائل ترمذی، ندوۃ التالیف والترجمہ، جامعۃ الرشاد اعظم گڈھ، جدید ایڈیشن، ۱۹۹۶ء، ص: ۹

۶۲۔ سورۃ الانبیاء، آیت: ۱۰۷

۶۳۔ Wellhausen,Julius.,The Arab Kingdom and its fall,Translate Margaret Graham,Pg:6,7,published by University of Calcutta, 1927

۶۴۔ سورہ آل عمران: ۶۴

۶۵۔ ایضاً، آیت: ۳۰۱

۶۶۔ سورہ حُجرات: ۳۱

۶۷۔ بخاری، محمد بن اسماعیل، صحیح بخاری کتاب الحدود، دار ابن کثیر، ۱۹۹۳ء بیروت، ص ۸۹

۶۸۔ ابن ہشام، ابو محمد عبد الملک، سیرۃ النبی، ج ۲، دار الصحابہ للتراث، مصر، ۱۴۱۶ھ بمطابق ۱۹۹۵ء، ص: ۱۲۶تا۱۲۹

toobaa-elibrary.blogspot.com

باب دوم:

سیرت کی تفہیمِ جدید کی ضرورت

پیغمبر اسلام کی سیرت کی نئی روش اور تفہیم کا اظہار کیونکر ممکن ہو۔ یہ سوال اس باب میں بنیادی اہمیت رکھتا ہے۔ مورخین اور سیرت نگاروں نے اگرچہ سیرت کے ہر ہر پہلو کو زیر بحث لایا ہے اور آج کے انسان کے لئے زندگی گزارنے کے کئی بنیادی اصول کی نشاندہی بھی کی ہے۔ لیکن یہ سوال اپنی جگہ قائم رہے گا کہ سیرت طیبہ کے حوالے سے تحریری مواد اس قدر دستیاب ہونے کے باوجود ایک نئی تحقیق کی ضرورت پیش کیوں آئی۔ دوسری جانب مسلمان دانشوروں کا یہ دعویٰ بھی ہمارے پیش نگاہ ہے کہ قرآن اور سیرتِ پیغمبر اسلام ہر زمانے کے انسان کے لئے نجات کے باعث ہیں۔ گویا دونوں کی عملی تعبیر ہر زمانے کے مطابق ہوتی رہے گی۔ البتہ معترضین کی طرف سے پیدا کردہ یہ اشکال کہ چودہ سو سال قبل وضع کئے گئے اصول و قواعد اور قوانین آج کے زمانے کے لئے کیونکر لائقِ تقلید ہو سکتے ہیں؟ یا صدیوں قبل کے ایک مصلح کے افکار و نظریات اور سراپا شخصیت کو عصری تناظر میں پیروی اور تقلید کے لئے قابلِ عمل جاننا درست اقدام ہے؟ اپنی جگہ برقرار رہے گا۔ مسلم دانشوروں کی متفقہ رائے ہے کہ پیغمبر اسلام اور آپ کی سیرت ہر زمانے اور ہر تقاضے کے مطابق ڈھلنے کی پوری صلاحیت رکھتی ہے۔ اس امر اعتقادی کے پس پردہ یقیناً یہ توجیہہ ہو سکتی ہے کہ مسلمان پیغمبر اسلام کی مکمل پیروی کرتے ہیں اور آپ کو اللہ کے آخری نبی کے طور پر مانتے ہیں۔ لیکن جب ہم دیگر مذاہب کے پیروکاروں کے اشکالات اور شبہات پر نظر ڈالتے ہیں تو ہمیں کئی طرح کے سوالات اعتراض کی صورت میں نظر آتے ہیں۔ سب سے بڑا اور عام اعتراض یہی ہے کہ پیغمبر اسلام کی شخصیت، سیرت اور اقوال ایک خاص مدت کے لئے قابلِ عمل تو ہو سکتے ہیں تاہم اُن کی سیرت کو ہر زمانے کے لئے باعثِ تقلید قرار دینا روایت پسندی کا مظاہرہ ہی ہو گا۔ جدت پسندی اور روشن دماغی کی علامت نہ ہو گی۔ یہ مخالفین اور معترضین کا سب سے بڑا اشکال ہے۔ مسلمان مفکرین دعویٰ کرتے ہیں کہ اس اشکال کو رد کرنے کے ٹھوس شواہد موجود ہیں اور یہ شواہد مندرجہ ذیل دلائل کی صورت میں بیان کئے جا سکتے ہیں:

toobaa-elibrary.blogspot.com

پہلی دلیل:

حضرت عیسیٰ کا زمانہ پیغمبر اسلام سے پانچ سو سال قبل کا ہے اور دنیا کی ایک کثیر آبادی آج بھی اُن کی تعلیمات کو اپنے لئے نجات کا باعث سمجھتی ہے۔ جب ما سبق انبیاء علیہم السلام کی تعلیمات ہر زمانے کے لئے قابل قبول ہو سکتی ہیں تو پھر پیغمبر اسلام کے فرامین جدید دنیا کے لئے لائق عمل کیوں نہیں ہو سکتے۔ حضرت عیسیٰ کا زمانہ موجودہ زمانہ سے کافی بُعد میں ہونے کے باوجود اُن کی تعلیمات وقت اور حالات کے تقاضے کی بھرپور تشریح کر سکتی ہیں تو پھر بطریق اولیٰ پیغمبر اسلام کی تعلیمات زیادہ بہتر انداز میں زمانے کی تشریح و توضیح کر سکتی ہیں۔

دوسری دلیل:

جس طرح دیگر انبیاء و مرسلین تبلیغی فرائض اور اخلاقی تعلیمات کی ترسیل و ترویج میں باہمی تفاوت رکھنے کے باوجود ایک ہی ہدف کے داعی تھے بالکل اسی طرح پیغمبر اسلام کی تمام تر تعلیمات اور سیرت بھی ایک ہی مقصد کے ارد گرد گھومتی تھی اور وہ مقصد خدائے واحد کی شناخت اور انسانیت کی نجات کا تھا۔ لہٰذا اللہ کے نمائندگان کی تعلیمات اُن کے اپنے زمانے میں نافذ العمل ہونے کے ساتھ ساتھ آج بھی دُنیا کی کثیر آبادی میں قابل قبول سمجھی جاتی ہیں، پیغمبر اسلام نے تو خود کو جدید مصلح کے طور پر متعارف کرایا اور اُن تمام اخلاقی اور معاشرتی خصلتوں کو جن کا تعلق انسان کی فلاح و بہبود سے تھا، نہ صرف قابل عمل جانی بلکہ ان کو کارآمد بنانے میں بھی کلیدی کردار ادا کیا۔ جہاں دیگر انبیاء دین، مذہب، تعلیم اور اخلاق کے اعتبار سے باہمی تفاوت رکھتے ہیں اور اُن کی تعلیمات ہر زمانے کے لئے نافذ العمل ہیں بالکل اُسی طرح پیغمبر اسلام کی تعلیمات بھی روشن ترین ہیں اور ہر زمانے کے لئے رہنمائی فراہم کر سکتی ہیں۔ مسلمانوں کا دعویٰ ہے کہ اسلام آخری دین اور پیغمبر اسلام آخری نبی ہیں۔ قیامت تک یہی دین رہے گا اور اسی پیغمبر کی تعلیمات نافذ العمل رہیں گی۔ اس عقیدے کے اثبات کے لئے ضروری ہے کہ اسلام بھی ہر زمانے کے حالات کے مطابق ڈھلنے کی صلاحیت رکھتا ہو اور مسلمانوں کے عقیدے کے مطابق پیغمبر اسلام کی شخصیت بھی بدلتے حالات کے ساتھ ہر نئے اُفق پر رہنمائی فراہم کرنے کی پوری قوت

toobaa-elibrary.blogspot.com

رکھتی ہے۔آپ کی تعلیمات، اقوال، افعال اور زندگی کے طور طریقے نہ صرف ماضی کی روایات کے امین رہے ہوں بلکہ مستقبل کے لئے خوشنما اسلوب وضع کرنے کے بھی ضامن بنتے ہوں۔

تیسری دلیل:

الٰہی نمائندگان کی تمام تر مساعی انسان کی ذہنی واخلاقی تربیت ہے لہٰذا پیغمبر اسلام کی طرف سے انسانی اذہان وارواح کی تطہیر کا دعویٰ اگرچہ بعض لوگوں کے لئے ناقابل قبول ہو سکتا ہے لیکن بطور عمومی آپ کی تمام تر تعلیمات بھی انسانی اقدار، اخلاقیات اور ذہنی تربیت کے ارد گرد گھومتی ہیں۔اس لئے یہ کہہ کر نظر انداز نہیں کیا جاسکتا کہ پیغمبر اسلام کی تعلیمات فرسودہ روایات کی امین ہیں اور جدید زمانے کی مشکلات اور مسائل کے حل کی طرف رہنمائی نہیں کر سکتی۔

یہاں تک بحث اُن موارد کے حوالے سے تھی جو عام طور پر معترضین کی طرف سے اُٹھائے جاتے ہیں۔اب ہم زیر بحث موضوع کو اختیار کرنے کی وجوہات بیان کرتے ہیں اور یہ واضح کرنے کی کوشش کریں گے کہ ہزاروں، لاکھوں کتابوں میں سیرت طیبہ کی تمام تر تفصیلات موجود ہونے کے باوجود اس موضوع کے انتخاب کی ضرورت پیش کیوں آئی؟ جیسا کہ اس بحث کے آغاز میں بتایا گیا کہ سیرت طیبہ کی تفہیم جدید کی شکل کیا ہو سکتی ہے، یا ضرورت کیا ہے کہ سیرت کو ایک نئے پیرائے میں بیان کیا جائے، مثال کے طور پر سیرت کی تفہیم کا لب لباب کیا ہو گا، کیا ایسی گنجائش نکل سکتی ہے کہ پیغمبر اسلام کی تعلیمات کو ترمیمی مراحل سے گزارا جائے، اگر تو یہ اقدام اٹھایا بھی گیا تو اس کی نوعیت کس قسم کی ہو گی، ایک محقق کے لئے یہ ممکن ہو سکے گا کہ پیغمبر اسلام کی تعلیمات اور آپ کی سیرت پر ایک ناقدانہ نظر ڈالے اور سیرت طیبہ کے بعض پہلوؤں کو لے کر نقد و جرح کی راہ اپنائے؟ بحیثیت محقق ہمارے لئے ہاں کہنے کی گنجائش بھی ہے اور ہمارا جواب نفی میں بھی ہو سکتا ہے۔اولاً ہمارا جواب ہاں اُس صورت میں ہو گا جب ہم سیرت کے تمام پہلوؤں کو محققانہ انداز سے دیکھیں کہ آیا پیغمبر اسلام کی زندگی سے منسوب ہر واقعہ عقلاً، شرعاً اور عرفاً قابل یقین ہے؟ اس سلسلے میں ہم مختلف علمی و فنی ذرائع کا سہارا لیں گے اور یہ جاننے کی کوشش کریں گے کہ سیرت طیبہ کے حوالے سے معروف و مشہور ہر واقعہ بنفسہ درست ہے بھی یا نہیں۔قرآنی علامات اور تاریخی واقعات کے تناظر میں ہم سیرت طیبہ کے ہر اُس پہلو کو

toobaa-elibrary.blogspot.com

زیر بحث لانے کی ہمت کر سکتے ہیں جو کسی بھی حوالے سے پیغمبر اسلام کی زندگی اور آپ کی پیغمبری تعلیمات سے تعلق رکھتا ہے۔ بعدازاں صحت اور عدمِ صحت کے معیار پر رکھ کر بعض واقعات کو رد کر سکتے ہیں اور بعض واقعات کو من و عن قبول کر سکتے ہیں۔ثانیاً نہیں کہنے کا پورا حق اس لئے ہے کہ پیغمبر اسلام کی تعلیمات اور اقوال آج عصری دنیا میں پہنچے ہیں تو اس کے پسِ پردہ مسلمانوں کے علمی ذرائع ہیں۔ خاص طور پر دو بڑے ذرائع کی موجودگی میں سیرتِ پیغمبر اور واقعاتِ پیغمبر کی وثاقت کو ثابت کرنا کوئی مشکل امر نہیں۔ جبکہ ماضی کے علماء حضرات کی کاوشیں اور علمی جستجو بھی سیرت کے اثبات کے لئے ایک بہت بڑی دلیل ہے۔اُس وقت کے علماء نے یا تو طویل مسافت اس لئے طے کی ہے کہ پیغمبر اسلام کی تعلیمات اور اقوال کی ترسیل کا کام خوش اسلوبی اور دیانتداری کے ساتھ آگے بڑھائے یا اس لئے سفر پر نکلے ہیں کہ وہ علم کی روشنی سے مستفیض ہو سکیں۔ لہٰذا ان کاوشوں اور کوششوں کے نتیجے میں انکار کرنے کی کوئی گنجائش نہیں ہے کہ بدلتے ہوئے حالات اور تقاضے سیرت طیبہ کے تدریجی عمل سے مبرا ہیں۔ یہ بھی بعید ہے کہ تاریخ کی ایک مسلمہ شخصیت (دُنیا کی ایک کثیر آبادی کے نزدیک پیغمبر اسلام کی شخصیت مسلمہ اور قابلِ وثوق ہے) کی تعلیمات کو یکسر نظر انداز کر کے اُس کو نقد و جرح کے دائرے میں شامل کیا جائے، خاص طور پر اُن کی شخصیت اور ذات کو ہدفِ تنقید بنانے کا جواز اس لئے بھی نہیں ہو سکتا کہ دُنیا کی ایک کثیر آبادی والی قوم اُن کی حرمت کو اپنے لئے موت اور زندگی سمجھتی ہے۔ یہ طبقہ اس اعتقاد کا بھی حامل ہے کہ پیغمبر اسلام کی تعلیمات قدیم و جدید دونوں زمانوں کے لئے آسودہ حال اور بہتر مستقبل کے لئے رہنماء اصول ہیں۔ چونکہ یہ تحقیق سیرت کے اُن پہلوؤں کو سامنے لانے کی سعی ہے جو محقق کی نظر میں تعمیری اور مقتضائے حال ہیں۔ لہٰذا اس میں نقائص سے زیادہ اوصافِ پیغمبر اسلام اور عصر حاضر کے لئے رہنماء اصول بیان ہوں گے اور سیرت طیبہ کی روشنی میں جدید مسائل کے حل کی طرف رہنمائی اور نشاندہی کی ایک ادنی سی کوشش ہو گی۔ البتہ اس باب کے عنوان سے مطابقت پیدا کرتے ہوئے سیرت پیغمبر اسلام کے بعض گوشوں کو تفہیم جدید کی نیت سے زیر بحث لائیں گے اور ہماری یہ بحث تین پہلوؤں سے خالی نہیں ہو گی:

toobaa-elibrary.blogspot.com

مبحثِ اول:

مستشرقین سمیت معترضین کے اُن اشکالات کا محاسبہ جو عام طور پر سیرت طیبہ کے بعض پہلوؤں کی ظاہری ہئیت دیکھ کر کئے جاتے ہیں۔ یا بعض ضعیف روایات کو مد نظر رکھ اُن کی سطحی تشریحات کے تناظر میں اشکالات اُٹھائے جاتے ہیں۔ قطع نظر اس کے کہ اُس حدیث یا واقعہ کی فی نفسہ وقعت ہے یا نہیں۔ یا علم الرجال کے مراحل سے گزارا گیا ہے یا نہیں۔

مبحثِ دوم:

دین اسلام کے دعویداروں خاص کر عصر حاضر کے شدت پسند افراد کی غلط توجیہات پر نقد و جرح اور اُن کی فہم و استدلال کا محاسبہ۔ بہ نسبت اس کے کہ اسلام کے تابناک چہرے کو متعارف کرایا جائے، اس گروہ نے اپنی متشدد کارروائیوں کے ذریعے اسلام کی صحیح شبیہ خراب کر دی ہے۔

مبحثِ سوم:

بعض موارد جیسے غلام و کنیز، جنگ و جدل، مرتد و کافر کے ساتھ سلوک جیسے عامیانہ اُمور کی طرف جدت پسندانہ نظر، کہ کیا ان موارد میں نرمی کی کوئی گنجائش نکل سکتی ہے۔

معترضین کے اشکالات کا محاسبہ:

معترضین (مستشرقین) کے اعتراضات کو تین مختلف حصوں میں بیان کیا جاسکتا ہے۔ ہمیں دیکھنا ہو گا کہ یہ اعتراضات تنقیدی قسم کے ہیں، اصلاحی نوعیت کے ہیں یا شوقِ مطالعہ کے تناظر میں قائم کئے گئے۔ اس سلسلے میں ہم مستشرقین کو تین گروہ میں منقسم پاتے ہیں:

پہلا گروہ:

وہ علمائے یورپ جو خود عربی زبان سے واقف نہیں تھے لیکن ترجمہ شدہ کتابوں کو منبع قرار دے کر اسلام اور پیغمبر اسلام کی زندگی کو زیر مطالعہ رکھا اور مشتبہ مواد ترتیب دے کر سیرت کا نام دیا۔ اس قسم کی کتب چونکہ یورپ کے عامیانہ مزاج کے مطابق تھیں اس لئے زیادہ مقبول ہوئیں اور لوگوں کے سامنے پیغمبر اسلام کی سیرت مجہول انداز میں پیش ہوئی۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

دوسرا گروہ:

وہ دانشور حضرات جنہوں نے محض عربی پڑھ کر خود کو فنِ حدیث، فقہ، تفسیر، سیرت اور مغازی کا بھی ماہر تصور کر لیا۔ یہ حضرات اصطلاحات اور اسلامی اُمور اور سیرت کے بارے میں مغالطے کا شکار ہوئے۔ انہوں نے فرض کر لیا کہ چند واقعات ہی پیغمبر اسلام کی زندگی کا کل محاصل ہیں۔

تیسرا گروہ:

تیسرے گروہ میں وہ مستشرقین شامل ہیں جو عربی زبان کے ساتھ مذہبی علوم سے بھی واقف تھے۔ ان سے اگرچہ عام غلطیاں سرزد نہیں ہوئیں لیکن ان کا مطالعہ خوردبینی تھا۔ یعنی اُن کے مطالعہ کا مقصد اسلام اور پیغمبر اسلام کی سیرت میں کمزوریاں تلاش کرنا تھا۔(۱)

اکثر مستشرقین نے اپنی مطالعاتی روش ہمیشہ اس بات پر رکھی کہ پیغمبر اسلام الٰہی منصب پر فائز فرد نہیں تھے بلکہ آپ نے ماسبق انبیاء کی تعلیمات کو مستعار لیتے ہوئے ایک نئے دین کے قیام کا دعویٰ کیا۔ وہ سمجھتے ہیں کہ پیغمبر اسلام کی عملی جدوجہد دراصل گذشتہ تبلیغات کی محاصل ہے۔ جیسا کہ مندرجہ ذیل الزامات اس نوع کی مثالیں ہیں۔

آپ نے قرآن کو کلامِ الٰہی قرار دینے کی روش قدیم کتب سے سیکھی، چونکہ آپ کو اندازہ تھا کہ یہود و نصاریٰ کی ترقی کا راز تورات و انجیل میں مضمر ہے اس لئے آپ کے دل میں تمنا پیدا ہوئی کہ ایک ایسی کتاب اپنی قوم کو دیں جسے وہ آسمانی کتاب کے طور پر قبول کرے اور ترقی کی راہیں طے کرے۔ چونکہ عرب کے ماحول میں ایسا کر گزرنا نہایت آسان تھا اس لئے قرآن ان کا ذاتی کارنامہ ہے۔ جیسا کہ بیسوی صدی کے عرب تاریخ کے ماہر امریکی مستشرق (*Von Grunebaum*) لکھتا ہے:

> "...Islam as a Christian heresy, tells how in the days of the emperor Heraclius a false prophet arose among the Arabs. His name was Mamed. He became acquainted with the Old and New Testaments and later, after discoursing with a Arain monk, established his own sect. By feigning piety, he won the hearts of his

toobaa-elibrary.blogspot.com

people. Later he claimed that a scripture had been sent down to him from heaven. The ridiculous ordinances which he had put into that book he presented to them as their boly doctrine."(۲)

اسلام عیسائیت کی بگڑی ہوئی شکل ہے، شہنشاہ ہر قل کے دور میں ایک ... نبی عربوں میں اُٹھا، اس نے عہد نامہ قدیم وجدید سے واقفیت حاصل کی اور پھر ایک ایرین راہب سے تبادلہ خیال کے بعد اپنا ایک فرقہ قائم کیا۔ ... پاکبازی کے ذریعے اس نے لوگوں کے دل جیتے۔ بعد میں اس نے دعویٰ کیا کہ آسمان سے اس پر ایک صحیفہ نازل ہوا ہے اور ان تمام .... احکام کو جو اس نے کتاب میں تحریر کر رکھے تھے، اپنی قوم کے لئے مقدس تعلیمات قرار دیا۔

اسلام کی انفرادی حیثیت کی نفی کرتے ہوئے یہ دعویٰ کیا گیا ہے کہ اسلام دراصل مختلف مذاہب کا اشتراک ہے۔ یہ یہودیت اور عیسائیت کی مثل ہے۔ اسلام کے محمد نے مروجہ مذاہب کا مطالعہ کیا اور اُن کی تعلیمات کو سامنے رکھتے ہوئے احکامات وعبادت نافذ کئے۔ جیسا کہ دعویٰ کیا گیا ہے:

اسلام کے ارکان دوسرے مذاہب سے مستعار ہیں۔ توحید اور عبادات یہودیت اور عیسائیت سے، حج مشرکین عرب سے، طوافِ کعبہ، حجر اسود کا بوسہ اور جانوروں کی قربانی مقامی مذاہب سے مفاہمت کی نشانی ہے۔ پس اسلام مختلف مذاہب کا اشتراک ہے۔(۳)

عام طور پر حج کے بارے میں یہ باور کرایا جاتا ہے کہ یہ مشرکین عرب کی ایک رسم تھی، جسے اسلام نے مقامی اثرات کے تحت یا مشرکینِ عرب کو خوش کرنے کے لئے اپنالیا۔ واٹ نے اس کی ترجمانی یوں کی ہے:

"When one religion replaces another, it usually finds it advantageous to take over the previous abservance of sacred places and sacred times and gives it

toobaa-elibrary.blogspot.com

justification from its own tradition. In Islam pre-Islamic rites connected with the pilgrimage to Mecca have been taken over in their external forms, but have been given an Islamic significance."(۴)

جب ایک مذہب دوسرے کی جگہ لیتا ہے تو عموماً اسے پچھلے مذہب کے مقدس مقامات اور مقدس ایام کو اپنانے میں فوائد نظر آتے ہیں لیکن ان ماخوذ چیزوں کو نیا مذہب اپنی تاویلات دیتا ہے۔ اسلام میں زمانہ قبل از اسلام کی مکہ کی زیارت کی رسوم اپنی ظاہری شکل میں اپنالی گئی ہیں لیکن انہیں اسلامی اہمیت دے دی گئی ہے۔

توجہ اس امر کی طرف مبذول کرانے کی ضرورت ہے کہ حج، خانہ کعبہ، طواف اور قربانی کا احترام ابتدائے اسلام سے ہی پایا جاتا ہے۔ سورہ قریش جو ابتدائی مکی سورتوں میں ہے، خانہ کعبہ کو بیت اللہ قرار دیتی ہے۔ سورہ کوثر قرآن کی مختصر ترین سورہ جو مکی ہے اس میں نحر یعنی قربانی کا حکم موجود ہے۔ اسلام میں قربانی کا تعلق صرف حج سے ہے۔ کسی اور عبادت کے ساتھ قربانی وابستہ نہیں۔ مکی دور میں پیغمبر اسلام اور آپ کے ساتھیوں کے طوافِ کعبہ کے تذکرے موجود ہیں۔ ہجرتِ مدینہ سے قبل انصار سے دو مرتبہ بیعت لی گئی۔ یہ دونوں بیعتِ عقبہ کہلاتی ہیں۔ یہ کس مقام پر ہوئیں۔ کیا عقبہ منٰی کی ایک گھاٹی کا نام نہیں اور منٰی صرف حج کے دوران آباد ہوتا ہے۔ اگر پیغمبر اسلام اور ان کے اصحاب عقبہ میں موجود تھے تو یہ کیسے باور کیا جاسکتا ہے کہ مناسک حج ادا کرنا مقصود نہیں تھا۔ تبلیغ تو اور مقامات پر بھی ہو سکتی تھی کہ شرکائے حج، حج سے پہلے اور حج کے بعد مختلف بازاروں اور میلوں میں خاصی مدت قیام کرتے تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ حج کے واضح احکامات موجود نہ ہونے کے باوجود ہجرت سے قبل بھی حج کو اسلامی عبادت کا مرتبہ حاصل تھا۔

قرآن مجید کے بارے میں مستشرقین کو یہ گمان تھا کہ وہ کلام سنی سنائی باتوں پر مشتمل ہے۔ یہ پیغمبر اسلام کی ذاتی تصنیف ہے۔ اس کی تعلیمات غیر مکمل اور اخلاقیات ادھورے ہیں۔ کارلائل جیسے لوگ ایک طرف پیغمبر اسلام کو نہ صرف تاریخ بشریت کے عظیم رہنماء قرار دیتے ہیں وہی دوسری طرف

toobaa-elibrary.blogspot.com

قرآن پر لکھنے بیٹھ جاتے ہیں تو اُن کا ذہنی توازن ڈگمگا جاتا ہے اور خیالات و نظریات منتشر نظر آتے ہیں۔ وہ لکھتا ہے:

> As toilsome reading as I ever undertook, a wearisome confused jumble, crude, incondite, endless iterations, long-windedness, entanglements, most crude incondite, insupportable stupidity; in short nothing but a sense of duty could carry any European through Koran. (۵)

> میری زندگی کی سب سے زیادہ محنت طلب خواندگی ایک اُکتا دینے والا، پریشان، بے ترتیب مجموعہ، خام، ناپختہ، لامتناہی تکرار، طول طویل گفتگو، الجھاؤ، انتہائی خام اور غیر نفیس، ناقابل دفاع حماقت، مختصر یہ کہ سوائے ادائے فرض کے احساس کے کسی یوروپین کو کوئی چیز قرآن کو پڑھ جانے پر آمادہ نہیں کر سکتی۔

مستشرقین نے اسلام کی تبلیغی و ترسیلی مساعی کو تلوار کے مرہون منت قرار دیا ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ عیسائی مذہب کی بقاء کا تمام تر دارومدار اس بات پر رکھا گیا ہے کہ کسی بھی طرح سے اسلام کی تضحیک ہو جائے اور اسلام کو عیسائیت یا یہودیت کے سائے میں رکھا۔ حقیقت یہ ہے کہ اسلام کو بزورِ شمشیر پھیلانے کا شاخسانہ عیسائیت کا وضع کردہ دفاعی نظریہ ہے۔ اس کے ذریعہ صرف یہ باور کرانے کی کوشش کی جاتی ہے کہ اسلام کی مقبولیت اس کی حقانیت کا نہیں بلکہ مسلمانوں کے جبر کا نتیجہ ہے۔ اس حقیقت کا اعتراف مستشرقین نے کیا ہے۔ چنانچہ برائن ٹرنر (Bryan Tuner) نے لکھا ہے:

> In order to explain the spread of Islam, Christian theology developed a defensive theory, which demonstrated that Islamic success was the product of Muslim violence, lasciviousness and deceit (۶)

toobaa-elibrary.blogspot.com

اسلام کی توسیع کی وضاحت کرنے کے لئے عیسائی مذہب نے ایک دفاعی نظریہ پروان چڑھایا، جو بیان کرتا تھا کہ اسلام کی کامیابی، مسلمانوں کے تشدد، شہوت رانی اور فریب کاری کا نتیجہ ہے۔

پیغمبر اسلام کے بارے میں مستشرقین کا نظریہ بڑا جارحانہ اور حوالوں سے عاری ہوتا ہے۔ ظاہری واقعات اور معاملات کو سامنے رکھتے ہوئے اس بات کے مدعی نظر آتے ہیں کہ ایک طرف پیغمبر اسلام مکی زندگی میں نبوت کی اعلیٰ شان پر فائز تھے تو دوسری طرف مدنی زندگی کی شناخت الگ وضع قطع سے ظاہر ہوئی۔ جیسا کہ مشہور مستشرق ویبر لکھتے ہیں:

His position in Medina, which was between that of an Italian Podesta and that of Calvin in Geneva, grew primarily out of his purely prophetic mission. A merchant, he was first a leader of pietistic conventicles in Mecca, until he realized more and more clearly that the organization of the interest of the Warrior Clans in the acquisition of the booty was the external basis provided for his missionizing.(۷)

مدینہ میں ان کی حیثیت اطالیہ کے پودستا (شہر کے امیر اور حکمراں) اور جینیوا کے کالوِن (پروٹسٹنٹ فرقے کے ایک شہری اور دینی ناظم) کے بین بین تھی، جس نے بنیادی طور پر ان کے خالصتاً پیغمبرانہ نصب العین سے نمود پائی تھی۔ وہ ایک تاجر، اور مکہ میں پرہیزگارانہ اجتماعات کے رہبر تھے۔ یہاں تک کہ انہوں نے اس بات کا واضح سے واضح تر طور پر ادراک کیا کہ جنگجو قبائل کی حصول مالِ غنیمت میں دلچسپی کا لحاظ، ان کے نصب العین کی خارجی بنیاد ہونی چاہیے۔

نکلسن نے بھی اسی قسم کے خیالات کا اظہار کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

toobaa-elibrary.blogspot.com

When by force of circumstances, the Prophet in him had grown into the ruler and legislator, it was a psychological necessity he should still feel himself to be chosen medium of the divine message.(۸)

جب حالات کے جبر کے تحت پیغمبر ایک حکمراں اور قانون سازی میں ڈھل گئے تو بھی یہ ایک نفسیاتی ضرورت تھی کہ وہ خود کو الہامی پیغامات کا منتخب ذریعہ سمجھتے رہیں۔

اس کے باوجود وہ مستشرقین جو اگرچہ عربی زبان وادب اور مسلمانوں کے علمی ذخائر سے بہت زیادہ واقف نہ تھے لیکن اس کے باوجود اسلام اور پیغمبر اسلام کے بارے میں لب کشائی کی اور آپ کی دینی و علمی مساعی کے معترف ہوئے۔ انیسویں صدی کے معروف فلسفی، تاریخ دان اور تنقید نگار تھامس کارلائل(Thomas Carlyle)لکھتے ہیں:

Ah, no! This deep hearted son of the wilderness, with his beaming black eyes and open social deep soul, had other thought in him than ambition. A silent great soul, he was one of those who cannot but be in earnest, whom nature hearself had appointed to be sincere.(۹)

ارے نہیں، صحرا کے یہ گداز دل فرزند، اپنی مسکراتی سیاہ آنکھوں اور ہر ایک کے لئے گہری محبت رکھنے والی روح کے ساتھ خود نمائی سے بہت ہی مختلف خیالات کے حامل تھے۔ ایک خاموش فطرت، عظیم نفس، وہ ان لوگوں میں سے تھے جو سوائے لگاؤ کے کچھ اور برت ہی نہیں سکتے تھے اور جن کو خود فطرت نے بطور خاص خلوص کے لئے ہی مقرر کیا تھا۔

تھامس کو اس بات کا ادارک تھا کہ پیغمبر اسلام کی شخصیت ایسی نہیں ہے جس قسم کی شبیہ مغربی مفکرین پیش کرتے ہیں۔ اُن کے نزدیک پیغمبر اسلام کی ذات تمام دُنیاوی لذات سے بے نیاز تھیں۔ وہ لکھتے ہیں:

toobaa-elibrary.blogspot.com

We shall err widely if we consider this man as a common voluptuary, intent mainly on base enjoyments, nay on enjoyment of any kind.(۱۰)

ہم بہت بڑی غلطی کریں گے اگر ہم ان صاحب(پیغمبر اسلام) کو ایک ایسا عام لذت پسند شخص گردانیں گے جو بنیادی طور پر گھٹیا عیاشی پر مائل ہو(جبکہ وہ) کسی بھی قسم کی لطف اندوزی سے گریز کرتے تھے۔

کارلائل نے اپنے دور تک کے مغربی اندازِ تحریر کو شرمناک قرار دیا اور برملا کہا کہ یہ تصور کہ عرب کے نبی ایک منصوبہ ساز بہروپیے تھے(نعوذ باللہ) یا ان کا دین خرافات کا مجموعہ تھا، اب کسی طور قابل قبول نہیں، جانتے بوجھتے کذب و افتراء کا جو طوفان ان کے خلاف اٹھایا گیا ہے وہ مغرب کے لئے باعثِ ننگ ہے۔ پھر اس نے مغربی اہل فکر کو اپنے دل ٹٹولنے کی دعوت دی کہ ان کی زبان سے ادا ہونے والا ہر لفظ گذشتہ کئی صدیوں سے کروڑوں افراد کی زندگی کی رہنمائی کرتا ہے۔ کیا یہ باور کیا جاسکتا ہے کہ یہ سب کچھ (ظہورِ اسلام) محض ایک کربناک روحانی فریب تھا جس کے لئے قادرِ مطلق کی مخلوق کی اتنی بڑی تعداد نے اپنی زندگی وقف کی اور ہنستے کھیلتے موت کو گلے لگالیا۔ کارلائل نے کہا کہ وہ ایسے کسی مفروضے سے متفق نہیں ہو سکتا۔ کارلائل وہ پہلا مغربی فرد ہے جس نے اپنے معاشرے کے برخلاف یہ اعلان کیا:

The man's words were not false, nor his workings lure below, no inanity and simulacrum, a fiery mass of life acast-up from the great bosom of nature herself.....The words of such a man is voice direct from nature's own heart.(۱۱)

ان صاحب (پیغمبر اسلام) کے الفاظ دروغ نہیں تھے نہ ہی ان کے طرزِ عمل میں کوئی جال، کھوکھلا پن یا مصنوعی بھرم تھا۔ وہ تو زندگی کی حرارت سے بھرپور ایک وجود تھے

toobaa-elibrary.blogspot.com

جس نے فطرت کی اپنی کوکھ سے جنم لیا تھا...ایسے شخص کے الفاظ تو فطرت کے اپنے دل کی آواز ہوتے ہیں۔

برطانوی مفکر اور تاریخ دان ہنری اسٹب (Henry Stubb) بھی اس قسم کے جذبات کا اظہار کرتے ہیں۔ وہ پیغمبر اسلام اور مسلمانوں کو اس قدر بُرا خیال نہیں کرتے جس قسم کے خیالات دیگر مستشرقین کے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں:

It is certain that the Christains which lived under the Mahomatens, do mention Mahomet with great respect as Mahomet of glorious Memory, and Mohometan super quo pax and benedictis & C (۱۲)

یہ بات قطعی ہے کہ جو عیسائی محمدیوں کے زیر نگیں رہے ہیں وہ محمد کا ذکر نہایت احترام سے کرتے ہیں جیسے عظیم یادوں والے محمد اور عظیم المرتبت امن اور برکتوں والے محمد وغیرہ۔

بہر حال مُستشرقین کی تحقیقی کاوشیں بہت ہی سطحی اور جانب دارانہ نوعیت کی تھیں۔ انہوں نے خالصتاً پیغمبر اسلام کی ذات کو تنقید کے زیر اثر رکھنے کے لئے تحقیقات و تالیفات کیں جس کا لازمی نتیجہ یہ نکلا کہ پیغمبر اسلام کے خلاف اُن کا عمومی رویہ جارحانہ ثابت ہوا۔ ہم یہاں پر اور دیگر مصنفین کے اقوال بھی درج کئے دیتے ہیں۔ لکھا گیا ہے کہ:

پیغمبر اسلام اگرچہ تاریخ کے دور میں موجود تھے مگر ان کی زندگی کے حقیقی خدوخال تاریخ کی نظروں سے اوجھل اور روایات میں گم ہیں۔

آپ کی مکی زندگی عسرت سے بسر ہوئی۔ دولت کی طلب نے ہر لمحہ پریشان رکھا۔ اس عسرت کے خاتمے کے لئے معمر دولت مند خاتون سے شادی کی۔ اسی دولت کے حصول کے لئے مدینہ کی زندگی میں مختلف چھاپوں اور لوٹ مار کے واقعات نظر آتے ہیں۔

مکی زندگی میں صرف بت پرستی کی مخالفت کی، جبکہ مدنی زندگی میں یہودیت اور نصرانیت سے بھی ناطہ توڑ لیا تاکہ ان کا اپنا مقام ثانوی نہ رہ جائے۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

اسلام کو بزور شمشیر پھیلایا۔

مجرمین کو دی جانے والی سزائیں قتل و خونریزی ہیں اور مسلمان در حقیقت قاتل اور لٹیرے ہیں۔

پیغمبر اسلام نے کئی بار موقع پرستی سے کام لیا۔ اس کی تائید واقعہ غرانیق سے ہوتی ہے۔ آپ نے کفارِ مکہ سے رعایات حاصل کرنے کے لئے ان کی تین دیویوں کو شریک الوہیت تسلیم کر لیا لیکن جب آپ کو اس کے عواقب و نتائج کا اندازہ ہوا تو اس شرکت کا انکار کر دیا۔

کتبِ سیرت میں پائی جانے والی تفصیل نا قابل اعتبار ہے۔ چونکہ کتب سیرت آپ کے انتقال کے صدیوں بعد تحریر ہوئیں اس لئے آپ کی حقیقی زندگی وہ نہ رہی ہو گی جو کتب سیرت میں ملتی ہے۔ سیرت میں عقیدت ایک مثالی زندگی کا نقشہ کھینچنے کی کوشش کرتی ہے۔ یہ وہ واقعات نہیں جو حقیقی زندگی میں پیش آئے بلکہ وہ افسانے ہیں جو سیرت کو اسلام کی روح سے ہم آہنگ کرنے کے لئے مولفین نے لکھ کر اپنے نبی سے منسوب کر دیئے۔ سیرت نگاروں نے اپنے نبی کی داستان کو موثر، پر کشش اور پر عظمت بنانے کے لئے سیدھی سادی زندگی کو عقیدت کے رنگ میں بیان کر دیا۔ وہ معجزات جو مسلمانوں کے پیغمبر سے منسوب ہیں صرف ان کی ذات کو انبیاء صادق کے ہم پلہ ثابت کرنے کے لئے وضع کئے گئے ہیں۔ قرآن کے محمد صرف ایک انسان ہیں۔ مسلمانوں نے انہیں ربانی اور ملکوتی مقام پر فائز کر دیا۔(۱۳)

اس کے علاوہ بھی کئی اعتراضات اور اشکالات مستشرقین کی طرف سے ہیں، ہم طوالت کلام سے بچنے کے لئے انہی چند اعتراضات پر اکتفا کرتے ہیں۔ مستشرقین کے اعتراضات کا بغور جائزہ لیا جائے تو تحقیق سے زیادہ جذباتیت اور اپنے مذہب کے اثبات کی چھلک نظر آتی ہے۔ جن کتب کو بنیاد بنا کر کہ جو قابل اعتبار نہیں انہی کتابوں سے چیدہ چیدہ نکات بیان کر کے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ پیغمبر اسلام کی زندگی جہاں بہت ساری جہتوں سے قابل گرفت ہے وہی قرآن جیسی الہام پیغام بھی کسی قدر قابل بھروسہ نہیں ہو سکتا۔ مستشرقین نے ہمیشہ سے پیغمبر اسلام کو تاریخ کے نا قابل اعتبار واقعات میں تلاش کرنے کی کوشش کی ہے۔ احادیث نبویہ کو نقد و جرح کے مرحلے سے گزرا ہے۔ یہاں تک کہ پیغمبر اسلام کی شخصیت کو بھی متنازعہ نگاہوں سے دیکھا ہے۔ اس بات سے انکار ممکن نہیں کہ پیغمبر اسلام سے منسوب ہر واقعہ یا حدیث مستند اور قابل وثوق ہو۔ بلکہ سیرت کی کتابوں میں بعض ایسے واقعات بھی

toobaa-elibrary.blogspot.com

ملتے ہیں جو یقیناً پیغمبر اسلام کی شخصیت اور آپ کی ذمہ داری سے مطابقت نہیں رکھتے۔ مستشرقین نے بھی زیادہ تر ایسے واقعات کو ہی مرکزِ نگاہ رکھا ہے۔ ان کا سب سے بڑا اعتراض ہی یہی ہے کہ پیغمبر اسلام خود کوئی نیا دین لے کر نہیں آئے تھے بلکہ اُس وقت کے رائج مذاہب یہود و نصاریٰ (جن کی تعداد مکہ میں نہ ہونے کے برابر تھی) سے سیکھتے ہوئے ایک جدید مذہب کی آمد کا اعلان کر دیا۔ قبل از اسلام اگر ہم عرب کے جغرافیائی اور سیاسی حالات پر نظر رکھیں تو معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت کی مکی زندگی یہود و نصاریٰ کے لئے کوئی قابل ذکر نہ تھی۔ وہ معدودے چند افراد پر مشتمل تھے۔ اُن کا نہ سیاسی اثر تھا اور نہ ہی تجارتی بڑھوتری حاصل تھی۔ تاریخ میں ورقہ ابن نوفل کا نام ملتا ہے کہ انہوں نے پیغمبر اسلام کو جبرائیل امین سے ہونے والی ملاقات کی کیفیت بتائی تھی اور کہا تھا کہ عنقریب آپ منصب نبوت پر فائز ہونے والے ہیں۔ پیغمبر اسلام سے ورقہ ابن نوفل کی ملاقات کو بنیاد بنا کر مستشرقین قرار دیتے ہیں کہ پیغمبر اسلام دراصل عیسائیت سے واقف تھے اور آپ نے دین اسلام کو مذہب عیسائیت سے مستعار لیا ہے۔ جبکہ دوسری جانب ہم یہودیوں کی سیاسی رہبری کی طرف نظر کرتے ہیں تو مکہ میں کوئی ایسی شخصیت نمایاں نظر نہیں آتی کہ پیغمبر اسلام نے اُن سے ملاقات کی ہو اور الٰہی رموز سے واقفیت حاصل کی ہو۔ کم از کم مکی زندگی میں تو ہمیں نہ تو عیسائیت کی پرچھائیاں نظر آتی ہیں اور نہ ہی یہودیوں کا اثر و رسوخ، پھر کیسے مان لیں کہ پیغمبر اسلام نے دین اسلام کی تمام تر تعلیمات کو یہود و نصاریٰ سے مستعار لی ہیں۔ پیغمبر اسلام کی جدوجہد اور تبلیغ مکمل طور پر الٰہی منصب دار تھی۔ آپ کو اُن تمام ادیان جو آپ سے قبل رائج تھے، کے بارے میں معلوم تھا تو یہ اللہ کی طرف سے ودیعت کردہ صلاحیت تھی نہ کہ کسی دنیاوی فرد کی طرف سے تفویض کردہ نیابت، مسلمان مفکرین سمیت مستشرقین بھی یہ تسلیم کرتے ہیں کہ آپ پڑھے لکھے نہ تھے۔(۱۴) اگر کسی عیسائی یا یہودی سے دینی تعلیمات مستعار لی بھی ہیں تو پھر یہ تو تسلیم کرنا پڑے گا کہ پیغمبر اسلام کی شخصیت نابغہ روزگار تھی۔ علم سے نابلد ایک شخص ایک مختصر سی مدت میں اتنے بڑے دین کو پھیلانے میں کیسے کامیاب ہوا۔ یہ سوال بذات خود ان معترضین کے لئے جواب ہے۔

تاریخ مذاہب کا مطالعہ یہ واضح کرتا ہے کہ جب بھی کسی خطے یا قوم میں کوئی نیا مذہب رونما ہوا تو اسے مروجہ مذاہب کی جگہ لینے کے لئے شدید کشمکش کا سامنا کرنا پڑا۔ اس کشمکش کے باعث گروہ اور فرقے

toobaa-elibrary.blogspot.com

پیدا ہوئے جن میں ہمیشہ اختلاف رہا۔ عیسائیت نے جنم لیا تو یہود بلائے درماں بن کر ٹوٹ پڑے۔ عیسائیوں پر جینا دوبھر کر دیا۔ عیسائیوں نے اگر حضرت عیسیٰ کو الوہیت کے مقام پر فائز کیا تو یہود نے ان کی والدہ پر تہمت باندھی۔ عیسائیت کی مسکنت کا دور ختم ہوا تو اس نے دیکھتے دیکھتے قدیم مذاہب کا خاتمہ کر ڈالا۔ جب اسلام اور عیسائیت دوبدو ہوئے تو تاریخ نے پوری شدت سے اسی قدیم انداز کو دہرایا اور مغرب نے اسلام کی ہر اعلیٰ قدر پر ضرب لگائی۔ اس مہم میں دیگر بانیانِ مذاہب کے ساتھ جو سلوک کیا گیا تھا اس کی گرد کو بہت پیچھے چھوڑ دیا گیا۔ صدیوں تک تو مغرب نے نبوت کو ہی تسلیم نہیں کیا پھر جب دانشوروں کو انکار میں دقت ہونے لگی تو انہوں نے نبوت کو مقامی قرار دیا۔ جو محض بطحا، حجاز یا عربوں تک محدود تھی۔ حالانکہ بائبل کے سارے انبیاء یہاں تک کہ یسوع مسیح بھی اپنے دائرہ کار کو صرف بنی اسرائیل کی کھوئی ہوئی بھیڑوں تک محدود رکھنے کا اعلان کرتے رہے۔ لیکن پیغمبر اسلام جو روزِ اول سے عالمی دعوت کے مدعی ہوں ان کی دعوت کو مقامی ٹھہرایا جائے۔ کیا یہ سیرت پیغمبر اسلام سے عدم شناسی کی علامت نہیں۔ قرآن نے تو پیغمبر اسلام کی نبوت کو عالمیت کی حامل قرار دیا ہے۔

وَلْتَكُن مِّنكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ(۱۵)

اور تم میں ایک جماعت ایسی ہونی چاہیے جو لوگوں کو نیکی کی طرف بلائے اور اچھے کام کرنے کا حکم دے اور برے کاموں سے منع کرے یہی لوگ ہیں جو نجات پانے والے ہیں۔

وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ(۱۶)

ہم نے آپ کو عالمین کے لئے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔

قرآن نے پیغمبر اسلام کی ذات کو مومنوں کے لئے اسوہ حسنہ قرار دیا ہے کیونکہ ان کی ذات مجسم اخلاقِ قرآنی تھی۔ لیکن جب مستشرقین کے سامنے حقیقت سامنے آئی تو اسے جھٹلانے لگے۔ انہوں نے جہاں اس بات کو تسلیم کیا کہ متعصب مغربی مفکرین اسلام کی تصویر میں غلط رنگ استعمال کرتے ہیں وہیں یہ بھی کہنے سے باز نہ آئے کہ یہ مثالی کردار سیرت اور مغازی کی مدد سے ترتیب دیا گیا ہے۔ اس تجسیم

toobaa-elibrary.blogspot.com

میں احادیث کا ہاتھ ہے جن کے ذریعے کردار کے اہم پہلو نمایاں کئے گئے ہیں۔ مغربی مفکرین نے خصوصیت کے ساتھ احادیث کا تنقیدی مطالعہ کیا۔ انہوں نے اس میں تاریخیت کی تلاش کی اور پھر یہ حکم لگایا کہ بیشتر احادیث ناقابلِ اعتبار ہیں۔ پیغمبر اسلام کے بارے میں جب وہ کوئی واقعہ پڑھتے تو منطق کے بل پر کوئی نہ کوئی اعتراض پیدا کر لیتے۔ حالانکہ حضرت عیسیٰ کے بارے میں اگر کوئی ایسا واقعہ اناجیل میں نظر آتا ہے جس کی توجیہہ نہ کر سکیں تو اس کے دفاع میں کہتے:

> Even if Jesus did not act in this way, (Say towards the women taken in adultery), this is how his followers must have thought the would have acted (۱۷)
>
> اگر یسوع نے ایسا نہیں بھی کیا (مثلاً عورتوں کی بے حرمتی کے معاملے میں) تو یہ وہ عمل ہے جو یقیناً ان کے معتقدین نے گمان کیا ہوگا کہ ان حالات میں وہ ایسا ہی کرتے۔

اسلام مذہب عمل ہے اس کی تعلیمات محض علمی نظریات نہیں بلکہ ہدایاتِ عمل ہیں۔ یہاں نجات کا انحصار عمل پر ہے۔ جب تک آزادی عمل نہ ہو کوئی معاشرہ اپنے اصولوں پر عمل پیرا نہیں ہو سکتا۔ اسلام معاشرے کو مرتکز کرتا ہے، ترک دنیا کی تعلیم دے کر فرد کو معاشرے سے منتشر نہیں کرتا۔ مرتکز معاشرے میں مستحکم انتظامیہ ناگزیر ہے۔ اسلامی معاشرہ ایک نظریاتی معاشرہ تھا۔ نظریاتی معاشرے کی انتظامیہ ہمیشہ نظریاتی گروہ کے سرکردہ ارکان پر مشتمل ہوتی ہے۔

سیاست اور دین، اسلام میں دو جداگانہ عالم نہیں ہیں۔ لیکن چونکہ مغرب احساس برتری میں مبتلا ہے اور تصور کرتا ہے کہ عیسائیت ہی کائناتی سچائی ہے اس لئے اپنی قدروں پر دوسروں کو جانچتا ہے۔ جبکہ انصاف کا تقاضا ہے کہ جسے جانچا جا رہا ہے اسی کی قدریں بھی پیش نظر رہیں۔ معروف مستشرق ٹوئن بی دعویٰ کرتے ہیں:

> The truth then seems to be that, in the invitation to Medina, Mohammed was confronted with a challenge to which his spirit failed to rise. In accepting the invitation he was renouncing the sublime role of the

toobaa-elibrary.blogspot.com

nobly un-honoured prophet and contenting himself with the common place role of the magnificently successful statesman.(۱۸)

سچ تو یہ محسوس ہوتا ہے کہ مدینہ سے ملنے والی دعوت نے محمد کو ایک ایسی آزمائش میں ڈال دیا تھا جس میں ان کی ذات پوری نہیں اتر سکی۔ اس دعوت کو قبول کر کے انہوں نے پیغمبر کے کریمانہ کردار کو ترک کر دیا اور خود کو ایک عام سے کامیاب باجبروت حکمران کے روپ میں ڈھال کر مطمئن ہو گئے۔

ہر وہ شخص جو عیسائی نظریات سے ناواقف ہو ٹوئن بھی کی اس تحریر کا مدعا سمجھنے سے قاصر رہے گا۔ مکہ سے مدینہ منتقل ہونے کے باعث نبوت کیسے متاثر ہو گئی؟ ناکامی کے کون سے آثار نظر آئے؟ فرائض نبوت میں کون سی کوتاہی ہوئی؟ ان سب کا جواب یہ ہے کہ یہ سارے دعویٰ بلا دلیل ہیں۔ یہ الزامات محض اس لئے عائد کئے جا رہے ہیں کہ عیسائی ثنویت کی نگاہ میں ایسا کرنا ثواب کا کام نہیں تھا۔ یہ الگ شان ہے کہ کلیسائے مقدس نے خود جب تک سیاست پر مسلط رہا اس میں کوئی عیب نہ تھا۔

عیسائیت میں سیاست اور مذہب دو جداگانہ میدان ابتداء ہی سے چلے آتے ہیں۔ یہ عقیدہ اس دور کے حالات کی پیداوار تھا جب عیسائیت اپنا پرچار رومن ایمپائر میں کر رہی تھی۔ رومن معاشرہ ہر اعتبار سے مستحکم معاشرہ تھا۔ عیسائیت میں یہ دم خم نہ تھا کہ وہ اس معاشرے کی کسی قدر کو للکار سکتی۔ حکومت کی سخت گیری سے محفوظ رہنے کے لئے اسے بحیثیت عقیدہ یہ اعلان کرنا پڑا کہ سیاست اور معاشرتی قدروں سے اسے کوئی سروکار نہیں اور عیسائی دعوت تو محض روحانی تسکین کا بے ضرر ذریعہ ہے لیکن جب عیسائیت نے قدم جما لئے تو رومن معاشرے کا اقدار غصب کر لیا۔ لیکن اسلام نے اس قسم کی کوئی سودے بازی نہیں کی۔ اس کا کوئی عقیدہ مصلحت کوشی کا نتیجہ نہ تھا۔ اس نے اپنا معاشرہ خود تعمیر کیا۔ یہاں نہ دین الگ تھا اور نہ ہی سیاست الگ تھی۔ دونوں کو نظم زندگی کے لئے لازمی قرار دیا گیا۔ معروف مستشرق مائیکل ہارٹ لکھتے ہیں:

Of humble origins, Muhammad founded and promulgated one of the world's great religions, and

toobaa-elibrary.blogspot.com

became and immensely effective political leader. Today, thirteen centuries after his death, his influence is still powerful and pervasive.(۱۹)

محمد نے عاجزانہ طور پر اپنی مساعی کا آغاز کیا اور دنیا کے عظیم مذاہب میں سے ایک مذہب کی بنیاد رکھی اور اسے پھیلایا۔ وہ ایک انتہائی موثر سیاسی رہنماء بھی ثابت ہوئے۔ آج تیرہ سو سال گزرنے کے باوجود ان کے اثرات انسانوں پر ہنوز مسلم اور گہرے ہیں۔

حاصل کلام یہ ہے کہ پیغمبر اسلام اور ان کی تعلیمات کے بارے میں مستشرقین کی تحریریں بے لوث یا علمی نوعیت کی نہیں تھیں بلکہ قومی اور علاقائی اغراض و مقاصد کے تحت وجود میں آئی تھیں۔ غرض مفاد یا عصبیت سے آلودہ تحریریں مسخ بالعمد کا شکار ہوتی ہیں۔ ان میں دیانت اور نیک نیتی کا وجود نہیں ہوتا۔ ایسا علم جو بددیانتی پر مبنی ہو فریب ہے جس پر انسانیت اعتماد نہیں کر سکتی۔ مستشرقین کی تحریریں مغربی سرد جنگ کا ایک حصہ ہیں۔ یہ یک طرفہ سوچی سمجھی سرد جنگ گذشتہ کئی صدیوں سے جاری ہے۔ مغربی ذرائع ابلاغ اپنا پروپیگنڈہ دنیا کے گوشے گوشے میں پہنچا چکے ہیں۔ یہ پروپیگنڈہ اس قدر طاقت ور ہے کہ خود مسلم معاشرے کے بعض طبقات اس سے بری طرح متاثر ہو رہے ہیں۔ ان میں نظریاتی بے چینی کروٹ لے رہی ہے۔ مغربی ممالک میں روزگار حاصل کرنے والے افراد کی اکثریت نظریاتی بے یقینی کا شکار ہے۔ نظریاتی بے چینی معاشروں کا شیرازہ بکھیر دیتی ہے۔ لہٰذا انتہائی ضروری ہے کہ اس گھناؤنی مہم کو بے نقاب کیا جائے تاکہ نہ صرف پیغمبر اسلام کی سیرت اور ان کی تعلیمات کی حقانیت مامون رہے اور اسلامی معاشرے نظریاتی بے یقینی سے محفوظ رہیں بلکہ غیر جانبدار معاشروں کی وہ غلط فہمیاں دور ہوں جو مغربی پروپیگنڈے کے باعث عام ہیں۔ مستشرقین کے اعتراضات کی روشنی میں یہ ضروری ہے کہ مسلمان مفکرین پیغمبر اسلام کی سیرت کو جدید انداز میں اور قابل نقد و جرح کے ساتھ پیش کریں تاکہ مزید اعتراضات اشکالات کا طوفان کھڑا نہ ہو۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

شدت پسندوں کی توجیہات کا محاسبہ:

باوجود اس کے کہ سیرت طیبہ میں انسانی ہمدردی کا پہلو ہمیشہ بلند اور ارجح رہا ہے، لیکن اس پہلو پر غور کرنے کی ضرورت ہے کہ سیرت پیغمبر اسلام کی غلط تعبیرات اور تشریحات کیونکر عام ہوئیں؟ یہ کہہ کر بری الذمہ نہیں ہوا جاسکتا کہ یہ سب کچھ دشمنوں کی چال ہے اور مغربی مفکرین نے مفروضوں کی بنیاد پر پیغمبر اسلام کی ذات سے وابستہ کر رکھا ہے۔ یہ تو تاریخ کا ہر طالب علم جانتا ہے کہ پیغمبر اسلام کی سیرت میں ہمدردی اور بھائی چارگی نمایاں طور پر نظر آتی ہے۔، لیکن تصویر کا دوسرا رُخ بھی ہے کہ بعض ایسے واقعات جن کی نسبت پیغمبر اسلام کی طرف دی جاتی ہے، اُن کو بنیاد بنا کر نہ صرف جواز کا راستہ نکالا جاتا ہے بلکہ عملاً اس کا مظاہرہ بھی کیا جاتا ہے۔ جیسا کہ جہاد و قتال، جنگ و جدل اور غیر مسلموں سے غلاموں اور کنیزوں جیسا رویہ پیغمبر اسلام کی سیرت کے گوشے شمار کئے جاتے ہیں۔ خاص طور پر غیر مسلموں کے خلاف جارحیت خواہ وہ کسی بھی صورت میں ہو روا ہے۔ حالانکہ اگر اعلانِ نبوت سے لے کر آپ کے وصال تک کی ۲۳ سالہ زندگی کو مختلف کاموں پر تقسیم کر کے دیکھا جائے تو بڑے حیرت انگیز انکشافات ہوں گے۔ مثال کے طور پر آپ نے جتنے غزوات میں شرکت فرمائی اگر ان سب کو جمع کر کے ان کے گھنٹے اور دن بنا لیے جائیں تو معلوم ہو گا کہ ان ۲۳ برسوں میں صرف چھ ماہ ایسے ہیں جن میں آپ کے ہاتھ میں تلوار ہے، گویا ساڑھے بائیس سال میں آپ یا تو لوگوں کے ساتھ عدل وانصاف فرما رہے ہیں، یا پھر غریبوں اور مسکینوں کو مال تقسیم فرما رہے ہیں، یا لوگوں کے درمیان مساوات قائم فرما رہے ہیں۔ کبھی غلاموں، مزدوروں اور یتیموں کے ساتھ حسن سلوک فرما رہے ہیں اور اپنے ساتھیوں کو بھی ایسا ہی کرنے کا حکم فرما رہے ہیں، کبھی آپ عورتوں اور بیواؤں کے حقوق کے سلسلہ میں لوگوں کو متنبہ فرما رہے ہیں اب اگر آپ ان ۶ ماہ (جن میں آپ کے ہاتھ میں تلوار ہے) سے ان ساڑھے بائیس سال کا موازنہ کریں تو ایک نئی دنیا کی سیر ہو گی۔ یہاں یہ بات بھی دیکھنے کی ہے کہ ان چھ مہینوں میں بھی آپ نے لوگوں کو ظلم وزیادتی سے بچانے کے لئے اور فتنہ وفساد رفع کر کے امن کے قیام کے لیے تلوار اٹھائی ہے۔

عصر حاضر میں سیرت کی تفہیم جدید کا تمام تر دارومدار ان ساڑھے بائیس برسوں پر ہے۔ پیغمبر اسلام کے کس کردار سے روشنی ملتی ہے کہ خواتین، بچوں اور بزرگوں کو ذبح کیا جائے، ان کی

toobaa-elibrary.blogspot.com

جائیدادیں ہتھیا لی جائیں، یہاں تک کہ کلمہ گو افراد کو تکفیریت سے منسوب کرکے ان کا قتل عام کیا جائے۔ان شدت پسندوں کے اعمال کا تعلق یقیناًان واقعات سے ہے جنہیں پیغمبر اسلام کی مدنی زندگی سے منسوب کیا جاتا ہے۔ من جملہ ان میں سے ایک واقعہ بنو قریضہ کا ہے۔یہ قبیلہ مدینہ میں آباد تھا۔ میثاق مدینہ کی روشنی میں دیگر قبائل کی طرح اس قبیلے کو بھی امنیت حاصل تھی اور پیغمبر اسلام کی سربراہی میں مدینہ کی حفاظت اور دیگر اُمور میں اِن کو مسلمانوں کا ساتھ دینا تھا۔ مسلمان مفکرین کے مطابق غزوہ خندق کے موقع پر اس قبیلے نے عہد شکنی کی اور مسلمانوں کے دشمنوں کے ساتھ ساز باز کرکے مدینہ پر حملہ کرنے کی پوری تیاری کرلی تھی۔ باوجود کہ انہوں نے پیغمبر اسلام سے معاہدہ کررکھا تھا کہ جب بھی بیرون مدینہ سے کوئی حملہ آور ہوگا تو وہ مسلمانوں کا ساتھ دیں گے۔ لیکن جب جنگ کا مرحلہ آیا تو انہوں نے نہ مسلمانوں کا ساتھ دیا اور نہ ہی مدد کرنے کی سعی کی۔ معاہدے کی خلاف ورزی کے نتیجے میں پیغمبر اسلام نے ان کے قلعہ کا محاصرہ کرلیا اور بعدازاں سخت ترین سزا دیتے ہوئے ان کی خواتین اور بچوں کو غلام بنالیا جبکہ مرد حضرات کو قتل کردیا گیا۔

اگرچہ یہ واقعہ تاریخ اسلام میں معروف ہے لیکن کئی طرح سے محل نظر ہے۔ پیغمبر اسلام کی بعثت سے قبل اس طرح کے واقعات عام تھے۔ فریق مخالف پر فتح کے بعد ان کی عورتوں اور بچوں کو کنیز وغلام بنانا اور اُن کے مردوں کو قتل کرنا عام رواج تھا۔ اگر تو ہم پیغمبر اسلام کو ایک مصلح اور جدیدیت کے روپ میں دیکھتے ہیں تو پھر پیغمبر اسلام کو ایک ایسے واقعہ کو دہرانے کی ضرورت کیوں پیش آئی جس کی بیخ کنی کے لئے آپ کو مبعوث کیا گیا تھا۔ اسلام کے نقطہ نظر سے قتل کی نوبت اس وقت تک نہیں آتی جب تک کہ فریق مخالف آپ کی جان کے درپے نہ ہو۔ معاہدہ کی خلاف ورزی کوئی بڑا جرم نہیں تھا کہ پورے کا پورا قبیلہ یا تو کنیز وغلام بنے یا قتل کردیئے جائیں۔ کہاں تو پیغمبر اسلام کی ذات سے منسوب رحمت پر مبنی واقعات کہ اگر دشمن بھی معاف تلافی کا طلب گار ہو تو فی الفور معاف کرنے والے اور کہاں اس قسم کے سخت فیصلے کہ ایک معاہدے کی خلاف ورزی پر پورا قبیلہ تہہ وتیغ کیا جائے۔ مسلمانوں کے پاس اس واقعہ کے اثبات کے لئے چند دلائل ہیں۔ان کے نقطہ نظر سے چونکہ اس وقت اسلامی ریاست خطرے میں تھی اور پیغمبر اسلام کو خدشہ تھا کہ ان کی سازش کے نتیجے میں مسلمان سخت مشکلات میں گھیر سکتے ہیں۔ اگر اس

toobaa-elibrary.blogspot.com

دلیل کو ہم مان لیں تو پھر پیغمبر اسلام کی زندگی کا کون سا ایسا دن ہے جو خطرے سے خالی نہیں تھا۔آپ کی تبلیغی خدمات ہمیشہ سے پر خطر اور نامساعد حالات کا شکار رہی ہیں۔اس ایک واقعہ کی وجہ سے ہم پیغمبر اسلام کے خاص لقب جس کو قرآن میں بھی بیان کیا گیا ہے پس پشت نہیں ڈال سکتے۔آپ کو رحمت بنا کر بھیجا گیا تھا۔دشمن کو معاف کرنا اور ان کی اصلاح کرنا آپ کی زندگی کا منشا و مقصد تھا نہ کہ قتل و غارت گری۔ چونکہ یہودیوں نے دشمن سے ساز باز کر لی تھی اس لئے ضروری تھا کہ آئندہ کے لئے ایک ایسا راستہ متعین کیا جائے کہ دوبارہ کسی کو جرأت نہ ہو۔ہم اس دلیل کو بھی قبول نہیں کر سکتے۔پیغمبر اسلام کی ذات اس قسم کی نسبت سے مبرا ہے۔ایک ہی وقت میں قریب سات سو افراد کا قتل ناممکنات میں سے ہے۔آج کے شدت پسند اگرچہ اس قسم کے واقعات سے سہارا لیتے ہیں لیکن تصویر کا دوسرا رُخ بھی ہر وقت رہے گا کہ کیا اس واقعہ کے علاوہ کوئی اور بھی واقعہ پیغمبر اسلام سے منسوب ہے؟ ہم دیکھتے ہیں کہ آپ کی زندگی کے دیگر واقعات میں اس طرح کی مثال نہیں ملتی۔ عصر حاضر میں ان واقعات کی از سر نو تفہیم کی ضرورت ہے۔قرآنی لب و لہجہ اور سیرت پیغمبر اسلام اس واقعہ سے بالکل الگ روش رکھتے ہیں۔قرآن آپ کو عالمین کے لئے رحمت قرار دیتا ہے جبکہ خود پیغمبر اسلام کی سیرت ایک رحم دل اور دردمند انسان کے روپ میں پیش کرتی ہے۔ لا محالہ ان واضح دلائل کی موجودگی میں کسی تیسری توجیہ کی ضرورت پیش نہیں آنی چاہیے۔

عامیانہ اُمور:

سطور بالا میں درج کئے گئے نکات کو سامنے رکھیں تو سیرت طیبہ کی تفہیم جدید کی ضرورت نہ صرف یکبارگی پیش آئے گی بلکہ بار بار تفہیم جدید کا دروازہ کھلتا ہوا نظر آئے گا۔ ہمارے تئیں سیرت ایک وسیع موضوع ہے اور ظاہر ہے کہ اس کا ایک گوشہ موجودہ دور کے تمام تر انسانی مسائل کا احاطہ نہیں کر سکتا۔ لہٰذا ہمیں اُن تمام تر پہلوؤں کو باریک بینی سے بیان کرنا ہوگا جن کی ظاہری شکل اور تعبیر کو بنیاد بنا کر معترضین سوال اُٹھاتے ہیں،اُن کو لائقِ گرفت سمجھتے ہیں اور موجودہ دور کے مسائل کے بہتر حل کے لئے موزوں نہیں گردانتے۔دوسری جانب اُن پیروکاروں کی توجیہات کو بھی نقد و جرح کے دائرے میں لانا ہوگا جو کم علمی اور ظاہری معنی کے چنگل سے باہر نہیں نکلتے ہیں اور اپنے مقاصد کے حصول کے لئے

toobaa-elibrary.blogspot.com

سیرت طیبہ سے منسوب چند واقعات کو بنیاد بنا کر اسلام اور پیغمبر اسلام کی سیرت کی بدنامی کا باعث بنتے ہیں۔

جیسا کہ باب اول میں نشاندہی کی گئی کہ عصر حاضر میں سیرتِ نبوی کی اہمیت اس قدر ہے کہ جہاں ایک طرف غیر مسلموں میں اسلام کی شبیہ خراب ہو رہی ہے وہی دوسری طرف اسلام کے نام لیوا پیغمبر اسلام کی تعلیمات کو بنیاد بنا کر غیروں کو تہہ تیغ کرنے سے گریز بھی نہیں کرتے۔ ایسی صورتِ حال میں سیرت طیبہ کو جدیدیت کے ساتھ پیش کرنے کی ضرورت ہے۔ بحث کو خلاصہ کی طرف لے جاتے ہوئے سیرت کی تمام تر جزئیات کو زیر بحث لایا گیا اور تین طرح کے نکات اخذ کئے گئے:

اول: سیرت طیبہ کی ضرورت واہمیت آج بھی باقی ہے۔

دوم: مختلف ماہرین کی مختلف آراء اس بات کی شاہد ہیں کہ یہ موضوع ایک خاص زمانہ تک محدود نہیں رہ سکتا بلکہ ہر زمانے میں اس پر کام کی گنجائش نکل سکتی ہے۔

سوم: سیرت کی تبلیغ آج کے مسلمان کی سب سے بڑی ذمہ داری ہے۔

ذیل میں ہم سیرت کی تفہیم جدید کو ایک نئے پیرائے میں بیان کریں گے۔ ہماری گفتگو کا تمام تر انحصار اس بات پر ہو گا کہ موجودہ دور میں سیرت کی عملی تصویر کیا ہو سکتی ہے۔ اس سلسلے میں چند نمایاں پہلوؤں کو زیر بحث لایا جائے گا۔ آج کے دور میں سیرت طیبہ کو سمجھنے اور عملی زندگی میں اپنانے کے لئے دو بڑے گروہ ہیں۔ ایک گروہ مخالفین کا ہے جن کی تفصیلی بحث سطور بالا میں گزر چکی ہے۔ ان کی نظر میں سیرت طیبہ متنازع ہے اور آج کے دور میں اس کی عملی تصویر بنتی نظر نہیں آتی۔ ان کے خیال میں پیغمبر اسلام کی سیرت کا تعلق اُن کے اپنے دور سے تھا۔ جدید دُنیا میں سیرت کی پیروی کی ضرورت نہیں۔ بعض مخالفین کے نزدیک پیغمبر اسلام کی شخصی زندگی دراصل محدود لوگوں اور معاشرے تک تھی، بلکہ صرف عربوں کے لئے لائق تقلید تھی۔ دوسرا گروہ حامیوں کا ہے، اس گروہ کے خیال میں پیغمبر اسلام سے منسوب ہر واقعہ یا عمل فی نفسہ درست ہے اور موجودہ دور کے مسلمانوں کے لئے لائق تقلید ہے۔ اس گروہ کے نظریات غیر مسلموں کے ساتھ ساتھ اپنے مخالف فرقے کے لئے متشددانہ ہیں۔ اپنے فریق کو نہ

toobaa-elibrary.blogspot.com

صرف دین اسلام سے خارج قرار دیتے ہیں بلکہ واجب القتل سمجھنے میں بھی تامل نہیں کرتے۔ لہٰذا ان دو مختلف گروہوں کی موجودگی میں لازم ہو جاتا ہے کہ سیرت کو ایک نئے پیرایئے میں بیان کیا جائے۔

سیرت کی تفہیم کی ضرورت کا اصل میں بنیادی نظریہ یہ ہے کہ آج لوگ کہتے ہیں کہ وہ چیزیں جو ہماری قدیم ہیں، روایتی ہیں، اور ایک طرح سے فرسودہ ہیں، ان چیزوں کے اندر بہت سی ایسی چیزیں ہیں جو آج کے دور میں عملاً نافذ نہیں ہو سکتی۔ تو ان چیزوں کو جدید دور کے جو تقاضے ہیں ان کی روشنی میں دوبارہ دیکھا جائے۔ تشکیل نو کی جائے۔ اس کے لئے کیا کرنا ہوتا ہے جو ہمارے ذرائع ہیں ان کو دوبارہ نئے سرے سے پڑھ کر دیکھا جائے کہ ان کا مطلب کیا وہی جو پرانے لوگ لیتے تھے۔ یا کوئی نیا مطلب نکلتا ہے جس سے ہمیں زیادہ بہتر دین کا فہم حاصل ہو سکتا ہے۔ یہ چیز قرآن میں بھی، حدیث میں بھی، ہر جگہ دیکھیں گے کہ تشکیل جدید کا مطلب یہ ہے کہ ہم اپنے دور کے تقاضوں کے مطابق ایک مرتبہ اور دیکھیں۔ ہم نے اس سے قبل قرآن بہت پڑھا ہو گا، اس موضوع کی روشنی میں دوبارہ قرآن پڑھ کے دیکھیں تو جب انسان دوبارہ پڑھ کے دیکھتا ہے تو اس کے سامنے کئی راہیں کھلتی ہیں۔ مثال کے طور حقوقِ انسانی کی اصطلاح بظاہر نہ قرآن میں ہے اور نہ ہی سیرت طیبہ میں ملے گی۔ کیونکہ قرآن یا پیغمبر اسلام نے انسانی حقوق کا نام لے کر نہیں کہا کہ انسان کے حقوق یہ ہیں یا وہ ہیں۔ بلکہ اصول کی نشاندہی کی ہے۔ تو ہم کیسے سمجھیں کہ اسلام اور سیرت پیغمبر اسلام میں سیرت کی نشاندہی کی گئی ہے۔ اس سلسلے میں ہمیں پھر سے سیرت طیبہ کو زندہ کرنا ہو گا اور پرکھنا ہو گا کہ آیا قرآن اور سیرت کی کتابوں میں اُن واقعات کی کثرت ہے جن میں پیغمبر اسلام کی رحمت نظر آتی ہے یا وہ واقعات زیادہ ہیں جن میں پیغمبر اسلام کی سخت روش کا تذکرہ ہے۔ ہم ذیل میں چند بنیادی موضوعات کو زیر بحث لاتے ہیں۔

مقامِ انسانیت:

عام طور پر پیغمبر اسلام سے منسوب ایک طرح سے الزام ہے کہ آپ کی نگاہ میں انسانیت کی برابری کا تصور مبہم تھا۔ آپ مرد اور عورت کے درمیان مساویانہ عمل قائم کرنے میں کامیاب نہیں ہوئے۔ مخالفین سمیت حامی بھی بعض موارد کی روشنی میں اس مغالطے کا شکار ہوئے کہ اسلام میں غلام و کنیز اور خواتین کی کمتری کا تصور پیغمبر اسلام کی طرف سے تفویض کردہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آج کی

toobaa-elibrary.blogspot.com

متمدن دنیا میں بھی مسلم شدت پسند غلامی اور کنیزی کا تصور لئے بیٹھے ہیں اور خواتین کو وہ حقوق دینے کے لئے تیار نہیں جن کی دعویدار متمدن دنیا ہے۔ لیکن جب ہم پیغمبر اسلام کی زندگی کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہمیں کئی ایسے موارد نظر آتے ہیں جہاں آپ ایک غلام (زید بن ثابت) کو کبھی اپنا منہ بولا بیٹا بناتے ہوئے نظر آتے ہیں، کبھی کسی غلام کو شعائر اسلام کی ادائیگی کی ذمہ داری سونپتے ہیں۔ (حضرت بلال ایک حبشی غلام تھے اور کفار قریش کے مظالم کے ستائے ہوئے ایک مظلوم کی حیثیت سے پیغمبر اسلام کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے، آپ نے ان کو موذن مقرر کیا تھا) کبھی کسی غلام (سلمان فارسی) کو اپنے اہل خاندان میں سے قرار دیتے ہیں۔ عرب کے اُس معاشرے میں جہاں پر انسانیت کی کوئی قدر و قیمت نہیں تھی وہاں آپ نے ایک غلام کو عزت بخشی اور اسلامی نظام زندگی میں شامل کرتے ہوئے بڑی بڑی ذمہ داریاں سونپی۔ مخالفین کی اس منطق کی کوئی توجیہ سمجھ میں نہیں آئی کہ انہوں نے کس بنیاد پر پیغمبر اسلام کو مقامِ انسانیت سے ناآشنا قرار دیا۔ یا حامیوں کی اس منطق سے بھی مطمئن ہونے کا کوئی جواز نہیں کہ آج کے دور میں بھی انسانیت غلام، کنیز یا نچلے طبقہ میں شمار ہو سکتی ہے۔ پیغمبر اسلام کے اعلان کے مطابق تمام انسان برابر ہیں، سب اللہ کی مخلوقات ہیں اور ہر انسان نے اپنے جینے کا حق اللہ سے لیا ہوا ہے۔ کسی انسان کو حق نہیں پہنچتا کہ وہ اپنے جیسے انسان کو ذات پات کی بنیاد پر ذلیل و خوار سمجھے۔ پیغمبر اسلام کے سامنے آپ کے چچا حضرت حمزہ کو بے دردی کے ساتھ قتل کرنے والا حبشی اسلام قبول کرنے کی غرض سے آیا تو آپ نے اس کے ساتھ کوئی برا سلوک نہیں کیا۔ جیسا کہ صحیح بخار میں ذکر ہے:

....قَالَ: حَتَّى قَدِمْتُ عَلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا رَآنِي قَالَ: «آنْتَ وَحْشِيٌّ». قُلْتُ نَعَمْ .قَالَ: «أَنْتَ قَتَلْتَ حَمْزَةَ». قُلْتُ قَدْ كَانَ مِنَ الأَمْرِ مَا بَلَغَكَ.قَالَ: «فَهَلْ تَسْتَطِيعُ أَنْ تُغَيِّبَ وَجْهَكَ عَنِّي».قَالَ فَخَرَجْتُ....(۲۰)

.... حبشی کہتا ہے جب میں پیغمبر اسلام کی خدمت میں پہنچا اور آپ نے مجھے دیکھا تو دریافت فرمایا، کیا تمہارا ہی نام وحشی ہے؟ میں نے عرض کیا کہ جی ہاں۔ آپ نے فرمایا: کیا تم ہی نے حمزہ کو قتل کیا تھا؟ میں نے عرض کیا، جو نبی کریم کو اس معاملے میں معلوم

toobaa-elibrary.blogspot.com

ہے وہی صحیح ہے۔آپ نے اس پر فرمایا : کیا تم ایسا کر سکتے ہو کہ اپنی صورت مجھے کبھی نہ دکھاؤ؟انہوں نے بیان کیا کہ پھر میں وہاں سے نکل گیا....

یہ حقیقت ہے کہ پیغمبر اسلام کی سیرت انسانیت کے احترام، اس کے حقوق کی حفاظت اور انسانیت پسندی کا اعلیٰ نمونہ ہے۔آپ فرماتے تھے کہ ''اگر میں کسی پر ظلم کا مرتکب ہوا ہوں تو وہ بدلہ لے سکتا ہے۔''(۲۱)دنیا کے سارے انصاف پسند اور تاریخ اقوام عالم پر گہری نظر رکھنے والے دانشوران یہ تسلیم کرتے ہیں کہ اسلام امن کا مذہب ہے اسلام دین رحمت و فطرت ہے،اس کے فطری تقاضے ہمیشہ انسانیت کی حفاظت کرتے ہیں۔اسلام اپنے آغاز سے ہی سراپا رحمت ہے پیغمبر اسلام کے اخلاق کے سامنے ظلم وعدوان کی تاریکیاں کافور ہو گئیں۔تاریخ کے وسیع اور گنجلک صفحات میں ایسے اخلاقی نمونوں اور اس کے بہترین مظاہر کی بھرمار ہے جس میں انسانیت نوازی، رحم دلانہ کیفیت اور نرمی و آشتی کے واضح نقوش ثبت ہیں۔ فتح مکہ کا وہ واقعہ ناقابل فراموش ہے۔ قیدیوں کا ایک ایسا گروہ جس میں مسلمانوں پر تشدد کرنے والے بھی تھے، پھبتیاں کسنے والے بھی، قاتل بھی تھے اور ظالم بھی فتح مکہ کے دن وہ تمام اسیران اپنے متعلق فیصلے کے منتظر تھے لیکن چشم فلک نے دیکھا کہ آپ نے فقط انسانیت کے ناطے ان کے وہ تمام جرائم جو ناقابل عفو تھے معاف کر دیئے اور یہ اعلان کر دیا کہ جاؤ تم پر کوئی الزام نہیں، تم آزاد ہو۔

صنفی امتیاز:

پیغمبر اسلام کی سیرت کا ایک گوشہ جس پر بات چیت اور کلام کی گنجائش ہے وہ صنفی امتیاز ہے۔پیغمبر اسلام نے اپنی زندگی میں خواتین کے حقوق کے حوالے سے بہت سارے اقدامات ایسے کئے جن پر بحث و مباحثہ اور موجودہ دنیا کے لئے نمونہ عمل کے طور پر پیش کیا جانا ضروری ہے۔اعلانِ رسالت سے قبل خواتین کو کوئی عزت نہیں دی جاتی تھی۔ باپ کی منکوحہ بیٹے کی ملکیت سمجھی جاتی تھی۔ جس طرح مال واسباب کی تجارت ہوتی تھی بعینہ خواتین بھی تجارتی جنس کے طور پر بیچی جاتی تھی۔آپ نے اس عمل کی سختی سے بیخ کنی کی اور اپنی چہیتی بیٹی حضرت فاطمہ کو وہ مقام عطا فرمایا کہ آپ سے قبل اس قسم کا تصور بھی محال تھا۔ایک ایسے ماحول میں جہاں بیٹی کا پیدا ہونا ہی باعثِ ننگ و عار سمجھا جاتا تھا وہی آپ نے اپنی بیٹی کے لئے کھڑے ہو کر استقبال کرنا سیکھایا، بیٹی کے ساتھ محبت و الفت کی باریکیاں بتلادی اور

toobaa-elibrary.blogspot.com

رحمت قرار دیتے ہوئے انسانیت کے لئے باعث فخر بتایا۔ سیرت کا یہ پہلو آج کی جدید دنیا کے لئے نمونہ عمل اور جدید تفہیم کا طالب ہے۔ گو کہ آج کی متمدن دنیا خواتین کے حقوق کے حوالے سے بڑے بڑے دعوے کرتی نظر آتی ہے لیکن آج سے چودہ سو سال قبل پیغمبر اسلام کی سیرت میں اس قسم کے نمونے بکثرت ملتے ہیں۔ مگر دنیا نے اُن نمونوں کو صرف واقعاتی نظر سے دیکھا ہے۔ اپنی نجی زندگی میں عمل کرنے کی جستجو نہیں کی گئی۔ یہی وجہ ہے کہ آج کی دنیا میں بعض خطوں میں خواتین کا احترام اس قدر مضبوط نہیں جس قسم کا ہونا چاہیے۔ خود مسلم معاشروں میں بھی آج کی عورت مظلوم اور بے کس اور ماتحت ہے۔ عورت کو آزادی دینے کی روش آج تک پیدا نہیں کی گئی۔ عورت کو صرف خدمت گزار کے روپ میں دیکھنے کی سعی کی گئی۔ جبکہ اسلامی تعلیمات اور پیغمبر اسلام کی سیرت کے نقطہ نظر سے عورت نظام معاشرت کی بقاء کی سب سے مضبوط فصیل ہے۔

خون ریزی:

پیغمبر اسلام کی سیرت پر ایک بڑا اتہام خون ریزی ہے۔ اس لفظ کو ایسے عامیانہ انداز میں استعمال کیا جاتا ہے جو خونِ ناحق اور خونِ برحق کی تمیز مٹا ڈالتا ہے۔ اس الزام کے ضمن میں معاہدہ شکنی، دھوکہ دہی اور سفاکی جیسی گھاؤنی تہمتیں بھی لگائی جاتی ہیں۔ یہ درست ہے کہ عہد نبوی میں جنگیں ہوئیں جن میں طرفین کے افراد کام آئے۔ لیکن ان میں سے کوئی جنگ اس لئے نہیں ہوئی کہ اسلام کو خون ریزی مطلوب تھی۔ جنگ بدر تا جنگ احزاب ساری کی ساری جنگیں مدافعانہ تھیں۔ سب کی سب جنگیں یا تو مدینہ کے قریب یا خود مدینہ میں لڑی گئیں۔ مقام جنگ اس بات کا ثبوت ہیں کہ حملہ آور مخالفین اسلام تھے جو اسلام کو مٹانے کے ارادے سے آئے تھے۔ مدافعت کا حق دنیا کا ہر قانون تسلیم کرتا ہے۔ خود عیسائی کتب مقدسہ اس حق سے انکار نہیں کرتیں۔ عہد نامہ قدیم کی رو سے فیصلہ کیا جائے تو پورا مشرک عرب گردن زدنی قرار پائے گا۔ خود عہد نامہ جدید کی رو سے مسلمانوں کو مدافعت کا پورا پورا استحقاق میسر تھا۔ ہم دیکھتے ہیں کہ آخری ایام میں حضرت عیسیٰ نے اپنے حواریوں کو مسلح ہونے کی تلقین فرمائی تھی۔ یہ تلقین یقیناً مدافعت کے لئے تھی۔ چنانچہ اندازہ ہوتا ہے کہ شاگردوں نے اس تلقین پر عمل پیرا ہونا شروع کر دیا تھا۔ اناجیل میں تلوار یا مدافعت کا عمومی طور پر کوئی ذکر نہیں لیکن حضرت عیسیٰ کی گرفتاری

toobaa-elibrary.blogspot.com

کے موقع پر نہ صرف شاگردوں کے پاس تلوار نظر آتی ہے بلکہ ایک شاگرد حضرت کی مدافعت میں حملہ آور ہوتے بھی نظر آتا ہے:

''اور دیکھو یسوع کے ساتھیوں میں سے ایک نے ہاتھ بڑھا کر اپنی تلوار کھینچی اور سردار کاہن کے نوکر پر چلا کر اس کا کان اڑا دیا اور یسوع نے کہا کہ اپنی تلوار میان میں کر لے کیونکہ یہ تلوار کھینچتے ہیں وہ سب تلوار سے ہلاک کئے جائیں گے۔''(۲۲)

اس سے یہ تو ثابت ہے کہ یسوع کے شاگرد ہتھیار بند ہونے لگے تھے اور ان میں سے ایک نے مدافعت میں پیش قدمی بھی کی۔ لیکن امن عامہ کے پیش نظر حضرت عیسیٰ نے اسے روک دیا کہ گیارہ شاگردوں کی مدافعت قطعی بے اثر ہوتی اور اسے رومی حکومت بغاوت کا رنگ دے کر بے گناہ عوام کا قتل عام کر ڈالتی۔ پیغمبر اسلام کی ان مدافعتی جنگوں کے بعد دیگر جنگیں بھی جارحیت نہ تھیں بلکہ وقت کی ضرورت تھیں۔ فتح مکہ قریش کی عہد شکنی کا نتیجہ تھی جو بلا خون ریزی کے حاصل ہوئی اور فتح کے بعد بجائے خون ریزی کے دشمنوں کو امن و سلامتی کا تحفہ عطا ہوا اور ساتھ ہی دنیا کی تاریخ کا ایک انوکھا واقعہ ہوا کہ مفتوح خود فاتح افواج کے ساتھ شامل ہو کر انتہائی جوش و خروش کے ساتھ مشترکہ دشمن کے خلاف جنگ میں حصہ لینے اور اپنی جانیں قربان کرنے لگے۔ جنگ حنین بھی مدافعتی جنگ تھی۔ صحرائی قبائل اور طائف کے باشندوں نے اجتماع کر کے بلا کسی جواز کے مکہ پر حملہ کرنے کا منصوبہ بنایا۔ یہ منصوبہ اس قدر اشتعال انگیز تھا کہ مسلمانوں کے لئے تو تھا ہی خود مشرکین مکہ کے لئے بھی ناقابل برداشت تھا۔ چنانچہ مسلمانوں کے ساتھ ساتھ مشرکین مکہ بھی رضاکارانہ اس جنگ میں شریک ہوئے۔

فتح مکہ کے بعد قبائلی وفود کی آمد شروع ہوئی، جنہوں نے اطاعت قبول کر لی۔ اس کے بعد عرب میں اسلام کی عملی مخالفت ختم ہو گئی۔ اس دور میں جتنی مہمات قبائل کی طرف روانہ کی گئیں ان کی نوعیت تادیبی کارروائیوں کی تھی۔ ان مہمات میں شرکاء کی تعداد دس سے لے کر تین سو تک پائی جاتی ہے۔ اس قلیل تعداد کی مہم سے جنگ کا تصور تک نہیں پیدا ہو سکتا۔ اس دور میں صرف ایک جنگی مہم تبوک کی نظر آتی ہے جس کے شرکاء کی تعداد تیس ہزار بیان کی جاتی ہے لیکن یہ مہم بھی جارحانہ نوعیت کی نہ تھی کیونکہ اطلاع ملی تھی کہ سرحد پر روم کی افواج مجتمع ہو رہی ہیں اور جب لشکر تبوک پہنچا تو وہاں دشمن

toobaa-elibrary.blogspot.com

کا کوئی اجتماع نہ پا کر واپس آگیا۔ اگر یہ اقدام مدافعتی نوعیت کا نہ ہوتا تو پر امن طور پر واپسی کے بجائے شام کی طرف پیش قدمی ہونی چاہیے تھی۔

خون ریزی جو ناحق و بدونِ استحقاق کی جائے بلا شبہ ایسا فعل ہے جسے سراہا نہیں جاسکتا۔ لیکن باطل کی قوت سے ٹکرانا اور اسے بزورِ بازو دفع کرنا اور حق کے لئے سینہ سپر ہو جانا خون ریزی کی تعریف میں نہیں آتا اگر یہ بھی خون ریزی کی تعریف میں آتا ہے تو بلا استثنیٰ عہد نامہ قدیم کے تمام کردار متہم ہوں گے۔ دونوں عہد ناموں کا خدا ایک ہی ہے۔ عہد نامہ قدیم میں وہ رب الافواج ہے۔ نہ صرف جنگ کا حکم دیتا ہے بلکہ خود بھی اس میں حصہ لیتا ہے۔ جوشِ مخالفت میں کیا خود اپنے خدا کو مہتم کرنے کی حماقت کی جاسکتی ہے؟ خدا کا حکم ابدی ہوتا ہے اور عام ہوتا ہے۔ اگر وہ حضرت موسیٰ، حضرت داؤد اور حضرت سلیمان کو اذنِ جہاد دیتا ہے تو یہی اذنِ جہاد پیغمبر اسلام کے لئے کیوں باعث تعجب ہے۔

جنگ اور امن:

پیغمبر اسلام کی زندگی میں جنگیں بہت کم اور امن کا چرچا زیادہ رہا۔ آپ نے قریب ۲۶ یا ۲۷ غزاوات میں حصہ لیا اور آپ کی سرپرستی میں ۵۶ سریہ واقع ہوئے۔ ان جنگوں میں اتنے آدمی قتل نہیں ہوئے جس قدر جنگ عظیم اول اور دوم میں قتل ہوئے۔ پیغمبر اسلام کی آدھی سے زیادہ زندگی اسلامی تبلیغات اور پر امن جدوجہد پر مبنی ہے۔ مکی زندگی جو ۵۳ سال پر محیط ہے میں آپ کو یا تو اسلام کی تبلیغ کرتے ہوئے دیکھا گیا یا غریب اور نادار افراد کی مدد کرتے ہوئے۔ کبھی مسلح جدوجہد کی کوشش نہیں کی۔ اعلانِ بعثت کے وقت آپ کے ساتھ لوگوں کی تعداد بھی بہت کم تھی۔ آپ کی شریک حیات جو ہمیشہ آپ کے ہم رکاب رہیں وہ بھی اسلامی تعلیمات کی تبلیغات میں آپ کے ہم پلہ رہیں۔ لہٰذا مکی زندگی میں آپ کی روش امن و سلامتی اور اسلام کی تبلیغ کی تھی۔ البتہ مدنی زندگی جو ۱۰ سالہ کے عرصے پر محیط ہے، میں آپ جہاد کے لباس میں ضرور نظر آئے۔ لیکن یہ دور بھی جنگی چپقلش سے زیادہ امن و سلامتی کی طرف راغب ہونے کی ایک کوشش کے طور پر دیکھا گیا۔ آپ اگر جنگ بدر لڑنے نکلتے ہیں تو اپنے ساتھیوں کو برابر پند و نصائح کرتے نظر آتے ہیں کہ خبردار عورتوں، بچوں اور بزرگوں پر ہاتھ مت اُٹھانا، جو زخمی ہے ان کو قتل مت کرنا اور جو جنگ سے فرار اختیار کر رہا ہے اُس کا پیچھا مت کرنا۔ جنگ کے آغاز سے لے کر اختتام تک

toobaa-elibrary.blogspot.com

آپ کی طرف سے مسلسل امنیت اور سلامتی کا اظہار ہو رہا ہے۔ یہاں تک مخالفین میں سے جو لوگ قتل ہوئے تھے اُن کی لاشوں کی بے حرمتی کی بھی سختی سے ممانعت کی اور مسلمانوں کو خبردار کیا کہ زمانہ جاہلیت کی روش اسلامی زندگی میں بالکل بھی روا نہیں ہے۔ اسلام اُن تمام خبیثانہ حرکات کی نفی کرنے آیا ہے جو آج سے قبل عام تھیں۔ جنگ کے اختتام پر مخالفین میں سے جو لوگ قیدی بنائے گئے تھے ان کی رہائی کی دیت تعلیم و تعلم رکھا اور مسلمانوں کو حکم دیا کہ ان مخالفین میں سے جس کو بھی پڑھنا لکھنا آتا ہے وہ مسلمانوں کو پڑھائے اور اپنی خلاصی کا پروانہ لے کر جائے۔ پیغمبر اسلام کی یہ رحمت والی روش شاید آج کی متمدن دنیا میں بھی ممکن نہیں ہے۔ آج کے دور میں پیغمبر اسلام کی پیروی کرنے کے دعویدار شدت پسند قیدیوں کو نہ صرف اذیتیں دیتے ہیں بلکہ اُن کے سر قلم کرنے سے بھی دریغ نہیں کرتے۔ پیغمبر اسلام کی اس روش کو قابل فہم بنانے کے لئے پھر سے سیرت کی کتابوں کو زیر مطالعہ رکھنا ہوگا اور آپ کے اُن تمام واقعات کو درجہ بدرجہ بیان کرنا ہوگا کہ جن سے انسانیت کا اظہار ہوتا ہے، امن و سلامتی کا اظہار ہوتا ہے اور نرمی دلی کا اظہار ہوتا ہے۔ بلاشبہ سیرت کے اس پہلو کو جدید تقاضوں سے ہم آہنگ کرنے کی ضرورت ہے۔ مخالفین کو تنقید کرنے سے پہلے تحقیق کی طرف توجہ دینے کی ضرورت ہے۔ چند ایک جنگی واقعات کو بنیاد بنا کر پیغمبر اسلام کی شخصیت کو قابل نقد و جرح قرار دینا یک طرفہ روش کا اظہار ہے۔ اسی طرح اسلام کے حامیوں کو بھی اس بات پر غور کرنے کی ضرورت ہے کہ اسلام اور پیغمبر اسلام کی تعلیمات میں جنگ سے زیادہ امن کی طرف توجہ دی گئی ہے اور مسلمانوں کو تشویق دلایا گیا ہے کہ انسانیت کی خدمت اور محافظت اسلام کے اعلیٰ اصولوں اور قوانین میں سے ہے۔ کسی ایک بے گناہ انسان کا قتل پوری انسانیت کا قتل ہے اور کسی ایک انسان کی جان بخشی پوری انسانیت کی محافظت ہے۔ ایسے اعلیٰ اصولوں اور قوانین کے ہوتے ہوئے اپنی جنگی روش کا اظہار سیرت پیغمبر اسلام سے بے زاری کی علامت ہے پیروی کی نہیں۔

غیر مسلموں سے روابط:

صلح حدیبیہ کے بعد پیغمبر اسلام نے شاہانِ عالم کے نام تبلیغی خطوط اپنے سفیروں کے ہاتھ روانہ کئے۔ ایک طرح سے آپ کا یہ اقدام بین الاقوامی تعلقات کی طرف پہلا قدم تھا۔ جن بادشاہوں کو آپ نے خطوط لکھے ان میں نجاشی، مقوقس، ہرقل اور کسریٰ سرفہرست تھے۔ ان خطوط کے جواب میں مختلف

toobaa-elibrary.blogspot.com

بادشاہوں کی طرف سے مختلف ردِ عمل سامنے آیا۔ بعض نے عزت واحترام اور باہمی جذباتیت کا اظہار کیا جبکہ چند ایک نے تعلقات کی طرف قدم بڑھانے کے بجائے اپنی انا پرستی کا اظہار کیا۔ والی مصر مقوقس نے متعدد تحائف سمیت دو معزز قبطی خواتین بھی بھیجیں۔ جن میں سے ایک ام المومنین حضرت ماریہ قبطیہ تھیں۔ بادشاہِ مصر نے ان خواتین کو کنیزوں کے روپ میں بھیجا تھا لیکن پیغمبر اسلام کی سیرت کا کمال یہ ہے کہ ان میں سے ایک مسلمانوں کی ماں (اُم المومنین) بن گئیں یعنی پیغمبر اسلام نے اپنی زوجیت میں لے لی جبکہ دوسری صحابیہ رسول بن گئیں۔ اب رہی یہ بات کہ ان خطوط کا متن کیا رہا ہو گا تو واضح رہے کہ پیغمبر اسلام کا مشن اسلام کی تبلیغ تھا۔ قرآن کے الفاظ میں مقصد بعثت اور مدعائے نزولِ قرآن یہ تھا:

لِّيُنذِرَ مَن كَانَ حَيًّا وَيَحِقَّ الْقَوْلُ عَلَى الْكَافِرِينَ (۲۳)

متنبہ کر و ہر اُس شخص کو جو زندہ ہو اور ثابت ہو بات منکروں پر

لہٰذا اگر شاہانِ عالم کو تبلیغی خطوط تحریر نہ ہوتے تو تبلیغ کا حق ادا نہ ہوتا اور باہمی تعلقات کی راہ نہیں کھلتی۔ جب مشن ہی تبلیغِ حق تھا تو ان خطوط کی نوعیت تبلیغی کے سوا اور کچھ نہیں ہو سکتی۔ دیکھنا یہ ہے کہ آخر بادشاہوں کو دعوتِ حق دینے میں کیا امر مانع ہو سکتا تھا۔ جلالِ شاہی، اجنبیت، فاصلے، معاشرتی تفاوت، انتقامی کاروائی کا خدشہ، یہی تو وہ کیفیات ہو سکتی ہیں جو پیغامِ حق پہنچانے میں رکاوٹ بن سکتی تھیں لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ مذہبی سربراہ اس قسم کے ہر احساسِ کم تری سے بلند تر ہوتے ہیں۔ رعبِ شاہی انہیں اعلائے کلمۃ الحق سے باز نہیں رکھ سکتا۔ حضرت ابراہیم و نمرود، حضرت موسیٰ اور فرعون، حضرت دانیال اور بخت نصر، سمسون اور شاہ فلسطی، حضرت یحییٰ اور ہیرود، حضرت عیسیٰ اور پیلاطس ان میں سے ہر ایک کے درمیان سارے کے سارے تفاوت موجود تھے لیکن شاہوں کا جلال نبوت کی عظمت کو نہ گہنا سکا۔ ان کی فوجی طاقت اعلائے کلمۃ الحق کو روکنے سے قاصر رہی۔ ان کی انتقامی کارروائیوں کے خوف سے تبلیغ متاثر نہ ہوئی۔ جلالِ خداوندی کے آگے جلالِ شاہی گرد ہوتا ہے۔ معاشرتی تفاوت بے معنی سی شے ہو جاتی ہے کیونکہ حضوری اور معیت جو مقام عطا کرتی ہے اس کے آگے دنیا اور اس کا ہر معاشرتی نظام ہیچ نظر آنے لگتا ہے۔ پیغمبر اسلام کی اس روش سے ایک اور بات سمجھنے کی ضرورت ہے کہ ہمیشہ تعلقات برابری کی بنیادی پر ہونے چاہئیں۔ اعلیٰ اور برتر کی بنیاد پر قائم ہونے والے تعلقات کبھی مساویانہ نہیں

toobaa-elibrary.blogspot.com

ہوتے۔آپ نے اگرچہ تبلیغ کی غرض سے خطوط لکھے لیکن ان خطوط کے لب و لہجے سے معلوم ہوتا ہے کہ اگرچہ مخاطب کس قدر طاقت ور کیوں نہ ہو تعلقات ایک دوسرے کی خواہشات کے مطابق ہونے چاہئیں۔

فتح مکہ، جنگ حنین اور محاصرہ طائف کے بعد عرب کے گوشے گوشے سے خدمت نبوی میں وفود حاضر ہونے لگے۔ یہ سارے وفود ان عرب قبائل کے تھے جو مکمل طور پر دائرہ اسلام میں داخل نہ ہوئے تھے۔ گو ان سب کا مقصد اطاعت قبول کرنا تھا لیکن اپنی جاہلی حمیت کے باعث اطاعت قبول کرنے سے بیشتر کچھ نہ کچھ مراعات کے طلب گار تھے۔ چنانچہ وفد طائف نے جو مراعات حاصل کرنے کی کوشش کی ان میں یہ چیز بھی شامل تھی کہ کچھ عرصے کے لئے ان کے بتوں کو باقی رہنے دیا جائے اور ارکانِ عبادت میں انہیں رخصت دی جائے۔ اگرچہ پیغمبر اسلام نے ان کے مطالبات کو نہیں مانا لیکن ان وفود کی طرف سے اپنی مرضی کی شرائط پیش کرنا اس بات کی علامت ہے کہ آپ دبدبہ والے بادشاہ نہ تھے بلکہ ایک نرم دل اور انسانیت دوست انسان تھے جس کے سامنے کوئی بھی اپنے من کی بات کہہ سکتا تھا۔

پیغمبر اسلام کی سیرت میں تعلقات کی بنیاد انسانیت ہے۔ اگرچہ آپ کے خطوط اور ذاتی روش کا زیادہ تر رجحان تبلیغ دین ہے لیکن اس پہلو کو ہم رد نہیں کر سکتے کہ آپ انسانیت کی برابری کی بنیاد پر تعلقات چاہتے تھے۔

سادہ پرستی:

مخالفوں نے پیغمبر اسلام کے بارے میں یہ نظریہ عام کیا کہ ابتداء ہی سے مطمع نظر دنیاوی اقتدار تھا اور جب اقتدار میسر آگیا تو ممکنہ دادِ عیش دی۔ یہ دعویٰ اور نظریہ بنیادی طور پر بے حقیقت ہے۔آپ کا دورِ رسالت شروع ہوا تو عمر چالیس سال سے تجاوز کر چکی تھی۔ عیش پرستی کی عمر تو چالیس سال سے قبل کی ہوتی ہے۔اس کے بعد تو ایک عام شخص کے کردار میں بھی پختگی آجاتی ہے۔ بد کردار افراد کے کردار میں بھی ٹھہراؤ آجاتا ہے نیک کردار پختہ ہو جاتا ہے اور اس میں کسی کجی کی گنجائش نہیں رہ جاتی۔ تیرہ سالہ مکی دور معاندین کو بھی تاباں نظر آتا ہے۔ اس پورے دور میں ایک جانکاہ جدوجہد کے سوا کچھ بھی نہیں۔ ہجرت کے بعد کم از کم چھ سال یعنی صلح حدیبیہ تک بادِ مخالف کے تند و تیز طوفان اٹھتے رہے، جنہوں نے

toobaa-elibrary.blogspot.com

سکون درہم برہم کرر کھا تھا۔ ایک طرف معاشرے کی تطہیر و تعمیر، دوسری جانب قلیل وسائل کے ساتھ اس جدید معاشرے کا اندورنی اور بیرونی خطرات سے دفاع ایسے مشاغل تھے جو ایک لمحے کی مہلت نہ دیتے تھے۔ صلح حدیبیہ ہی سیرت طیبہ کا وہ سنگ میل ہے جس کے بعد حالات پوری طرح قابو میں نظر آتے ہیں۔ اس وقت آپ کی عمر انسٹھ سال کی ہو چکی تھی۔ اگر کسی عیش و عشرت کا امکان ہو سکتا ہے تو اس کے بعد کے آخری ایام میں لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ یہ آخری ایام بھی شدید جدوجہد کے ایام ہیں۔ فتح خیبر، فتح مکہ، جنگ حنین، محاصرہ طائف، غزوہِ تبوک، کئی چھوٹی مہمات، وفود عرب، حجۃ الوداع، جیشِ اسامہ کی تیاری، یہ سب آخری برسوں کی مصروفیات ہیں۔ نہ جانے ان ایام میں معاندین کو عیش و عشرت کے کون سے آثار ملے جن کی بنیاد پر انہیں اس دعوے کی جرأت ہوتی ہے۔

عہد نبوی کے تمام راوی، ابتدائی مورخین و محدثین و سیرت نگار اس امر پر متفق ہیں کہ پیغمبر اسلام کی زندگی سادگی کا پیکر تھی۔ تمام گھریلو کام خود انجام دیتے تھے۔ اپنا لباس خود پیوند کرتے، اپنے نعلین کی خود مرمت کر لیتے، گھر میں امہات المومنین خود اپنے ہاتھوں سے کام کاج کرتیں۔ دختر دلبند کے ہاتھ چکی پیسنے سے خوں چکاں رہتے۔ رہائش گاہ پختہ نہ تھی۔ سخت اور کھردرے بستر پر آرام فرماتے۔ کھجور کی چھال بھرا تکیہ اور گدّا سامانِ راحت تھا۔ کھجور کی چٹائی فرشِ استراحت تھی۔ کبھی شاہانہ لباس استعمال نہ کیا۔ ریشم کو نہ صرف اپنی ذات بلکہ تمام مسلمان مردوں کے لئے ممنوع قرار دیا۔ اوڑھنے کے سامان میں ہمیشہ کالی کملی کا ہی تذکرہ کیا گیا ہے۔ سفر کے لئے صرف ایک خیمہ تھا۔ غسل خانے میں صرف ایک برتن پتھر کا اور ایک ٹب لکڑی کا تھا۔

پیغمبر اسلام کی سادگی کا تعلق مسلم معاشرے کی تشکیل سے تھا۔ آپ کے لئے ممکن نہ تھا کہ آپ اپنی غریب رعایا کو مفلوک الحال صورت میں دیکھتے ہوئے عیش و عشرت کی زندگی بسر کریں۔ سادگی کو اپنا شعار بناتے ہوئے آپ نے اُس وقت کے حالات کو ان لوگوں کے لئے نمونہ عمل بنایا بلکہ آج کے انسانوں کے لئے بھی یادگار تقلید چھوڑی۔ آج ہم کہہ سکتے ہیں کہ پیغمبر اسلام کی سیرت میں جابجا ایسے گوشے ہیں جن کی تفصیل، تشریح اور تفہیم کی ضرورت ہے تاکہ آج کی بھٹکتی ہوئی انسانیت کو یک گونہ سکون مل جائے اور زندگی گزارنے کے طور طریقے میسر آسکیں۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

حوالہ جات

(۱) یزدانی، مولانا محمد حنیف، محمد رسول اللہ غیر مسلموں کی نظر میں، مکتبہ نذیرہ، لاہور، ۱۹۹۶ء، ص: ۱۹۵

(۲) Grunebaum Gustave E. Von, Medieval Islam A Study in Cultural Orientation, 2nd Edition, The University of Chicago Press, Chicago, 1971, Pg:43

(۳) Kraemer,Hendrik,the Christian Message in a Non-Christian World, Centre for Contemporary Christianity, 2009, Pg: 138

(۴) Watt, William Montgomery, Truth in the Religions, Oneworld Publications, London, 1995, Pg: 28-29

(۵) Carlyle,Thomas, On Heros, Hero-worship and the Heroic in History, The Pennsylvania State University, USA, Pg: 64-65

(۶) Tuner ,Bryan, Understanding Islam, Ashgate Publishing,New York Pg:19

(۷) Weber,Max, The Sociology of Religion,1920, United States,Pg:47

(۸) Nicholson Reynold A, The Koran (Qur'an) - with an Introduction, Translator: E. H. Palmer, 1928, Pg:128

(۹) Carlyle ,Thomas, On Hero Worship, and the Heroic in the Hisrory, Harvard College Library, London, 1840, Pg: 52

(۱۰) Ibid, Pg: 64

(۱۱) Pg:50

(۱۲) Stubb,Henry, Rise and Progress of Mahometanism ,Publisher,Luzak,Co London, 1911, Pg: 143

(۱۳) یزدانی، مولانا محمد حنیف، محمد رسول اللہ غیر مسلموں کی نظر میں، محولہ بالا، ص: ۲۰۱

(۱۴) Hart Michael H, The 100 A Ranking Of The Most Influential Persons in History, Carol Publishing group, New York, 1993, Pg: 4

(۱۵) سورہ آل عمران، آیت: ۱۰۴

toobaa-elibrary.blogspot.com

(۱۶) سورہ انبیاء، آیت: ۱۰۷

(۱۷) Watt,William Montgomery, What is Islam, Oxford University Press London, 1980, Pg: 229

(۱۸) Toynbee Arnold Joseph, A Study of History, Vol. III, Oxford University Press, London, 1971, P:472

(۱۹) Hart, Michael H, The 100: A Ranking of The Most Influential Persons in History, Carol Publishing Group, New York, 1993, Pg:3

(۲۰) ابی عبداللہ محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، کتاب المغازی، باب: قتل حمزہ، رقم الحدیث: ۴۰۷۲، دار طوق النجاۃ، بیروت، ۱۴۲۲ھ

(۲۱) ابی داؤد سلیمان بن الاشعث الازدی، سُنن ابی داؤد، رقم الحدیث: ۲۱۳۴، دار الرسالۃ العالمیۃ، دمشق، الطبعۃ الاولیٰ، ۱۴۳۰ھ بمطابق ۲۰۰۹ء

(۲۲) متی ۲۶، ۵۱-۵۲

(۲۳) سورہ یٰسین، آیت: ۷۰

toobaa-elibrary.blogspot.com

باب سوم:

حقوقِ انسانی کا تصورِ جدید اور اسلامی تصور کا تقابل

عہد حاضر میں انسانی حقوق کے موضوع کی اہمیت وافادیت اور اس کی ضرورت سے انکار ممکن نہیں ہے اس وقت دنیا کا موضوع بحث انسانی حقوق ہے اس بات میں کوئی شک نہیں کہ اسلام اور مغرب دونوں کے نزدیک انسانی حقوق کی اہمیت ہے لیکن دونوں کا زاویہ نظر بنیادی طور پر مختلف ہے، اسلام انسانی حقوق کو عبد اور معبود کے نقطہ نظر سے دیکھتا ہے اور مغرب کا نقطہ نظر سیکولر ہے وہ انسانی حقوق کو ریاست اور اسکے شہری ہونے کی حیثیت سے دیکھتا ہے جبکہ اسلام میں حقوق کا تعین اللہ تعالیٰ اور اسکے رسول کرتے ہیں اور ان میں کسی طرح کی تبدیلی ممکن نہیں ہے، مغرب کے نزدیک حقوق کا تعین حکمران یا قانون ساز ادارہ کرتا ہے اور ان قوانین میں تبدیلی ممکن ہے۔اس بنیادی فرق کے تناظر میں آج بین الاقوامی انسانی حقوق کے منشور کی کئی دفعات اسلامی قوانین سے متصادم نظر آتی ہیں مثلا اسلامی سزائیں مغرب ان اسلامی سزائوں کو حقوق انسانی کے خلاف سمجھتا ہے اور اسلام بھی عالمی منشور کی چند دفعات کو غیر اسلامی قرار دیتا ہے لہذا ان دونوں کے باہم بعض قوانین میں ہم آہنگی ناممکن ہے لہذا آج ان اختلافی قوانین کو نمایاں کر کے تصادم کی فضا قائم کرنے کے بجائے جو دفعات مشترکہ ہیں ان پر مل کر عمل درآمد کرانا آج کی اہم ضرورت ہے۔

انسانی حقوق کا مفہوم:

یہ ایک حقیقت ہے کہ انسان تنہا زندگی نہیں گزار سکتا ہے لہذا وہ اپنی بقا کے لئے اپنے جیسے دوسرے انسانوں کے ساتھ مل جل کر رہنے پر مجبور ہے۔انسان اپنی پیدائش سے مرنے تک متعدد انسانوں کی خدمات اور سہاروں کا محتاج ہے۔اپنی پرورش، خوراک، لباس، رہائش اور تعلیم و تربیت کی ضروریات ہی کے لیے نہیں بلکہ اپنی انفرادی صلاحیتوں کے ارتقا کے لیے بھی وہ اجتماعی زندگی بسر کرنے

toobaa-elibrary.blogspot.com

پر مجبور ہے. خاندان، برادری، محلے، شہر اور بحثیت مجموعی پوری نوع انسانی تک پھیلے ہوئے۔ تعلقات کے یہ چھوٹے بڑے دائرے اس کے حقوق و فرائض کا تعین کرتے ہیں۔

ماں، باپ، بیٹے، شاگرد، استاد، مالک، ملازم، تاجر، خریدار، شہری اور حکمران کی بے شمار مختلف حیثیتوں سے اس پر کچھ فرائض عائد ہوتے ہیں اور ان فرائض کے مقابلے میں وہ کچھ متعین حقوق کا مستحق قرار پاتے ہیں۔ان حقوق میں بعض کی حیثیت محض اخلاقی ہوتی ہے۔ مثلا بڑوں کا حق ادب، چھوٹوں کا حق شفقت، ضرورتمند کا حق امداد، مہمان کا حق تواضع وغیرہ اور بعض حقوق کو قانونی تحفظ حاصل ہوتا ہے۔ مثلا حق ملکیت، حق اُجرت، حق مہر اور حق معاوضہ وغیرہ۔ لیکن جب انسان کو فطری حقوق کے تحفظ کے لیے خطرہ لاحق ہوا تو اس نے معاشرتی زندگی اختیار کی۔ لہٰذا معاشرے کا وجود انسان کے فطری حقوق کے تحفظ کے جذبے کا مرہون منت ہے۔اسی بنا پر معاشرے کا یہ فرض گردانا گیا کہ وہ انسان کے فطری حقوق کا تحفظ کرے۔ چناچہ ان فطری حقوق کو بنیادی انسانی حقوق کا نام دیا گیا ہے۔(۱) چونکہ انسان اس دنیا میں تنہا نہیں رہ سکتا، وہ دوسروں کے ساتھ مل جل کر رہنے پر مجبور ہے، اپنی ضروریاتِ زندگی کی تکمیل اور آفات و مصائب کے ازالہ کے سلسلہ میں دوسرے انسانوں کے تعاون کا محتاج ہے، اس قضیہ کے پیش نظر ہر انسان کا یہ عقلی و طبعی حق بنتا ہے کہ دوسرا اس کی مدد کرے، اس کے حقوق و فرائض کا لحاظ رکھے۔

انسانی حقوق کا ارتقاء مغربی نقطہ نگاہ میں:

اہل مغرب بنیادی انسانی حقوق کے تصور کی ارتقائی تاریخ کا آغاز پانچویں صدی قبل مسیح کے یونان سے کرتے ہیں لیکن اس دعویٰ کو ہم اس لئے قبول نہیں کر سکتے کہ اس سے قبل بھی حمورابی تہذیب اپنے پورے آب و تاب کے ساتھ موجود دیکھائی دیتی ہے۔انسانی معاشرت سے بھرپور ان کی زندگی اس بات کی علامت تھی کہ وہاں ملکی انتظام انصرام کے قوانین سمیت انسانی حقوق کا مکمل وجود تھا۔ اُن کے حاکم (حمورابی) اپنی رعایا کو ہر اُس حق سے مستفیض رکھنا جانتے تھے کہ جو اُن کے زندہ رہنے کے لئے ضروری تھا۔ بلا شبہ مورخین کی اس بات کو تسلیم کرنا ہوگا کہ جہاں ایک طرف رومن دور اپنے تہذیبی و تمدنی ارتقاء کی وجہ سے نمایاں ہے وہی اس سے قبل حمورابی دور کی تہذیب کو نظر انداز کرنا ممکن نہ ہو سکے گا۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

یہاں پر یہ بات محلِ نزاع ہے کہ حمورابی تہذیب کے بانی کون تھے۔؟اہل علم حضرات نے حمورابی دور کی نسبت مختلف شخصیات کی طرف دی ہے۔ بعض دانشوروں کے نزدیک حمورابی دراصل نمرود تھا۔(۲)، البتہ یہ بات بھی متنازع رہے گی کہ حمورابی اور نمرود دو الگ الگ شخصیات تھیں یا ایک ہی شخصیت کے دو نام ہیں۔ چونکہ یہ ہمارے موضوع بحث سے خارج ہے اس لئے ہم اصل مدعا کی طرف توجہ دیتے ہوئے اس بات کا دعویٰ کریں گے کہ حمورابی تہذیب میں بھی انسانی حقوق کا تصور بڑا واضح اور انسانی اقدار کے قریب تھا۔انٹرنیشنل اسٹینڈرڈ بائبل انسائیکلو پیڈیا آن لائن نے ۲۱۰۰ قبلِ مسیح قرار دیا ہے۔(۳)جبکہ انسائیکلوپیڈیا برٹینکا کا کہنا ہے کہ حمورابی کا زمانہ ۲۰۶۷ سے ۲۰۲۵ قبلِ مسیح تک پھیلا ہوا ہے۔(۴)

معلوم ہوتا ہے کہ دو ہزار سال قبل مسیح انسانی اقدار اور حقوق کی بات بھی ہوتی تھی۔ یقیناً حمورابی کی ستائش اس لحاظ سے بھی اہم ہے کہ انہوں نے اپنی رعایا کے حقوق کے لئے قوانین وضع کئے، اُن کو زندگی کی آسائشوں سے قریب تر کر دیا۔ حمورابی کا قانونی، آئینی اور اخلاقی ضابطہ دنیا کا سب سے قدیم ضابطہ ہے۔ مورخین کے نزدیک بنی اسرائیل کے ضوابط اسی سے ماخوذ ہیں۔انجیل میں اس کا نام ام رافیل ''فرماں روائے شنار'' (سمیر) ہے۔ ضابطہ قوانین میں عدالت، کھیتی باڑی، آبپاشی، جہاز رانی، غالموں کی خرید وفروخت، آقا اور غلام کے تعلقات، شادی بیاہ، وراثت، ڈاکا، چوری وغیرہ سے متعلق قانون کے اصول بیان کیے گئے ہیں۔اُن کے قوانین اتنے سخت تھے کہ اگر بیٹا اپنے باپ کی حقِ پدری سے انکار کرتا تو اُس کو غلام بناکر فروخت کر دیا جاتا۔ ایک برطانوی ماہر ارضیات و پادری Claude Hermann Walter Johns لکھتے ہیں:

> If a son has said to his father, "You are not my father," he may brand him, lay fetters upon him, and sell him.(۵)
>
> اگر بیٹا اپنے باپ سے کہتا کہ آپ میرے باپ نہیں ہیں تو بیٹے کو پیروں تلے روندیا جاتا اور غلام کے طور پر بیچ دیا جاتا۔

یہ بات محل تعجب ہے کہ مغربی اہل علم کس بنیاد پر روم کو انسانی حقوق کا علمبردار قرار دے رہے ہیں؟ جبکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے قریب دو ہزار سال قبل انسانی حقوق کا تصور موجود تھا تو پھر صرف

toobaa-elibrary.blogspot.com

روم ہی کو انسانی حقوق کا بانی قرار دینا کہاں تک صحیح ہے یہ تو ماہرین خود فیصلہ کریں گے البتہ اپنے موضوعِ بحث کی وثاقت کے لئے ہم حمورابی دور کو انسانی حقوق کے بانی کے طور پر بیان کرتے ہیں۔ مورخین کے مطابق حمورابی دور میں ریاستی قوانین سمیت عائلی اور شہری قوانین کی پوری فہرست موجود تھی۔ جیسا کہ مورخین نے لکھا ہے:

> We definitely know of one great code of Laws, that of Hammurabi, and we are greatly strengthened in the view that there were laws and even codes, centuries before him.(٦)
>
> ہم جانتے ہیں کہ حمورابی نام کے دور میں (انسانی حقوق) کے قوانین موجود تھے۔ ہمیں یہ بھی اندازہ لگا سکتے ہیں کہ اس (حمورابی دور) سے صدیوں قبل بھی قوانین تھے یہاں تک کہ شقیں بھی موجود تھیں۔

اس حقیقت سے انکار ممکن نہیں ہے کہ حمورابی کے ضابطہ قانون کے اثرات غیر معمولی حد تک دیرپا اور دور رس ثابت ہوئے۔ جتنے بھی مذاہب اور ضابطہ ہائے قوانین اس کے بعد متشکل ہوئے، اس کے سائے سے ہٹ کر اپنا وجود قائم نہیں رکھ سکے۔ نہ صرف میسوپوٹیمیا کے عوام کی زندگیوں پر بلکہ آنے والے وقتوں میں مختلف تہذیبوں کے افراد کی زندگیوں پر بھی اس ضابطے نے اثرات مرتب کیے۔

حمورابی کے ضابطے میں پہلی بار سزاؤں کا عمل شواہد کی موجودگی کو ضروری قرار دے کر طے کیا گیا۔ ثبوت کی موجودگی کی بنیاد پر ہی فیصلے سنائے جاتے۔ اگر کوئی الزام عائد کر کے اسے ثابت نہ کر سکے تو الٹا اسی کو جرمانے کی سزا دی جاتی۔ اس ضابطے میں آنکھ کے بدلے آنکھ، دانت کے بدلے دانت اور ہاتھ کے بدلے ہاتھ کے اصول پر تعزیری قوانین کی بنیاد قائم تھی۔ عمارت اگر وقت سے پہلے سے منہدم ہو جاتی تو اسے تعمیر کرنے والا مالک کا نقصان پورا کرتا، اگر اس کے نیچے دب کر کوئی غلام، یا مالک کا بیٹا یا خود مالک ہلاک ہو جاتا تو اس کی سزا کے طور پر اسے تعمیر کرنے والے کا بالترتیب غلام، یا بیٹا یا خود اسے ہلاک کیا جاتا۔ اگر کوئی شخص کسی دوسرے کی بیٹی، بیوی یا بہن سے جنسی زیادتی کرتا تو اس کے بدلے میں دوسرے

toobaa-elibrary.blogspot.com

شخص کو یہ اختیار دیا جاتا کہ وہ اپنی بیٹی، بیوی یا بہن کے بدلے میں مجرم کی بیٹی، بیوی یا بہن سے مباشرت کرے۔(۷)

حمورابی دور کے بعد رومیوں کو یہ فوقیت حاصل ہے کہ انہوں نے پانچ سو سال قبلِ مسیح انسانی حقوق کے قوانین کا ادراک کر لیا تھا۔ البتہ یہ منفی نکتہ ضروری رہے گا کہ ان کے ہاں انسانی حقوق صرف معاشرے کے ممتاز اور خاص طبقے کے لیے تھے۔ دین مسیح کے پیروؤں کے ساتھ روم کی قدیم بادشاہتوں کا ظالمانہ رویہ انسانی معاشرے کے ساتھ ظلم و جارحیت کا ایک نمونہ ہے۔ پھر پانچویں صدی کے زوال پذیر روم سے اپنی سیاسی فکر کا رشتہ جوڑتے ہوئے ایک ہی زقند میں گیارویں صدی میں داخل ہو جاتے ہیں ۔ چھٹی سے دسویں عیسوی تک کا پانچ سو سالہ عہد ان کی مرتب کردہ تاریخ سے غائب ہے اس کی کیا وجہ ہو سکتی ہے ؟ شاید کہ یہ اسلامی عہد ہے۔(۸) دنیا کے مختلف علاقوں میں انسانوں کے حقوق سے بے اعتنائی آہستہ آہستہ ایک معمول کی چیز بن گئی۔ جنگ و خونریزی کے ایک دور کے بعد مختلف منشور اعلامیے اور دستاویزات تیار کی گئیں کہ جن کو تیار کرنے والوں نے انسانی معاشروں کے دکھوں کے مداوا کے لیے انسانی حقوق کی بات کی اور انہوں نے طے کیا کہ معاشرے کی زندگی کو ایک اصول کے تابع کیا جائے کہ جو فردی اور اجتماعی حقوق کا ضامن ہو۔

اس کی ارتقائی تاریخ کے بارے میں یہ بھی کہا جاتا ہے کہ جس وقت ایرانی بادشاہ کورش کبیر نے بابل پر حملہ کر کے اس پر قبضہ کیا اس کے بعد اس نے بخت نصر کے ہاتھوں قید کیے گئے افراد کو آزاد کر دیا اور اعلان کیا کہ ہر شخص مذہب کے معاملے میں بااختیار ہے اسے جو نظریہ اور مذہب پسند آئے اسے اختیار کر سکتا ہے اس کے علاوہ اس نے نسلی امتیاز کا خاتمہ کر کے تمام انسانوں کو مساوی قرار دیا ان کے اس عمل کو بعد کے ادوار میں مختلف زبانوں میں ترجمہ کر کے ریکارڈ کا حصہ بنایا گیا موجودہ دور میں فارس کے بادشاہ کے اس عمل کو انسانی حقوق کے پہلے عالمی دستاویز کے طور پر تسلیم کیا جاتا ہے اور اس کے تمام دفعات کو اقوام متحدہ کے چھ سرکاری زبانوں میں ترجمہ کیا گیا ہے اور اس کے متوازی دفعات انسانی حقوق کے عالمی اعلامیہ کے پہلے چار مضامین میں بھی شمار ہے۔ اس کے بعد انسانی حقوق کا یہ تصور ہندوستان، روم میں بھی بڑی سرعت کے ساتھ پھیلنے لگا وہاں کے لوگوں نے انسان کے فطری اور قدرتی حقوق پر عمل کرنے لگے

toobaa-elibrary.blogspot.com

جنہیں غیر تحریر شدہ قوانین کے طور پر یاد کیا جاتا ہے۔ رومی قانون قدرتی اور فطری چیزوں کی نوعیت سے حاصل عقلی خیالات پر مبنی تھی۔(۹)

بہر حال انسانی حقوق کا تصور اور اس کی تاریخ کے بارے میں یہ تصور دیا جاتا ہے کہ اس کا احساس جیسے آج ہے، اس سے پہلے نہیں تھا۔ انسانوں کی اکثریت اپنے بنیادی حقوق سے محروم تھی اور ظلم کی چکی میں پس رہی تھی۔ کبھی کہیں سے کوئی آواز اٹھتی بھی تو طاقت ور طبقات کے مضبوط ہاتھ اسے دبانے میں کامیاب ہو جاتے۔ اس کی آزادی کا صحیح معنوں میں احساس مغرب کو ہوا اور مغرب ہی نے اس کا واضح تصور دیا۔ کہا جاتا ہے کہ فرانس کے الفانسو شاہ نہم نے یہ قانون منظور کیا یا اس سے منظور کرایا گیا کہ کسی کو بلا وجہ قید نہیں کیا جا سکتا۔ دوسرے لفظوں میں حبسِ بے جا کو کالعدم قرار دیا گیا۔ اسے انسانی حقوق کی تاریخ میں بہت بڑا اقدام سمجھا جاتا ہے۔ پھر اس کے بعد فرانس ہی میں روسو پیدا ہوا، اس کی کتاب کا اور اس نے انسانی آزادی کا جو تصور دیا اس کا بڑا چرچا رہا۔ اس نے کہا کہ انسان فطرتاً آزاد ہے اور اسے آزاد ہونا چاہیے۔ اس کتاب کا مختلف زبانوں میں ترجمہ ہوا اور یہ بڑی انقلابی کتاب سمجھی گئی۔ اردو زبان میں بھی اس کا ترجمہ ''معاہدۂ عمرانی'' کے نام سے موجود ہے۔

انسانی حقوق کے حصول کے لیے کی جانے والی کوششوں میں سے ایک ۱۹۴۸ میں انسانی حقوق کا عالمی اعلامیہ تھا۔ یہ اعلامیہ جو اس سے پہلے کے منشوروں اور اعلامیوں سے کامل تر نظر آتا ہے، انسان کی فردی اور اجتماعی آزادیوں اور بہت سے بنیادی حقوق کا حامل ہے اور اس نے قوموں میں اس امید کو زندہ کیا کہ انسانی حقوق کے عالمی اعلامیے پر عمل درآمد سے ان کے تمام حقوق اور آزادیوں کا تحفظ کیا جا سکتا ہے۔

انسانی حقوق کا عالمی اعلامیہ ان حکومتوں کی مشترکہ فکر و سوچ کا نتیجہ ہے کہ جو واضح طور پر مغربی لبرل ازم کی طرف جھکاؤ رکھتی ہیں۔ اگرچہ یہ اعلامیہ بہت سی قانونی تبدیلیوں کا باعث بنا لیکن اس میں پائے جانے والے نقائص، اس کی من پسند تشریح اور اس پر عمل درآمد کے طریقۂ کار نے بہت سے انسانوں کو اپنے حقوق تک پہنچنے کے سلسلے میں مشکل سے دوچار کر دیا۔

یہ بات بھی قابل درک ہے کہ انسانی تہذیب نے جیسے جیسے شعور کی منزلیں طے کیں، زندگی کے ہر شعبے میں اصول و قوانین وضع کیے گئے۔ معاملات زندگی کے لیے کچھ طے شدہ اصولوں پر

toobaa-elibrary.blogspot.com

عملدرآمد کیا گیا۔ کہیں یہ اصول انسانوں نے عقلی دلیل کی بنیاد پر خود وضع کیے اور عمرانی اصول کہلائے اور کہیں یہ اصول آسمانی صحیفوں کی بنیاد پر طے کیے گئے۔

مہذب معاشرہ خواہ وہ خود ساختہ عمرانی اصولوں کی بنیاد پر قائم ہو یا مقدس تعلیمات سے اخذ کردہ معاشرتی اصول و قوانین کی بنیاد پر قائم ہو، ہر دو صورتوں میں بنیادی انسانی حقوق کو اولین اہمیت دی گئی ہے۔ گو قدیم مصری، یونانی، عربی اور ہندی تمدن نے انسانی حقوق کے معاملے میں بہت وسعت قلبی کا مظاہرہ نہیں کیا لیکن جدید تہذیب نے انسانوں کے بنیادی حقوق کے تحفظ کو جدید ریاست کی بنیادی ذمے داری قرار دیا ہے۔

جدید تہذیب کے شعوری ارتقاء کا یہ سفر تقریباً ۸۰۰ سال پر محیط ہے۔ ۱۲۱۵ میں انگلستان میں مشہورِ زمانہ میگنا کارٹا کے ضبط تحریر میں لائے جانے کے بعد سے کہ جس میں جرم کی شفاف تحقیق اور صفائی پیش کرنے کے حق کو تسلیم کیا گیا، یہ ارتقائی سفر آگے بڑھتا ہے۔ ۱۶۲۸ میں انگلش پارلیمنٹ میں حقوق کا مسودہ پیش کیا گیا، جس میں ملزم کو حبسِ بے جا کے خلاف دادرسی جیسے قوانین وضع کیے گئے۔ امریکا کی تاج برطانیہ سے آزادی کے بعد ۱۷۸۷ء میں امریکی آئین اور ۱۷۹۱ء میں انسانی حقوق کا بل ایک اہم دستاویز ثابت ہوا۔ اسی طرح انقلابِ فرانس کے بعد ۱۷۸۹ء میں ''اعلامیہ برائے حقوقِ آدمی اور شہری حقوق: (Declaration of The Rights of Man and of The Citizen)

ایک سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔ بالآخر آج اقوامِ عالم ایک طویل سفر طے کرنے کے بعد انسانی حقوق کے ایک جامع مسودے ''عالمی منشور برائے حقوق انسانی'' پر متفق ہیں جسے دسمبر ۱۹۴۸ میں منظور کیا گیا۔

اسی منشور کے سائے تلے آج دنیا بھر میں قائم ''مہذب'' معاشرہ ہونے کی دعویدار تمام ریاستیں، اپنے آئین میں انسان کے بنیادی حقوق کی بات کرتی ہیں۔ لیکن کیا اس حقیقت سے انکار ممکن ہے کہ دنیا بھر کے ''مہذب'' معاشروں میں عملی طور پر انسانی حقوق کی پاسداری نہیں کی جاتی ہے یا بالفاظ دیگر ان کے دہرے معیارات ہیں۔ ستم ظریفی دیکھیے کہ ان مہذب اقوام کے ہاتھوں امن ہو یا جنگ ہر جگہ انسان کے بنیادی حقوق پامال ہوتے نظر آتے ہیں۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

مغرب کا سرمایہ دارانہ نظام ہو یا مشرق کا کمیونسٹ معاشرہ یا ترقی پذیر ممالک کے مخلوط نظام، ہر جگہ عام انسان کے حقوق داؤ پر لگے ہوئے ہیں۔ کیونکہ اقوامِ عالم کے یہ منشور اپنے اندر بظاہر تمام تر باریک بینی کے باوجود کوئی قوت نافذہ نہیں رکھتے۔ اس کے برعکس اسلام نے جو انسانی حقوق کا چارٹر چودہ سو پہلے پیش کیا اس کو اخلاقیات اور تعزیرات دونوں کے ذریعے عملی قوت فراہم کی۔

ان تمام دستاویزات کی موجودگی کے باوجود دور جدید میں انسانی حقوق کے عالمی منشور کو بہت زیادہ اہمیت حاصل ہے اس کو اقوام متحدہ نے عالمی منشور قرار دیتے ہوئے رکن ممالک پر اس کی نشر و اشاعت کے ساتھ اس پر عمل درامد کو یقینی بنانے کی تاکید کی ہے شاید یہی وجہ ہے کہ اس دستاویز کو بین الاقوامی طور پر پذیرائی حاصل ہوئی۔ ذیل میں اس دستاویز کو من عن ذکر کیا جارہا ہے اس کے بعد اس کا ایک تنقیدانہ جائزہ لیتے ہوئے اس کا اسلامی انسانی حقوق کے تصور کے ساتھ مقائسہ بھی کیا جائے گا۔

انسانی حقوق کا عالمی منشور:

The Universal Declaration of Human Rights

اقوامِ متحدہ کی جنرل اسمبلی نے ۱۰ دسمبر ۱۹۴۸ء کا ''انسانی حقوق کا عالمی منشور'' منظور کر کے اس کا اعلانِ عام کیا۔ اگلے صفحات پر اس منشور کا مکمل متن درج ہے۔ اس تاریخی کارنامے کے بعد اسمبلی نے اپنے تمام ممبر ممالک پر زور دیا کہ وہ بھی اپنے ہاں اس کا اعلانِ عام کریں اور اس کی نشر و اشاعت میں حصّہ لیں۔ مثلاً یہ کہ اسے نمایاں مقامات پر آویزاں کیا جائے اور خاص طور پر اسکولوں اور تعلیمی اداروں میں اسے پڑھ کر سنایا جائے اور اس کی تفصیلات واضح کی جائیں اور اس ضمن میں کسی ملک یا علاقے کی سیاسی حیثیت کے لحاظ سے کوئی امتیاز نہ برتا جائے۔

دفعہ ۱: تمام انسان آزادی اور حقوق و عزت کے اعتبار سے برابر پیدا ہوئے ہیں۔ انہیں ضمیر اور عقل و دیعت ہوئی ہے۔ اس لئے انہیں ایک دوسرے کے ساتھ بھائی چارے کا سلوک کرنا چاہیے۔

دفعہ ۲: ہر شخص ان تمام آزادیوں اور حقوق کا مستحق ہے جو اس اعلان میں بیان کئے گئے ہیں، اور اس حق پر نسل، رنگ، جنس، زبان، مذہب اور سیاسی تفریق کا یا کسی قسم کے عقیدے، قوم، معاشرے، دولت یا خاندانی حیثیت وغیرہ کا کوئی اثر نہ پڑے گا۔ اس کے علاوہ جس علاقے یا ملک سے جو شخص تعلق رکھتا ہے

toobaa-elibrary.blogspot.com

اس کی سیاسی کیفیت دائرہ اختیار یا بین الاقوامی حیثیت کی بناپر اس سے کوئی امتیازی سلوک نہیں کیا جائے گا۔ چاہے وہ ملک یا علاقہ آزاد ہو یا تولیتی ہو یا غیر مختار ہو یا سیاسی اقتدار کے لحاظ سے کسی دوسری بندش کا پابند ہو۔

دفعہ ۳: ہر شخص کو اپنی جان، آزادی اور ذاتی تحفظ کا حق ہے۔

دفعہ ۴: کوئی شخص غلام یا لونڈی بنا کر نہ رکھا جاسکے گا. غلامی اور بردہ فروشی، چاہے اس کی کوئی شکل بھی ہو، ممنوع قرار دی جائے گی۔

دفعہ ۵: کسی شخص کو جسمانی اذیّت یا ظالمانہ، انسایت سوز، یا ذلیل سلوک یا سزا نہیں دی جائے گی۔

دفعہ ۶: ہر شخص کا حق ہے کہ ہر مقام پر قانون اس کی شخصیت کو تسلیم کرے۔

دفعہ ۷: قانون کی نظر میں سب برابر ہیں اور سب بغیر کسی تفریق کے قانون کے اندر امان پانے کے برابر حقدار ہیں. اس اعلان کے خلاف جو تفریق کی جائے یا تفریق کے لئے ترغیب دی جائے، اس سے سب برابر کے بچاؤ کے حقدار ہیں۔

دفعہ ۸: ہر شخص کو ان افعال کے خلاف جو اس دستور یا قانون میں دئے ہوئے بنیادی حقوق کو تلف کرتے ہوں، بااختیار قومی عدالتوں سے موثّر طریقے پر چارہ جوئی کرنے کا پورا حق ہے۔

دفعہ ۹: کسی شخص کو محض حاکم کی مرضی پر گرفتار، نظر بند، یا جلاوطن نہیں کیا جائے گا۔

دفعہ ۱۰: ہر ایک شخص کو یکساں طور پر حق حاصل ہے کہ اس کے حقوق و فرائض کا تعین یا اس کے خلاف کسی عائد کردہ جرم کے بارے میں مقدمہ کی سماعت آزاد اور غیر جانب دار عدالت کے کھلے اجلاس میں منصفانہ طریقے پر ہو۔

دفعہ ۱۱:

i) ایسے ہر شخص کو جس پر کوئی فوجداری کا الزام عائد کیا جائے، بے گناہ شمار کئے جانے کا حق ہے تاوقتیکہ اس پر کھلی عدالت میں قانون کے مطابق جرم ثابت نہ ہو جائے اور اسے اپنی صفائی پیش کرنے کا پورا موقع نہ دیا جاچکا ہو۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

ii) کسی شخص کو کسی ایسے فعل یا فروگذاشت کی بناپر جو ارتکاب کے وقت قومی یا بین الاقوامی قانون کے اندر تعزیری جرم شمار نہیں کیا جاتا تھا، کسی تعزیری جرم میں ماخوذ نہیں کیا جائے گا۔

دفعہ ۱۲: کسی شخص کی نجی زندگی، خانگی زندگی، گھر بار، خط و کتابت میں من مانے طریقے پر مداخلت نہ کی جائے گی اور نہ ہی اس کی عزت اور نیک نامی پر حملے کئے جائیں گے۔ ہر شخص کا حق ہے کہ قانون اسے حملے یا مداخلت سے محفوظ رکھے۔

دفعہ ۱۳:

i) ہر شخص کو اس بات کا حق ہے کہ وہ ملک سے چلا جائے چاہے یہ ملک اس کا اپنا ہو اور اسی طرح اسے ملک میں واپس آجانے کا بھی حق ہے۔

دفعہ ۱۴:

i) ہر شخص کا حق ہے کہ اسے ہر ریاست کی حدود کے اندر نقل و حرکت کرنے اور سکونت اختیار کرنے کی آزادی ہو۔

ii) یہ حق ان عدالتی کارروائیوں سے بچنے کے لئے استعمال میں نہیں لایا جاسکتا جو خالصاً غیر سیاسی جرائم یا ایسے افعال کی وجہ سے عمل میں آتی ہیں جو اقوامِ متحدہ کے مقاصد اور اُصول کے خلاف ہیں۔

دفعہ ۱۵:

i) ہر شخص کو قومیت کا حق ہے۔

ii) کوئی شخص محض حاکم کی مرضی پر اپنی قومیت سے محروم نہیں کیا جائے گا اور اس کو قومیت تبدیل کرنے کا حق دینے سے انکار نہ کیا جائے گا۔

دفعہ ۱۶:

toobaa-elibrary.blogspot.com

i) بالغ مردوں اور عورتوں کو بغیر کسی ایسی پابندی کے جو نسل قومیت یا مذہب کی بناپر لگائی جائے شادی بیاہ کرنے اور گھر بسانے کا حق ہے۔ مردوں اور عورتوں کو نکاح، ازدواجی زندگی اور نکاح فسخ کرنے کے معاملہ میں برابر کے حقوق حاصل ہیں۔

ii) نکاح فریقین کی پوری اور آزاد رضامندی سے ہوگا۔

iii) خاندان، معاشرے کی فطری اور بنیادی اکائی ہے اور وہ معاشرے اور ریاست دونوں کی طرف سے حفاظت کا حق دار ہے۔

دفعہ ۱۷:

i) ہر انسان کو تنہا یا دوسروں سے مل کر جائداد رکھنے کا حق ہے۔

ii) کسی شخص کو زبردستی اس کی جائداد سے محروم نہیں کیا جائے گا۔

دفعہ ۱۸: ہر انسان کو آزادئ فکر، آزادئ ضمیر اور آزادئ مذہب کا پورا حق ہے. اس حق میں مذہب یا عقیدے کو تبدیل کرنے اور پبلک میں یا نجی طور پر، تنہا یا دوسروں کے ساتھ مل جل کر عقیدے کی تبلیغ، عمل، عبادت اور مذہبی رسمیں پوری کرنے کی آزادی بھی شامل ہے۔

دفعہ ۱۹: ہر شخص کو اپنی رائے رکھنے اور اظہارِ رائے کی آزادی کا حق حاصل ہے۔ اس حق میں یہ امر بھی شامل ہے کہ وہ آزادی کے ساتھ اپنی رائے قائم کرے اور جس ذریعے سے چاہے بغیر ملکی سرحدوں کا خیال کئے علم اور خیالات کی تلاش کرے۔ انہیں حاصل کرے اور ان کی تبلیغ کرے۔

دفعہ ۲۰:

i) ہر شخص کو پُرامن طریقے پر ملنے جلنے اور انجمنیں قائم کرنے کی آزادی کا حق ہے۔

ii) کسی شخص کو کسی انجمن میں شامل ہونے لئے مجبور نہیں کیا جاسکتا۔

دفعہ ۲۱:

i) ہر شخص کو اپنے ملک کی حکومت میں براہِ راست یا آزادانہ طور پر منتخب کئے ہوئے نمائندوں کے ذریعے حصہ لینے کا حق۔

ii) ہر شخص کو اپنے ملک میں سرکاری ملازمت حاصل کرنے کا برابر حق ہے۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

iii) عوام کی مرضی حکومت کے اقتدار کی بنیاد ہو گی۔ یہ مرضی وقتاً فوقتاً ایسے حقیقی انتخابات کے ذریعے ظاہر کی جائے گی جو عام اور مساوی رائے دہندگی سے ہوں گے اور جو خفیہ ووٹ یا اس کے مساوی کسی دوسرے آزادانہ طریقِ رائے دہندگی کے مطابق عمل میں آئیں گے۔

دفعہ ۲۲: معاشرے کے رکن کی حیثیت سے ہر شخص کو معاشرتی تحفظ کا حق حاصل ہے اور یہ حق بھی کہ وہ ملک کے نظام اور وسائل کے مطابق قومی کوشش اور بین الاقوامی تعاون سے ایسے اقتصادی، معاشرتی اور ثقافتی حقوق کو حاصل کرے، جو اس کی عزت اور شخصیت کے آزادانہ نشوونما کے لئے لازم ہیں۔

دفعہ ۲۳:

i) ہر شخص کو کام کاج، روزگار کے آزادانہ انتخاب کام کاج کی مناسب و معقول شرائط اور بے روزگاری کے خلاف تحفظ کا حق ہے۔

ii) ہر شخص کو کسی تفریق کے بغیر مساوی کام کے لئے مساوی معاوضے کا حق ہے۔

iii) ہر شخص جو کام کرتا ہے وہ ایسے مناسب و معقول مشاہرے کا حق رکھتا ہے جو خود اس کے اور اس کے اہل و عیال کے لئے باعزت زندگی کا ضامن ہو اور جس میں اگر ضروری ہو تو معاشرتی تحفظ کے دوسرے ذریعوں سے اضافہ کیا جا سکے۔

iv) ہر شخص کو اپنے مفاد کے بچاؤ کے لئے تجارتی انجمنیں قائم کرنے اور اس میں شریک ہونے کا حق حاصل ہے۔

دفعہ ۲۴: ہر شخص کو آرام اور فرصت کا حق ہے جس میں کام کے گھنٹوں کی حد بندی اور تنخواہ کے علاوہ مقررہ وقفوں کے ساتھ تعطیلات بھی شامل ہیں۔

دفعہ ۲۵:

i) ہر شخص کو اپنی اور اپنے اہل و عیال کی صحت اور فلاح و بہبود کے لئے مناسب معیار زندگی کا حق ہے جس میں خوراک، پوشاک، مکان اور علاج کی سہولتیں اور دوسری ضروری معاشرتی مراعات شامل ہیں اور بے روزگاری بیماری، معذوری، بیوگی، بڑھاپا یا

toobaa-elibrary.blogspot.com

ان حالات میں روزگار سے محرومی جو اس کے قبضۂ قدرت سے باہر ہوں، کے خلاف تحفظ کا حق حاصل ہے۔

(ii) زچّہ اور بچّہ خاص توجہ اور امداد کے حق دار ہیں۔ تمام بچے خواہ وہ شادی سے پہلے پیدا ہوئے ہوں یا شادی کے بعد معاشرتی تحفظ سے یکساں طور پر مستفید ہوں گے۔

دفعہ ۲۶:

(i) ہر شخص کو تعلیم کا حق ہے۔ تعلیم مفت ہو گی، کم سے کم ابتدائی اور بنیادی درجوں میں۔ ابتدائی تعلیم جبری ہو گی۔ فنّی اور پیشہ ورانہ تعلیم حاصل کرنے کا عام انتظام کیا جائے گا اور لیاقت کی بناء پر اعلیٰ تعلیم حاصل کر ناسب کے لئے مساوی طور پر ممکن ہو گا۔

(ii) تعلیم کا مقصد انسانی شخصیت کی پوری نشوونما ہو گا. اور وہ انسانی حقوق اور بنیادی آزادیوں کے احترام میں اضافہ کرنے کا ذریعہ ہو گی وہ تمام قوموں اور نسلی یا مذہبی گروہوں کے درمیان باہمی مفاہمت، رواداری اور دوستی کو ترقی دے گی اور امن کو برقرار رکھنے کے لئے اقوامِ متحدہ کی سرگرمیوں کو آگے بڑھائے گی۔

(iii) والدین کو اس بات کے انتخاب کا اوّلین حق ہے کہ ان کے بچوں کو کس قسم کی تعلیم دی جائے گی۔

دفعہ ۲۷:

(i) ہر شخص کو قوم کی ثقافتی زندگی میں آزادانہ حصّہ لینے، ادبیات سے مستفید ہونے اور سائنس کی ترقی اور اس کے فوائد میں شرکت کا حق حاصل ہے۔

(ii) ہر شخص کو حق حاصل ہے کہ اس کے اُن اخلاقی اور مادّی مفاد کا بچاؤ کیا جائے جو اسے ایسی سائنسی، علمی یا ادبی تصنیف سے جس کا وہ مصنف ہے، حاصل ہوتے ہیں۔

دفعہ ۲۸: ہر شخص ایسے معاشرتی اور بین الاقوامی نظام میں شامل ہونے کا حق دار ہے جس میں وہ تمام آزادیاں اور حقوق حاصل ہو سکیں جو اس اعلان میں پیش کر دئے گئے ہیں۔

دفعہ ۲۹:

toobaa-elibrary.blogspot.com

i) ہر شخص پر معاشرے کے حق ہیں. کیونکہ معاشرے میں رہ کر ہی اس کی شخصیت کی آزادانہ اور پوری نشوونما ممکن ہے۔

ii) اپنی آزادیوں اور حقوق سے فائدہ اٹھانے میں ہر شخص صرف ایسی حدود کا پابند ہوگا جو دوسروں کی آزادیوں اور حقوق کو تسلیم کرانے اور ان کا احترام کرانے کی غرض سے یا جمہوری نظام میں اخلاق، امن عامہ اور عام فلاح و بہبود کے مناسب لوازمات کو پورا کرنے کے لئے قانون کی طرف سے عائد کئے گئے ہیں۔

iii) یہ حقوق اور آزادیاں کسی حالت میں بھی اقوامِ متحدہ کے مقاصد اور اصول کسے خلاف عمل میں نہیں لائی جاسکتیں۔

دفعہ ۳۰: اس اعلان کی کسی چیز سے کوئی ایسی بات مراد نہیں لی جاسکتی جس سے کسی ملک، گروہ یا شخص کو کسی ایسی سرگرمیوں میں مصروف ہونے یا کسی ایسے کام کو انجام دینے کا حق پیدا ہو جس کا منشا ان حقوق اور آزادیوں کی تخریب ہو جو یہاں پیش کی گئی ہیں۔(۱۰)

انسانی حقوق کے عالمی منشور کا ناقدانہ جائزہ:

اگر ہم انسانی حقوق کے عالمی منشور کا بغور جائزہ لیں تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ منشور ایک خاص موقع اور محل میں کافی حد تک موثر رہا ہے اور دنیا کو صلح اور امن کی طرف گامزن کرنے میں اس کا خاص کردار بھی رہا ہے۔ ان باتوں کے باجود اس بات پر بھی توجہ دینے کی ضرورت ہے کہ یہ منشور کچھ مخصوص ممالک کے موقع و محل اور وہاں پہ موجود ماحول کو مد نظر رکھ کے عمل میں لایا گیا ہے۔ اور وہ اس منشور کے تناظر میں اس دور کے انسانوں کے لیے (خاص طور پر مغربی انسان) حائل مشکلات کو حل کرنا چاہتے تھے اور اس کام میں وہ کسی حد تک کامیاب بھی ہو گئے مگر اس اعلامیہ کی سب سے بڑی خامی اس کے اندر جامعیت کا فقدان ہے اس کی وجہ سے موجودہ دور میں اس پر بہت سے اعتراضات کیے جاتے ہیں اسی بنا پر اس پر موجودہ دور میں اس پر اتنا اعتماد نہیں کیا جاتا ہے جتنا گزشتہ ادوار میں کیا جاتا تھا اس اعلامیہ کی جو اہم نقائص ہیں ان کو ذیل میں شہ سرخیوں میں ذکر کیا جارہا ہے:

toobaa-elibrary.blogspot.com

اس اعلامیہ میں جامعیت نہیں ہے:

جن افراد اور اداروں نے اس اعلامیہ کی تدوین میں اپنا کردار ادا کیا ہے ان کی نگاہ ایک خاص معاشرے اور اس کے ماحول تک محدود رہی ہے اور اس اعلامیہ کے اندر بعض ایسی باتیں بھی شامل ہیں ہیں جو دوسرے بہت سارے دانشوروں کے نظریات سے متفاوت ہیں جیسا کہ اس اعلانیہ میں اصالت فرد کو مورد توجہ قرار دیا گیا ہے اور تمام انسانوں کو ایک ہی صف میں قرار دیا گیا ہے جبکہ ہم دیکھتے ہیں کہ ایسے بہت سے دانشور ہیں کہ جو اس بات کے منکر ہیں اس کے علاوہ یہ بات دنیا میں موجود بہت سے مذاہب کے احکام اور قوانین کے ساتھ بھی متفاوت ہے۔

جبکہ ہم دیکھ رہے ہیں کہ دنیا میں تقریبا اکثر افراد کسی نہ کسی مذہب اور اس کے قوانین کے پابند ہیں اور اس اعلامیہ میں موجود بعض مطالب ان مذاہب کے احکام اور قوانین کے ساتھ متصادم ہیں جس کے نتیجے میں ان کے سامنے ان دو میں میں سے ایک کو اختیار کرنے کا راستہ ہے کیونکہ ایسا ممکن نہیں کہ دونوں کو ہی مثبت جواب دیں۔اس مشکل کو حل کرنے کے لیے اس اعلامیہ کی شقوں کا از سر نو جائزہ لیتے ہوئے اس کے اعلامیہ کو دوسرے تمام ممالک کے قوانین اور شرائط کے ساتھ ہم آہنگ کرنے کی ضرورت ہے

انسانی حقوق کا منشور دین اسلام کے بعض قوانین کے خلاف ہے:

اس اعلامیہ کی سب سے بڑی خامی دین کو اس اعلامیہ میں اہمیت نہ دینا قرار دیا جاتا ہے انسانی حقوق کے اس عالمی منشور کے دفعہ نمبر ایک میں یہ جملہ درج ہے:''تمام انسان آزادی اور حقوق و عزت کے اعتبار سے برابر پیدا ہوئے ہیں۔''اس اعلامیہ کے متعلق یہ بھی کہا جاتا ہے کہ یہ نہ صرف دین سے متصادم ہے بلکہ اس کی بعض شقیں مختلف مذاہب اور ادیان کے احکامات سے ٹکراتی ہیں۔جیسا کہ اس منشور کے دفعہ ۵ میں تحریر ہے کہ ''کسی شخص کو جسمانی اذیّت یا ظالمانہ،انسایت سوز،یا ذلیل سلوک یا سزا نہیں دی جائے گی''آج کے زمانے میں یہ کون طے کرے کہ کونسی سزا ظالمانہ ہے چونکہ اقوام متحدہ کے چارٹر میں اس کی وضاحت نہیں ہے لہذا یہ بات صراحت کے ساتھ مختلف مذاہب اور ممالک کے احکامات اور قوانین پر حملہ ہے جہاں ان کے دینی اور ملکی قوانین کی روشنی میں مختلف قسم کے مجرموں کو سزا دی جاتی

toobaa-elibrary.blogspot.com

ہے تاکہ معاشرے میں دوسرے افراد ان کے شر سے محفوظ رہ سکے۔ یہ بات سمجھ سے بالاتر ہے کہ کس قانون کی روشنی میں اور کس معیار کو سامنے رکھتے ہوئے اس بات کو منشور کا حصہ بنایا گیا اور یکسر ان تمام ممالک کے قوانین کو ظالمانہ قرار دیکر مسترد کیا گیا یہ بات دینی احکامات پر حملے کے ساتھ ان ممالک کے داخلی قوانین میں مداخلت اور ان کی توہین کے زمرے میں آتی ہے۔

یہ منشور قوت نافذہ سے خالی ہے:

حقوق انسانی کے اس عالمی منشور پر اس عنوان سے بھی اعتراض کیا جاتا ہے کہ یہ منشور منظور تو ہو گیا، لیکن اس کے پیچھے کوئی قوتِ نافذہ نہیں ہے۔ اگر کوئی ملک خاص طور پر کوئی طاقت ور ملک اس کی خلاف ورزی کرے تو اسے اس کا پابند بنانے کی کوئی ٹھوس اور موثر تدبیر اس میں تجویز نہیں کی گئی ہے۔ اس کا ثبوت آپ آج کی دنیا میں دیکھ سکتے ہیں کہ ایک بڑا ملک اپنی طاقت کے نشہ میں پوری دیدہ دلیری کے ساتھ انسانی حقوق کی خلاف ورزی کر رہا ہے اور کوئی اسے روکنے والا نہیں ہے

یہ منشور آج دنیا کی بڑی طاقتوں کے پاس ایک دستاویز کی شکل وصورت کی حد تک محفوظ ہے اور اس کی بہت سی شقوں کو قابل عمل بنانے سے احتراز کیا جاتا ہے یہ سب ان عالمی طاقتوں کے رویہ کی وجہ سے ہے جو دوسری اور تیسری دنیا کو اہمیت دینے کے قائل نہیں ان کی نگاہ میں دنیا کو چلانے کا حق بڑی طاقتوں کے پاس ہے چھوٹے ممالک کو اس بات کا حق نہیں پہنچتا ہے کہ وہ دنیا کی اجارہ داری کا حصہ بنیں اسی فکر کے تناظر میں ہی جدید دنیا میں عالمی تنظیمیں اور اداروں کا قیام عمل میں آیا ہے جس کی بڑی اور واضح مثال اقوام متحدہ کی ہے جہاں سلامتی کونسل کے نام سے ایک استحصالی کمیٹی بنائی گئی ہے جس میں صرف بڑی طاقتوں اور ان کے تابع ممالک کے حقوق کا تحفظ کیا جاتا ہے جبکہ کسی اور ملک کی اس میں کوئی شنوائی نہیں ہے۔ آج ہم سب اس بات کے شاہد ہیں کہ جن ممالک نے انسانی حقوق کے اس عالمی منشور کو بنانے میں کردار ادا کیا وہ خود انسانی حقوق کو پامال کرنے میں سب سے آگے ہیں اگر کوئی بڑی طاقت عراق میں دس لاکھ افراد کو خاک وخون میں غلطاں کرے تو وہ ان کی نگاہ میں قومی سلامتی کے تحفظ کے لیے ضروری ٹھہرتا ہے جبکہ اگر تیسری دنیا میں کوئی جانور غلطی سے مر جائے تو اس ملک کی شامت آجاتی ہے یہ سب اس عالمی منشور میں انسانی حقوق کو بغیر کسی تفریق کے قابل اجرا بنانے کی کوئی ضمانت نہیں ہونے کی وجہ

toobaa-elibrary.blogspot.com

سے ہے۔ عصر حاضر میں قوموں کے استحصال کے لیے بڑا نعرہ انسانی حقوق کا ہی لگایا جاتا ہے جب اور جہاں چاہے انسانی حقوق کے نام پہ بڑی طاقتیں قوموں کے حقوق کو پامال کرتی ہے اور جہاں چاہے ان پر حملہ آور ہوتی ہیں مگر جب خود ان ممالک کو انسانی حقوق کی طرف متوجہ کیا جاتا ہے تو نہ صرف انہیں کوئی اثر نہیں ہوتا ہے بلکہ خود اپنے ممالک میں ہونے والی انسانی حقوق کے پامالی کو بے بنیاد باتوں کے ذریعے توجیہ کرتی نظر آتی ہیں۔

اس منشور میں آزادی کو مبہم رکھا گیا ہے:

مذکورہ بالا نقائص کے علاوہ اس منشور کو اس لحاظ سے بھی مبہم اور نامکمل قرار دیا جاسکتا ہے کہ اس میں آزادی کو مفصل انداز میں بیان کیا گیا ہے مگر اس مرحلے پر بھی دوسرے ممالک کے آئین اور ان کے مذہبی اور دینی قوانین کا لحاظ نہیں رکھا گیا ہے یہ ایک واضح بات ہے کہ جس آزادی کو آج مغربی دنیا ذہن میں لیے بیٹھی ہے اس کے بہت سے پہلو مسلمانوں کے نزدیک مردود ہیں جیسا کہ اس منشور میں مذہبی آزادی کو تسلیم کیا گیا ہے لیکن اس آزادی کے صحیح معنوں میں حدود متعین نہیں ہوئے ہیں۔ فرض کیجیے کہ اگر مذہبی آزادی کا تصور صرف یہ ہے کہ آدمی پوجا پاٹ کرے، عبادت گھر میں جاکے اللہ کی عبادت کرے، مسجد میں نماز پڑھ لے، چرچ میں اپنے مذہب کے مطابق دعا میں شریک ہو جائے، گردوارے میں یا جس کی جو عبادت گاہ ہے اس میں پہنچ جائے اور عبادت کے مراسم بجالے آئے تو یہ بھی ایک آزادی ہے۔ اس سے آگے بعض نجی اور خاندانی معاملات میں آزادی دے کر کہا جاسکتا ہے کہ یہ مذہبی آزادی ہے۔ آج مذہبی آزادی کا اس سے زیادہ کوئی تصور فی الواقع ہے بھی نہیں، لیکن اسلام کے معاملے میں مشکل یہ ہے کہ وہ پوری زندگی کے بارے میں ہدایات فراہم کرتا اور ان کی پابندی کا حکم دیتا ہے۔ ایسا کوئی دستور نہیں ہے جو یہ کہے کہ مسلمانوں کو اپنے مذہب کے تمام احکام پر چلنے کی آزادی ہے اور وہ اپنے دائرے میں اپنا قانون نافذ کر سکتے ہیں۔ تیسری بات یہ کہ مغرب میں کلیسا اور اس کے زیر اثر برسر اقتدار طبقہ نے انسان کی آزادیِ فکر و عمل اور اس کے بنیادی حقوق کے سلسلے میں انتہائی غلط رویہ اختیار کیا جس کا صحیح مذہب سے کوئی تعلق نہیں تھا۔ اس کے ردِّ عمل میں حقوق انسانی کا موجودہ تصور ابھرا۔ اس میں مذہب کے حقیقی رول کو بالکل نظر انداز کر دیا گیا ہے۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

بہر حال یقیناً یہ ایک تلخ حقیقت ہے کہ وہ اقوام عالم جو آج ترقی یافتہ اور مہذب کہلاتی ہیں اور ''عالمی منشور برائے حقوق انسانی'' کی علمبر دار ہیں ان کی تاریخ معصوم انسانوں کے خون سے رنگین ہے۔ جس کا مشاہدہ کر کے انسانی حقوق تو کیا انسانیت بھی سوالیہ نشان بن جاتی ہے۔ اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ آج کے ترقی یافتہ ممالک اقوام متحدہ کے منشور کو صرف ایک معیار سمجھتے ہیں اور عملی طور پر اس کا نفاذ نہیں کرتے ہیں۔

بہر حال ان تمام معاشروں میں ہمیشہ ایسے اہل فکر و دانش موجود رہے ہیں جنھوں نے رنگ و نسل سے بالاتر ہو کر ہمیشہ ظلم کے خلاف آواز بلند کی اور انسانوں کو ان کے بنیادی حقوق فراہم کرنے کی جدوجہد پر زور دیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آج انسانی شعور ارتقاء کے عمل سے گزر کر اس نتیجے پر پہنچ چکا ہے کہ انسانی معاشرہ اگر انسانوں کے بنیادی حقوق کا تحفظ نہیں کر سکتا تو پھر حضرت انسان کے لیے اس دنیا میں امن وآشتی کے ساتھ رہنا ممکن نہیں ہے۔

جنگ عظیم اول، اور دوم میں جس وسیع پیمانے پر انسانی حقوق کی پامالی ہوئی اس کے بعد بھی ویتنام، بوسنیا، چیچنیا، افغانستان، عراق، کشمیر، شام و فلسطین کی سرزمین پر جو خون ہولی کھیلی گئی اس نے ثابت کیا کہ انسانی حقوق کے تحفظ کا دعویٰ صرف تحریراً اور اعلامیوں تک محدود ہے۔ اور دنیا بین الاقوامی سرمایہ داروں، اسلحہ ساز اداروں اور کثیر الاقوامی کمپنیوں کے ہاتھوں میں گروی رکھی ہوئی ہے جس کے نتیجے میں آج بھی لاکھوں افراد کی زندگیاں خطرے میں ہیں اور دنیا ایک طویل اور وسیع جنگ کی طرف بڑھتی جارہی ہے۔

یہ استحصالی قوتیں ہر آنے والے وقت میں ایک نیا بت تراشتی ہیں تاکہ دنیا کو ایک نئی کشمکش درپیش ہو اور ظلم کے ایک نئے دور کا آغاز ہو۔ درحقیقت ظلم اور ناانصافی اس چین ری ایکشن کی مانند ہوتے ہیں جس کے نتیجے میں تباہی کے اثرات ضرب ہوتے چلے جاتے ہیں۔ جب کہ انصاف کی فراہمی اور انسانی حقوق کے تحفظ کی جدوجہد کی مثال اس بھاری پانی کی طرح ہے جو تباہی کے اس عمل کو روکتے اور سست کر دیتے ہیں۔ اب جس معاشرے میں ظلم زیادہ اور حقوق کا تحفظ کم ہو گا یقیناً اس معاشرے میں ہر طرف

toobaa-elibrary.blogspot.com

تباہی پھیلے گی۔اور وہ لوگ بھی جو بظاہر ظلم کے حامی نہیں ہیں وہ بھی ظلم اور ناانصافی کی چکی میں پس جائیں گے۔

لیکن کیا حقوق کے تحفظ کی یہ جنگ صرف کسی ایک مخصوص طبقے کی ذمے داری ہے۔آج ہر طرف سیاسی بنیاد پر حقوق کی بات کی جاتی ہے۔ سیاسی جماعتیں، مزدوروں، کسانوں، تاجروں، طلبا، نوجوانوں اور خواتین کی حقوق کی بات کرتی ہے۔ معاشرے کا ایک کثیر حصہ یہ سمجھتا ہے کہ یہ انسانی حقوق کی جدوجہد شاید سیاسی جماعت کے پلیٹ فارم ہی سے ممکن ہے۔یا شاید یہ سیاسی جماعت کی ذمے داری ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ انسانوں کے بنیادی حقوق کے لیے آواز بلند کرنا ہر شہری کی ذمے داری ہے اور اس کے لیے کسی سیاسی پلیٹ فارم کا ہونا لازمی نہیں ہے۔ جس طرح سانس لینا ضروری ہے اسی طرح ایک شہری کے بنیادی حقوق کے لیے آواز بلند کرنا ضروری ہے، خواہ وہ کسی طبقے سے تعلق رکھتا ہو۔

جب تک معاشرے میں انسانی حقوق کے تحفظ کی جنگ جاری رہے گی، معاشرہ زندگی سے بھرپور نظر آئے گا اور زندہ لوگوں کا معاشرہ کہلائے گا اور جب یہ جدوجہد معدوم ہو جائے گی تو معاشرہ بھی ایک قبرستان کی مانند مردہ لوگوں کا معاشرہ کہلائے گا۔ بلاشبہ معاشرے میں انسانی حقوق کے تحفظ کی جدوجہد ہی بقا اور سلامتی کی ضامن ہے۔(۱۱)

حقیقی انسانی حقوق:

انسان کے بنیادی اور فطری حقوق کے تحت جن جن امور کو شامل کیا جاتا ہے ان میں حقوق اِنسانی کا جامع ترین تصور، انسانی مساوات کا حق، انسانی عزت و آبرو کی حفاظت، انسانی جان و مال اور جائداد کی حفاظت، مذہبی آزادی کا حق، آزادئ ضمیر کا حق ضروریات زندگی کا انتظام، انسانی حقوق میں فرد و معاشرے کی رعایت، بچوں کے حقوق کی حفاظت، اسی طرح انسانوں کے معاشی و ثقافتی اور تعلیمی حقوق نمایاں حیثیت کے حامل ہیں۔

اسلام اور انسانی حقوق کی اہمیت:

مسلمان دانشوروں کی اکثریت کے نزدیک دنیا میں سب سے پہلے اسلام نے حقوق انسانی کی بنیاد رکھی اور اسلام میں انسان کے جو حقوق ہیں، وہ خدا کی طرف سے عطا کردہ ہیں۔ دنیا کی کوئی مجلس قانون

toobaa-elibrary.blogspot.com

سازاور حکومت ان کے اندر ردوبدل وترمیم کرنے کی مختار ومجاز نہیں ہے اور نہ ہی ان انسانی حقوق کو واپس لینے یا منسوخ کر دینے کا کوئی حق کسی کو حاصل ہے۔ مسلمان یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ اُن کا دین امن اور سلامتی کا درس دیتا ہے اور وہ خواہش رکھتے ہیں کہ دنیا بھر کے لوگوں کو امن اور سلامتی نصیب ہو اور تمام لوگوں کو ان کے بنیادی انسانی حقوق بلا امتیاز رنگ و نسل ملیں۔ اس سلسلے میں مسلمانوں کے ہاں قرآن کی صورت میں ایک دستور بھی موجود ہے اور اسی دستور سے اخذ کردہ قوانین کی روشنی میں یہ قرار دیتے ہیں کہ اسلام میں انسانی حقوق کے قوانین روزِ اول سے ہی وضع کئے گئے ہیں۔ اسی طرح پیغمبر اسلام نے حجتہ الوداع کے موقع پر جو خطبہ ارشاد فرمایا تھا۔ وہ خطبہ مسلمانوں کے ہاں حقوقِ انسانی کا اولین منبع کہلاتا ہے۔ بعض مستشرقین بھی اس سلسلے میں مسلمانوں کے ہم آواز ہیں۔ جیسا کہ معروف مورخ ولیم ایل لینگر لکھتے ہیں: ''خطبہ حجتہ الوداع کو انسانی زندگی کے آئین کی حیثیت حاصل ہے۔''(۱۲)

یہ خطبہ حقوقِ انسانی کا پہلا بین الاقوامی چارٹر ہے، طاقتور ممالک اقوام متحدہ کی قرار دادوں اور انسانی حقوق کے بین الاقوامی چارٹر کی کوئی پرواہ نہیں کر رہے۔ انسانی حقوق کا عالمی ڈیکلریشن ان تمام اہم روایتی، سیاسی اور شہری حقوق کا احاطہ کرتا ہے جو قومی و ساتیر اور قانونی نظاموں میں قانون کے سامنے برابری، یک طرفہ گرفتاری سے تحفظ، منصفانہ مقدمے کیلئے عدالتی چارہ جوئی اور ماورائے عدل فوجداری قوانین سے آزادی، جائیداد حاصل کرنے کا حق، خیال و ضمیر اور مذہب کی آزادی، رائے اور اظہار کی آزادی پر امن اجتماع اور تنظیم سازی کی آزادی پر محیط ہیں۔ اس میں معاشی، معاشرتی اور ثقافتی حقوق بھی گنوائے گئے ہیں جیسے کام کرنے کا حق کام کے انتخاب کا آزادانہ حق، برابر کے کام کیلئے برابر کی اجرت کا حق، ٹریڈ یونینوں کو بنانے اور ان میں شمولیت کا حق، آرام و فراغت کا حق، مناسب و موزوں معیار زندگی کا حق اور تعلیم کا حق وغیرہ۔

انسانی حقوق کے بارے میں اسلام کا تصور بنیادی طور پر بنی نوع انسان کے احترام، وقار اور مساوات پر مبنی ہے۔ قرآن حکیم کی رو سے اللہ رب العزت نے نوعِ انسانی کو دیگر تمام مخلوقات پر فضیلت و تکریم عطا کی ہے۔ قرآن حکیم میں ارشاد باری تعالیٰ ہے :

toobaa-elibrary.blogspot.com

وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِي آدَمَ وَحَمَلْنَاهُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنَاهُم مِّنَ الطَّيِّبَاتِ وَ فَضَّلْنَاهُمْ عَلَى كَثِيرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيلاً ۔(۱۳)

''اور بیشک ہم نے بنی آدم کو عزت بخشی اور ہم نے ان کو خشکی اور تری (یعنی شہروں اور صحراؤں اور سمندروں اور دریاؤں) میں (مختلف سواریوں پر) سوار کیا اور ہم نے انہیں پاکیزہ چیزوں سے رزق عطا کیا اور ہم نے انہیں اکثر مخلوقات پر جنہیں ہم نے پیدا کیا ہے فضیلت دے کر برتر بنادیا۔''

اس کے علاوہ پیغمبر اسلام نے خطبہ حجۃ الوداع میں ارشاد فرمایا :

یا ایھا الناس الا ان ربکم واحد وان اباکم واحد ولا فضل لعربی علی عجمی ولا لعجمی علی عربی ولا لأحمر علی أسود ولا لأسود علی احمر الا بالتقویٰ۔(۱۴)

''اے لوگو! آگاہ ہو جاؤ کہ تمہارا رب ایک ہے اور بے شک تمہارا باپ (آدم علیہ السلام) ایک ہے۔ کسی عربی کو غیر عرب پر اور کسی غیر عرب کو عجمی پر کوئی فضیلت نہیں اور کسی سفید فام کو سیاہ فام پر اور نہ سیاہ فام کو سفید فام پر فضیلت حاصل ہے۔ سوائے تقویٰ کے۔''

اس طرح اسلام نے تمام قسم کے امتیازات اور ذات پات، نسل، رنگ، جنس، زبان، حسب و نسب اور مال و دولت پر مبنی تعصبات کو جڑ سے اکھاڑ دیا اور تاریخ میں پہلی مرتبہ تمام انسانوں کو ایک دوسرے کے ہم پلہ قرار دیا خواہ وہ امیر ہوں یا غریب، سفید ہوں یا سیاہ، مشرق میں ہوں یا مغرب میں، مرد ہو یا عورت اور چاہے وہ کسی بھی لسانی یا جغرافیائی علاقے سے تعلق رکھتے ہوں۔ پیغمبر اسلام کا یہ خطبہ حقوقِ انسانی کا اولین اور ابدی منشور ہے جو کسی وقتی سیاسی مصلحت یا عارضی مقصد کے حصول کے لئے نہیں بلکہ بنی نوع انسان کی فلاح کے لئے جاری کیا گیا۔

یہی وجہ ہے کہ خطبہ حجۃ الوداع کو حقوق انسانی سے متعلق دیگر تمام دستاویزات پر فوقیت اور اولیت حاصل ہے۔ جو آج تک انسانی شعور نے تشکیل دیں۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

انسانوں کے مختلف حقوق:

سب سے پہلی چیز جو اس مسئلے میں ہمیں اسلام کے اندر ملتی ہے، وہ یہ ہے کہ اسلام خود انسان بحیثیت انسان کے کچھ حقوق مقرر کرتا ہے۔ دوسرے الفاظ میں اس کا مطلب یہ ہے کہ ہر انسان، خواہ وہ ہمارے اپنے ملک اور وطن کا ہو یا کسی دوسرے ملک اور وطن کا، ہماری قوم کا ہو یا کسی دوسری قوم کا، مومن ہو یا (غیر مسلم)، کسی جنگل کا باشندہ ہو یا کسی صحرا میں پایا جاتا ہو، بہر حال محض انسان ہونے کی حیثیت سے، اس کے کچھ ہیں جن کو ایک مسلمان لازماً ادا کرے گا اور اس کا دینی فرض ہے کہ وہ انہیں ادا کرے۔

ا۔ حقِ حیات:

اسلام اور پیغمبر اسلام کی تعلیمات میں اولین چیز زندہ رہنے کا حق اور انسانی جان کے احترام فرض ہے۔ قرآن مجید میں فرمایا گیا ہے:

مَنْ قَتَلَ نَفْساً بِغَيْرِ نَفْسٍ أَوْ فَسَادٍ فِي الأَرْضِ فَكَأَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيعاً وَمَنْ أَحْيَاهَا فَكَأَنَّمَا أَحْيَا النَّاسَ جَمِيعاً۔(۱۵)

جس شخص نے کسی ایک انسان کو قتل کیا، بغیر اس کے کہ اس سے کسی جان کا بدلہ لینا ہو، یا وہ زمین میں فساد برپا کرنے کا مجرم ہو، اس نے گویا تمام انسانوں کو قتل کر دیا۔

جہاں تک خون کا بدلہ لینے یا فساد فی الارض پر سزا دینے کا سوال ہے، اس کا فیصلہ ایک عدالت ہی کر سکتی ہے یا کسی قوم سے جنگ ہو تو ایک باقاعدہ نظام حکومت ہی اس کا فیصلہ کر سکتا ہے۔ بہر حال کسی فرد کو انفرادی طور پر یہ حق نہیں ہے کہ وہ قصاص لے یا فساد فی الارض کی سزا دے۔ اس لئے ہر انسان پر یہ واجب ہے کہ قتل انسان کا ہر گز ارتکاب نہ کرے۔ اگر کسی نے ایک انسان کو قتل کیا تو یہ ایسا ہے جیسے اس نے تمام انسانوں کو قتل کر دیا۔ اسی مضمون کو دوسرے مقامات پر قرآن مجید میں اس طرح دہرایا گیا ہے کہ:

لا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللَّهُ إِلاَّ بِالْحَقِّ ۔(۱۶)

toobaa-elibrary.blogspot.com

کسی جان کو حق (یعنی قصاص یا فساد کی سزا) کے بغیر قتل نہ کرو جسے اللہ نے حرام کیا ہے۔

یہاں بھی حرمت قتل کو ایسے قتل سے مستثنی کیا گیا ہے جو حق کے ساتھ ہو، اور حق کا فیصلہ بہر حال کوئی عدالت مجاز ہی کرے گی۔ پیغمبر اسلام نے قتل نفس کو شرک کے بعد سب سے بڑا گناہ قرار دیا ہے۔ اکبر الکبائر الاشراك بالله و قتل النفس۔ ان تمام آیات واحادیث میں مطلقاً نفس کا لفظ استعمال کیا گیا ہے جو کسی خاص نفس کو مختص نہیں کرتا کہ اس کا مطلب یہ لیا جاسکے کہ اپنی قوم، یا اپنے ملک کے شہری، یا کسی خاص نسل، رنگ یا وطن، یا مذہب کے آدمی کو قتل نہ کیا جائے۔ حکم تمام انسانوں کے بارے میں ہے اور بجائے خود ہر انسانی جان کو ہلاک کرنا حرام کیا گیا ہے۔

۲۔ خود کو محفوظ رکھنے کا حق:

قرآن مجید میں یہ فرمایا گیا ہے کہ:

وَمَنْ أَحْيَاهَا فَكَأَنَّمَا أَحْيَا النَّاسَ جَمِيعاً ۔(۱۷)

اور جس نے کسی نفس کو بچایا، اس نے گویا تمام انسانوں کو زندگی بخشی۔

آدمی کو موت سے بچانے کی بے شمار شکلیں ہیں۔ ایک آدمی بیمار یا زخمی ہے۔ قطع نظر اس سے کہ وہ کس نسل، کس قوم یا کس رنگ کا ہے، اگر ایک انسان بیماری کی حالت میں یا زخمی ہونے کی حالت میں ملا ہے تو اس کی بیماری یا اس کے زخم کے علاج کی فکر کرنی چاہیے۔ اگر وہ بھوک سے مر رہا ہے اس کو کھانا کھلائیں تاکہ اس کی جان محفوظ ہو جائے۔ اگر وہ ڈوب رہا ہے یا اور کسی طرح سے اس کی جان خطرے میں ہے تو انسان کا فرض ہے کہ اس کو بچائیں۔

۳۔ عورت کی عصمت کا حق:

تیسری اہم چیز اسلام کے دیے ہوئے انسانی حقوق میں یہ ہے کہ عورت کی عصمت بہر حال محترم ہے، خواہ وہ اپنی قوم کی ہو، یا دشمن قوم کی، جنگل بیابان میں ملے، ہماری ہم مذہب ہو یا کسی غیر مذہب سے تعلق رکھتی ہو، یا لامذہب ہو۔ مسلمان کسی حالت میں بھی اس پر ہاتھ نہیں ڈال سکتا۔ اس کے لئے زنا کو مطلقاً حرام کیا گیا ہے خواہ اس کا ارتکاب کسی عورت سے کیا جائے۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

قرآن مجید میں یہ حکم بھی دیا گیا ہے کہ :

" وَلاَ تَقْرَبُواْ الزِّنَى إِنَّهُ كَانَ فَاحِشَةً وَسَاء سَبِيلاً"

زنا کے قریب بھی نہ جاؤ یہ بے حیائی اور برا راستہ ہے

عصمت وعفت کی حفاظت کے لئے ضروری ہے کہ سب سے پہلے اس کو تاراج کرنے والے عمل یعنی زنا کی قباحت کو سمجھا جائے۔اس لئے قرآن کریم نے اس کی سنگینی کو بیان کیا کہ زنا ایک برا عمل ہے۔ قرآن نے زنا کی قباحت اور سنگینی کو بیان کرنے لئے 'فاحشۃ' کا لفظ استعمال کیا ہے جس کے معنی 'حد سے آگے بڑھنا' ہیں، تو اب زنا کا مطلب ہوگا اللہ کے قائم کردہ حدود کو پار کرنا۔اور ہر انسان جانتا ہے کہ حدود کو پار کر کے کسی ممنوعہ علاقہ میں گھس جانا سماج میں کتنا بڑا جرم تصور کیا جاتا ہے۔اسی لئے اللہ نے اپنے حدود کا احترام کرنے والوں کو جنت کی خوشخبری دی ہے، جب کہ حدود سے تعدی کرنے والوں کو جہنم اور رسوا کن عذاب کی وعید سنائی ہے۔

۴۔آزادی کا حق:

اسلام میں کسی آزاد انسان کو پکڑ کر غلام بنانا یا اسے بیچ ڈالنا قطعی حرام قرار دیا گیا ہے۔پیغمبر اسلام کے صاف الفاظ یہ ہیں کہ تین قسم کے لوگ ہیں جن کے خلاف قیامت کے روز میں خود مستغیث (استغاثہ پیش کرنے والا) ہوں گا۔ان میں ایک وہ شخص ہے جو کسی آزاد انسان کو پکڑ کر بیچے اور اس کی قیمت کھائے (رجل باع حرا فاكل ثمنه)۔(۱۸)اس فرمانِ رسول کے الفاظ بھی عام ہیں۔ان کو کسی قوم یا نسل یا ملک ووطن کے انسان کے ساتھ مخصوص نہیں کیا گیا ہے۔

۵۔انسان کو انصاف کا حق حاصل ہے:

یہ ایک بڑا اہم حق ہے جو اسلام نے انسان کو بحیثیت انسان عطا کیا ہے۔قرآن مجید میں ارشاد ہوا ہے کہ :

وَلا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَآنُ قَوْمٍ أَنْ صَدُّوكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ أَنْ تَعْتَدُوا۔(۱۹)

کسی گروہ کی دشمنی تم کو اتنا مشتعل نہ کردے کہ تم انہیں مسجد الحرام سے روک کر تم ناروا زیادتی کرنے لگو۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

آگے چل کر پھر فرمایا:

وَلا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَآنُ قَوْمٍ عَلَى أَلاَّ تَعْدِلُوا اعْدِلُوا هُوَ أَقْرَبُ لِلتَّقْوَى وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ(۲۰)

اور کسی گروہ کی دشمنی تم کو اتنا مشتعل نہ کر دے کہ تم انصاف نہ کرو، انصاف کرو یہی تقوی سے قریب تر ہے۔

ایک اور جگہ فرمایا گیا ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا قَوَّامِينَ بِالْقِسْطِ شُهَدَاءَ لِلَّهِ ۔(۲۱)

اے لوگو جو ایمان لائے ہو! انصاف کے علمبردار اور خدا کے واسطے گواہ بنو۔

معلوم ہوا کہ عام انسان ہی نہیں دشمنوں تک سے انصاف کرنا چاہیے۔ دوسرے الفاظ میں اسلام جس انصاف کی دعوت دیتا ہے وہ محض اپنے ملک کے باشندوں کے لئے، یا اپنی قوم کے لوگوں کے لئے، یا مسلمانوں کے لئے ہی نہیں بلکہ دنیا بھر کے سب انسانوں کے لئے ہے۔ ہم کسی سے بے انصافی نہیں کرتے۔ ہمارا مستقل شیوہ یہ ہونا چاہیے کہ کوئی شخص بھی ہم سے بے انصافی کا اندیشہ نہ رکھے۔ ہم ہر جگہ ہر شخص کے ساتھ عدل وانصاف ملحوظ رکھیں۔

۶۔انسانی مساوات کا حق:

اسلام نہ صرف یہ کہ کسی امتیاز رنگ و نسل کے بغیر تمام انسانوں کے درمیان مساوات کو تسلیم کرتا ہے بلکہ اسے ایک اہم اصول حقیقت قرار دیتا ہے۔ قرآن میں اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِنْ ذَكَرٍ وَأُنْثَى وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوباً وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ (۲۲)

لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور تمہاری قومیں اور قبیلے بنائے۔ تاکہ ایک دوسرے کو شناخت کرو۔ اور خدا کے نزدیک تم میں زیادہ عزت والا وہ ہے جو زیادہ پرہیزگار ہے۔ بے شک خدا سب کچھ جاننے والا (اور) سب سے خبردار ہے۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

بالفاظ دیگر اس کا مطلب یہ ہوا کہ تمام انسان اصل میں بھائی بھائی ہیں۔ ایک ہی ماں اور ایک ہی باپ کی اولاد ہیں۔ یعنی قوموں اور قبیلوں میں یہ تقسیم تعارف کے لئے ہے۔ اس لئے ہے کہ ایک قبیلے یا ایک قوم کے لوگ آپس میں ایک دوسرے سے واقف ہوں اور باہم تعاون کر سکیں۔ اس لئے نہیں ہے کہ ایک قوم دوسری قوم پر فخر جتائے اور اس کے ساتھ تکبر سے پیش آئے۔ اس کو ذلیل سمجھے اور اس کے حقوق پر ڈاکے مارے۔ در حقیقت تم میں سے معزز وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ خدا ترس ہے۔ یعنی انسان پر انسان کی فضیلت صرف اخلاق اور پاکیزہ کردار کی بنا پر ہے نہ کہ رنگ و نسل، زبان اور وطن کی بنا پر۔ اور یہ فضیلت بھی اس غرض کے لئے نہیں ہے کہ پاکیزہ اخلاق کے انسان دوسرے انسانوں پر اپنی بڑائی جتائیں، کیونکہ بڑائی جتانا بجائے خود ایک برائی ہے جس کا ارتکاب کوئی خدا ترس اور پرہیزگار آدمی نہیں کر سکتا۔ اور یہ اس غرض کے لئے بھی نہیں ہے کہ نیک آدمی کے حقوق برے آدمیوں کے حقوق پر فائق ہوں، یا اس کے حقوق ان سے زیادہ ہوں، کیونکہ یہ انسانی مساوات کے خلاف ہے۔

۷۔ ایک دوسرے سے تعاون کا حق:

اسلام نے ایک بڑا اہم قاعدہ کلیہ یہ پیش کیا ہے:

وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَى وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ۔(۲۳)

نیکی اور پرہیزگاری میں تعاون کرو۔ بدی اور گناہ کے معاملے میں تعاون نہ کرو۔

اس کے معنی یہ ہیں کہ جو شخص بھلائی اور خدا ترسی کا کام کرے، قطع نظر اس سے کہ وہ قطب شمالی کا رہنے والا ہو یا قطب جنوبی کا، وہ یہ حق رکھتا ہے کہ ہم اس سے تعاون کریں اور وہ بجا طور پر یہ توقع رکھ سکتا ہے کہ ہم اس سے تعاون کریں گے۔ اس کے برعکس جو شخص بدی اور زیادتی کا کام کرے، خواہ وہ ہمارا قریب ترین ہمسایہ یا رشتہ دار ہی کیوں نہ ہو، اس کا نہ یہ حق ہے کہ نسل و وطن یا زبان و قومیت کے نام پر وہ ہمارا تعاون طلب کرے۔ نہ اسے ہم سے یہ امید رکھنی چاہیے کہ ہم اس سے تعاون کریں گے۔

اسلام میں انسانی حقوق، جنگی تناظر میں:

اسلام میں لفظ جنگ کے لئے ایک خاص لفظ جہاد فی سبیل اللہ یا قتال فی سبیل اللہ کا استعمال کیا گیا یعنی اللہ کی راہ میں قتال جیسے قرآن میں ارشاد ہوتا ہے:

toobaa-elibrary.blogspot.com

وَقَاتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ الَّذِیْنَ یُقَاتِلُوْنَکُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ الْمُعْتَدِیْنَ(۲۴)

''اللہ کی راہ میں ان لوگوں سے لڑو جو تم سے لڑیں، مگر اس میں کوئی زیادتی مت کرو، اس لیے کہ اللہ زیادتی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔''

قرآن ایک اور جگہ ارشاد فرما رہا ہے:

اُذِنَ لِلَّذِیْنَ یُقَاتَلُوْنَ بِاَنَّھُمْ ظُلِمُوْا وَاِنَّ اللّٰہَ عَلٰی نَصْرِھِمْ لَقَدِیْرُ، نِالَّذِیْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِیَارِھِمْ بِغَیْرِ حَقٍّ اِلَّا اَنْ یَّقُوْلُوْا رَبُّنَا اللّٰہُ(۲۵)

''جن سے جنگ کی جا رہی ہے، اب اُن کو بھی جنگ کرنے کی اجازت دے دی گئی، اس لیے کہ اُن پر ظلم ہوا، اور یقیناً اللہ اُن کی مدد پر پوری طرح قدرت رکھتا ہے۔ (یہ وہ لوگ ہیں) جو اپنے گھروں (یعنی سرزمینِ مکہ) سے بے قصور محض اس جرم کی بنا پر نکالے گئے کہ وہ کہتے ہیں کہ ہمارا رب اللہ ہے۔''

درجہ بالا آیات سے یہ بات واضح ہو رہی ہے کہ جنگ کا مقصد فقط اپنے آپ کو ظلم سے بچانا یا مظلوموں کی حمایت میں مظلوموں کو ظلم سے بچانے کے لئے ظالم کے خلاف جہاد کرنا۔ اسلام کے اس نظریہ کے مطابق چونکہ جنگ کا اصلی مقصد حریفِ مقابل کو ہلاک کرنا اور نقصان پہنچانا نہیں بلکہ محض اس کے شر کو دفع کرنا ہے۔ اس لیے اسلام یہ اصول پیش کرتا ہے کہ جنگ میں صرف اتنی ہی قوت استعمال کرنی چاہیے جتنی دفع شر کے لیے ناگزیر ہو۔ اور اس قوت کا استعمال صرف انہی طبقوں کے خلاف ہونا چاہیے جو عملاً برسرپیکار ہوں یا حد سے حد جن سے شر کا اندیشہ ہو۔ باقی تمام انسانی طبقات کو جنگ کے اثرات سے محفوظ رہنا چاہیے، اور دشمن کی ان چیزوں تک بھی ہنگامۂ کارزار کو متجاوز نہ ہونا چاہیے جن کا اس کی جنگی قوت سے کوئی تعلق نہ ہو۔

جنگ کا یہ تصور ان تصورات سے مختلف تھا جو عام طور پر غیر مسلم دماغوں میں موجود تھے۔ اس لیے اسلام نے تمام رائج الوقت الفاظ اور اصطلاحات کو چھوڑ کر ''جہاد فی سبیل اللہ'' کی الگ اصطلاح وضع کی جو اپنے معنی کے اعتبار سے وحشیانہ جنگ کے تصورات سے اس کو بالکل جدا کر دیتی ہے۔ اس پاکیزہ

toobaa-elibrary.blogspot.com

تصور کے ماتحت اسلام نے جنگ کا ایک مکمل ضابطۂ قانون وضع کیا جس میں جنگ کے آداب، اس کے اخلاقی حدود، محاربین کے حقوق وفرائض، مقاتلین اور غیر مقاتلین کا امتیاز اور ہر ایک کے حقوق، معاہدین کے حقوق، سفراء اور اسیرانِ جنگ کے حقوق، مفتوح قوموں کے حقوق تفصیل کے ساتھ بیان کیے۔ ہر ایک کے لیے قواعد کلیہ اور حسب ضرورت جزئی احکام مقرر کیے۔

لیکن اس قانون سازی کا مدعا صرف اتنا نہ تھا کہ کاغذ پر ایک ضابطۂ قوانین آجائے، بلکہ اصلی مقصود یہ تھا کہ عملی خرابیوں کی اصلاح کی جائے اور جنگ کے وحشیانہ طریقوں کو مٹا کر اس مہذب قانون کو رائج کیا جائے۔ اس کے لیے سب سے پہلے اس غلط تصور کو دلوں سے محو کرنے کی ضرورت تھی جو صدیوں سے جما ہوا تھا۔ لوگوں کی عقلیں یہ سمجھنے سے قاصر تھیں کہ جب مال و دولت کے لیے جنگ نہ کی جائے، ملک و زمین کے لیے نہ کی جائے، شہرت و ناموری کے لیے نہ کی جائے، حمیت و عصبیت کے لیے نہ کی جائے، تو پھر (وہ ایسی) جنگ کا تصور بھی نہیں کر سکتے تھے جس کو انسان کی خود غرضی اور نفسانیت سے کوئی تعلق نہ ہو۔ لہٰذا پیغمبر اسلام نے پہلا کام یہی کیا کہ ''جہاد فی سبیل اللہ'' کے معنی اور وہ حدود جو اسے جہاد فی سبیل الطاغوت سے ممتاز کرتے ہیں، پوری طرح واضح کر دیئے اور مختلف طریقوں سے جنگ کے اس تصور کو لوگوں کے ذہن نشین کیا۔ پیغمبر اسلام نے جنگی ضابطہ اخلاق یوں پیش کیا:

عام شہریوں کا تحفظ:

اسلام میں سب سے پہلے دشمن ملک کی مقاتل اور غیر مقاتل آبادی کے درمیان فرق کیا گیا ہے۔ جہاں تک غیر مقاتل آبادی کا تعلق ہے (یعنی جو لڑنے والی نہیں ہے یا لڑنے کے قابل نہیں ہے مثلاً عورتیں، بچے، بوڑھے، بیمار، اندھے، اپاہج وغیرہ) اس کے بارے میں پیغمبر اسلام کی ہدایات یہ ہیں:

لا تقتلوا شیخا فانیا و لا طفلا صغیرا و لا امراۃ۔ (۲۶)

کسی بوڑھے، کسی بچے اور کسی عورت کو قتل نہ کرو۔

ایک جنگ میں پیغمبر اسلام نے ایک عورت کی لاش دیکھی تو فرمایا: یہ تو نہیں لڑ رہی تھی۔ (۲۷)

اس سے فقہائے اسلام نے یہ اصول اخذ کیا کہ جو لوگ غیر مقاتل ہوں ان کو قتل نہ کیا جائے۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

مقابل جنگجوؤں کے حقوق:

اسلام میں نہ صرف مسلمانوں کے لیے حقوق بیان ہوئے بلکہ مخالف فریق کے لیے بھی مختلف حقوق بیان ہوئے ہیں جن میں سے (مسلمانوں سے) لڑنے والوں کو بھی اسلام نے حقوق دیئے ہیں۔

۱۔ آگ کا عذاب نہ دیا جائے:

حدیث میں پیغمبر اسلام کا ارشاد ہے:

"لا ینبغی ان یعذب بالنار لا رب النار۔(۲۸)

آگ کا عذاب آگ کے رب کے سوا کسی کو زیب نہیں دیتا۔"

اس سے یہ حکم نکلا کہ دشمن کو زندہ نہ جلایا جائے۔

۲۔ زخمی پر حملہ نہ کیا جائے:

"لا تجھزن علی جریح، کسی زخمی پر حملہ نہ کرو۔" مراد ہے وہ زخمی جو لڑنے کے قابل نہ رہا ہو نہ (کہ وہ جو) عملاً لڑ رہا ہو۔

۳۔ قیدی کو قتل نہ کیا جائے:

"لا یقتلن اسیر، کسی قیدی کو قتل نہ کیا جائے۔"

۴۔ باندھ کر قتل نہ کیا جائے:

"نھی النبی صلی اللہ علیہ وسلم عن قتل الصبر، نبی ﷺ نے باندھ کر قتل کرنے یا قید کی حالت میں قتل کرنے سے منع فرمایا۔" حضرت ابوایوب انصاری جنہوں نے یہ روایت پیغمبر اسلام سے نقل کی ہے، فرماتے ہیں: "جس خدا کے ہاتھ میں میری جان ہے میں اس کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں کسی مرغ کو بھی باندھ کر ذبح نہ کروں گا۔"(۲۹)

۶۔ مفتوح علاقے کے لوگوں سے کوئی چیز مفت یا بلا اجازت نہ لی جائے:

اس بات سے بھی منع کر دیا گیا کہ عام آبادی کی کسی چیز سے معاوضہ ادا کئے بغیر فائدہ اٹھایا جائے۔ دوران جنگ میں اگر دشمن کے کسی علاقے پر قبضہ کر کے مسلمانوں کی فوج وہاں مقیم ہو تو اس کو یہ حق

toobaa-elibrary.blogspot.com

نہیں پہنچتا کہ لوگوں کی چیزوں کا بے دریغ استعمال کرے۔ اگر اس کو کسی چیز کی ضرورت ہو تو خرید کر لینا چاہیے یا مالکوں کی اجازت لے کر اس کو استعمال کرنا چاہیے۔(۳۰)

حضرت ابو بکر فوجوں کو روانہ کرتے وقت یہاں تک فرماتے تھے کہ دودھ دینے والے جانوروں کا دودھ بھی تم نہیں پی سکتے جب تک کہ ان کے مالکوں سے اجازت نہ لے لو۔

۸۔ دشمن کی لاشوں پر غصہ نہ نکالا جائے:

اسلام میں قطعی طور پر اس بات کو بھی منع کیا گیا ہے کہ دشمن کی لاشوں کی تذلیل کی جائے یا ان کا مثلہ کیا جائے۔ حدیث میں آیا ہے کہ :

"نھی النبی صلی اللہ علیہ وسلم عن المثلۃ۔

پیغمبر اسلام نے (دشمنوں کی) لاشوں کا مثلہ (یعنی ان کی قطع و برید) کرنے سے منع فرمایا۔(۳۱)

یہ حکم جس موقع پر دیا گیا وہ بھی نہایت سبق آموز ہے۔ جنگ احد میں جو مسلمان شہید ہوئے تھے، دشمنوں نے ان کی ناک کاٹ کر ان کے ہار بنائے اور گلوں میں پہنے۔ پیغمبر اسلام کے چچا حضرت حمزہ کا پیٹ چیر کر ان کا کلیجہ نکالا گیا اور اسے چبانے کی کوشش کی گئی۔ اس وقت مسلمانوں کا غصہ انتہا کو پہنچ گیا تھا مگر حضور نے فرمایا کہ تم غنیم کے مقتولوں کے ساتھ یہ سلوک نہ کرنا۔ اسی سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ یہ دین فی الحقیقت خداوند عالم ہی کا بھیجا ہوا دین ہے۔ اس میں انسانی جذبات کا اگر دخل ہوتا تو جنگ احد میں یہ منظر دیکھ کر حکم دیا جاتا کہ تم بھی غنیم کے مقتولوں کا اسی طرح مثلہ کرو۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

حوالہ جات

(۱) ندوی، محمد جنید،قرآن و سنت میں انسانی حقوق کا تصور،مشمولہ: معارف مجلہ تحقیق،(کراچی)، شمارہ:۱۳، جنوری تاجون ۲۰۱۳ء، ص:۶۷

(۲) اس سلسلے میں الخوارزمی اور ڈاکٹر حمید اللہ سر فہرست ہیں۔ دونوں دانشوروں نے نمرود کو ہی حمورابی قرار دیا ہے البتہ الخوارزمی نے حمورابی کو کیکاؤس بھی لکھا ہے۔ ''ثم کیکاوس و لقبہ نمرد،و أظن أنه هو الذی یسمیه العبرانیون نمرود''(الخوارزمی، محمد بن احمد بن یوسف، مفاتیح العلوم،دار الکتاب العربی،بیروت،الطبعۃ الثانیۃ،۱۴۰۹ھ بمطابق ۱۹۸۹ء، ص:۱۲۲)

(۳) http://www.Internationalstandardbible.com/H/hammurabi-code-of.html, retrieved on 23 October 2015

(4) Renger,Johannes M, Hammurabi: King of Babylonia, Encyclopedia Britannica, (http://www.britannica.com/biography/Hammurabi)

(۵) Johns,Claude Hermann Walter, Babylonian and Assyrian Laws, Contracts, and Letters, the Lawbook exchange, ltd. Union, New Jersey, 1999 Pg: 41

(۶) Ibid, Pg: 40

(۷) Ibid, Pg: 65

(۸) صلاح الدین، محمد،بنیادی حقوق،ادارہ ترجمان القرآن،لاہور،۱۹۷۸ء، ص:۳۷

(۹) http://www.humanrights.com, retrieved on 23 October 2014

(۱۰) Published by the Office of Public Information, United Nations Universal Declaration of Human Rights (Urdu) http://www.ohchr.org/EN/UDHR/ retrieved on 25 August 2014

(۱۱) صدیقی،فوزیہ، ڈاکٹر،شعوری ارتقاء اور انسانی حقوق کی جدوجہد، مشمولہ: روزنامہ ایکسپریس، (کراچی)، ۲۰۱۵ء،اداراتی صفحہ

(۱۲) ولیم ایل لینگر،انسائیکلو پیڈیا تاریخ عالم، ج ا،(مترجم: مولانا غلام رسول مہر)،الوقار پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۱۰ء، ص:۲۷

toobaa-elibrary.blogspot.com

(۱۳) سورہ بنی اسرائیل، آیت: ۷۰

(۱۴) الطبرانی، سلیمان بن أحمد بن أیوب بن مطیر اللخمي الشامی، المعجم الأوسط، ج ۵، حدیث: ۴۷۴۹، دار الحرمین، القاهرة ۲۰۱۰ء، ص: ۸۶

ــــ الهیثمی، أبو الحسن نور الدین علی بن أبي بکر بن سلیمان، مجمع الزوائد و منبع الفوائد، مکتبة القدسی، القاهرة، باب لا فضل لأحد علی احد الا بالتقویٰ، ج ۱۴۱۴، ۸ھ، بمطابق ۱۹۹۴ء، ص ۸۴

(۱۵) سورہ مائدہ، آیت: ۳۲

(۱۶) سورہ انعام، آیت: ۱۵۱

(۱۷) سورہ مائدہ، آیت: ۳۲

(۱۸) طبرنی، المعجم الوسیط، جلد ۲، حدیث: ۲۲۵۳، محولہ بالا، ص ۱۴۵

(۱۹) سورہ مائدہ، آیت: ۲

(۲۰) سورہ مائدہ، آیت: ۸

(۲۱) سورہ نساء، آیت: ۱۳۵

(۲۲) سورہ حجرات، آیت: ۱۳

(۲۳) سورہ مائدہ، آیت: ۲

(۲۴) سورہ بقرہ، آیت: ۱۹

(۲۵) سورہ حج، آیت: ۳۹، ۴۰

(۲۶) أبو داؤد، سلیمان بن الأشعث الأزدي السجستاني، سنن ابي داؤد، کتاب الجهاد، حدیث: ۲۶۱۴، دار الرسالة العالمية، بیروت، ۱۴۳۰ھ، بمطابق ۲۰۰۹ء

(۲۷) البخاری، ابي عبد الله محمد بن اسماعیل بن ابراہیم، الجامع الصحیح للبخاری، کتاب الجهاد، حدیث: ۳۰۱۵، دارُ طوق النجاة، بیروت، ۱۴۲۲ھ

(۲۸) ایضاً، حدیث ۳۰۱۶

(۲۹) ابوداؤد، محولہ بالا، کتاب الجهاد، حدیث ۲۶۸۷

(۳۰) ایضاً، حدیث ۲۶۲۹، ۲۶۲۳

(۳۱) ایضاً، حدیث ۲۶۱۳

toobaa-elibrary.blogspot.com

باب چہارم:

سیرت النبی اور حقوقِ انسانی

مسلمان مفکرین دعویٰ کرتے ہیں کہ سیرت النبی میں تمام تر انسانی مسائل کا حل موجود ہے۔اس دعویٰ کے پسِ پردہ وہ یہ یقین رکھتے ہیں کہ پیغمبر اسلام نے انسانیت کی عظمت، احترام اور حقوق پر مبنی نہایت واضح اور ابدی تعلیمات وہدایات کی روشنی میں حقوقِ انسان کے متعلق وہ دائمی تصور حقوق وفرائض بھی فراہم کر دیئے ہیں جو انسانی معاشرے کے لئے ایک دستاویزی حیثیت رکھتے ہیں۔اس سلسلے میں بطور مثال خطبہ حجۃ الوداع پیش کیا جاتا ہے اور دعویٰ کیا جاتا ہے کہ یہ خطبہ تاریخ میں انسانی حقوق کی سب سے جامع اور مفصل دستاویز ہے۔مورخین کے مطابق پیغمبر اسلام نے خطبہ حجۃ الوداع ۹ ذی الحجہ ۱۰ھ، بمطابق ۶ مارچ ۶۳۲ء کو دیا جو آپ کے انتقال سے کچھ مہینے قبل مناسک حج کے دوران انجام پایا۔خطبہ کی وثاقت اور اہمیت کو مسلمان مفکرین تسلیم تو کرتے ہی ہیں تاہم بعض غیر مسلم مفکرین بھی اس کی اہمیت کے معترف نظر آتے ہیں۔معروف برطانوی مورخ لارڈ ایکٹن (Lord Acton) خطبہ حجۃ الوداع کے بارے میں کہتے ہیں:

> ''آسمان نے روز وشب کی ہزار کروٹیں بدلیں لیکن احترام انسانیت اور حقوق انسانی کے لیے اس سے زیادہ پُر درد اور پُر خلوص آواز نہیں سنی۔''(۱)

انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا میں ہے:

> (پیغمبر اسلام کی طرف سے) عورتوں کو ان کے حقوق خاص کر وراثت میں حصہ دلانا اور دختر کشی کا خاتمہ آپ کی عظیم اصلاحات ہیں۔(۲)

ان شذرات کی روشنی میں ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ پیغمبر اسلام کی تعلیمات میں انسانی حقوق کی نشاندہی صحیح انداز میں کی گئی ہے۔خاص طور پر خطبہ حجۃ الوداع جیسے اہم موقع پر پوری جامعیت کے ساتھ حقوقِ انسانی کا بیان اس بات کی دلیل ہے کہ پیغمبر اسلام کی نظر میں انسان کی قدر وقیمت بہت بلند ہے۔ آپ نے اس خاص موقع پر خواتین کے حقوق کو اجاگر کیا، مردوں کی ذمہ داریوں کا تعین کیا، مزدوروں اور

toobaa-elibrary.blogspot.com

غریبوں کے حق میں رحم دلی کے مظاہرہ کا حکم دیا۔البتہ یہاں پر یہ سوال ضرور پیدا ہو سکتا ہے کہ کیا پیغمبر اسلام نے صرف خطبہ حجۃ الوداع کے موقع پر ہی انسانی حقوق کی نشاندہی کی؟ کیا آپ نے اپنی زندگی کی دیگر تبلیغی مصروفیات میں اس جانب توجہ نہیں دلائی؟ چونکہ ہم اپنے موضوعِ بحث کو پوری سیرت طیبہ سے جوڑنے کے دعویدار ہیں لہٰذا ہمارے لئے ضروری ہے کہ ہم جہاں خطبہ حجۃ الوداع کو خصوصیت کے ساتھ ذکر کریں وہی ہم پیغمبر اسلام کی پوری زندگی کے چیدہ چیدہ واقعات کی بھی نشاندہی کریں جن کا تعلق حقوق انسانی سے ہے۔ مورخین خاص طور پر مسلمان دانشوروں نے اس سلسلے میں کئی طرح کے واقعات کی طرف اشارہ کیا ہے۔ ہم طوالت کے خوف سے سب کا ذکر نہیں کریں گے صرف دو تین واقعات پر اکتفا کریں گے۔ جنگ بدر میں مسلمانوں کو اپنے مخالفین پر فتح حاصل ہوئی، ۷۰ کے قریب مخالفین اسلام اس جنگ میں کام آئے جبکہ ۷۰ کے قریب ہی قیدی بنالئے گئے، اُس زمانہ کے دستور کے مطابق لاشوں کا مثلہ کرنا ہوتا تھا اور قیدی غلامی کی زنجیر میں باندھے جاتے تھے جبکہ بھاگے ہوئے لوگوں کا تعاقب کرکے اُن کی جان لی جاتی ہے۔ یہاں تک کہ عورتوں، بچوں اور بزرگوں کو بھی جنگی مجرم سمجھتے ہوئے ان کا قلع قمع کیا جاتا تھا۔ لیکن ہم پیغمبر اسلام کی سیرت کی طرف نظر کرتے ہیں تو اس طرح کا کوئی بھی عمل ہمیں نظر نہیں آتا۔ایک رحم دل اور انسانیت پسند انسان کے روپ میں آپ چار بڑے فرامین نافذ کرتے ہوئے نظر آتے ہیں:

اول: جنگ میں مارے گئے تمام تر افراد کی لاشوں کی بے حرمتی (مثلہ) نہ کی جائے۔

دوم: قیدیوں کو قتل کرنے کے بجائے اُن کی علمی قابلیت اُن کی دیت ٹھہرائی گئی اور اُن سے کہا گیا کہ اُن میں سے ہر قیدی دس مسلمانوں کو لکھنا پڑھنا سیکھائے اور اپنی جان بخشی کا پروانہ لے کر آزاد ہو جائے۔

سوم: بھاگے ہوئے جنگجوؤں کا پیچھا نہ کیا جائے۔

چہارم: عورتوں، بچوں اور بزرگوں کو جنگی دھارے سے خارج سمجھتے ہوئے اُن کی جان بخشی جائے۔(۳)

اگرچہ یہ چار اصول خصوصیت کے ساتھ جنگی قوانین سے تعلق رکھتے ہیں لیکن ہم یہ دعویٰ کر سکتے ہیں کہ یہ فرامین پیغمبر اسلام کی پوری زندگی میں نمایاں طور پر نظر آئے۔آپ جنگی معاملات میں

toobaa-elibrary.blogspot.com

مصروف ہوں، سفارتی اُمور میں مصروف ہوں یا نجی زندگی ہر پہلو میں انسانیت کے لئے عزت، وقار اور احترام کا جذبہ موجود ہوتا تھا۔

دوسرا اہم واقعہ فتح مکہ ہے۔ یہ وہ شہر تھا جہاں سے پیغمبر اسلام کو مجبوراً گھر بار چھوڑنا پڑا تھا آپ کے ساتھیوں کے ساتھ بے رحمانہ سلوک کیا گیا تھا۔ لیکن جب پیغمبر اسلام کو مکہ والوں پر فتح حاصل ہوئی تو زمانے کے جابر و ظالم حکمرانوں کی روش کے برعکس انصاف اور آزادی کا نعرہ بلند کیا اور چند ایک اشخاص کے سب کو معاف کر دیا۔ مشہور مستشرق سر ولیم مور لکھتے ہیں:

> The abused, rejected, exiled Prophet now had the rebellious city at his feet. Mohammad was Lord of Mecca.(۴)
>
> مکے کا سرکش و باغی شہر جہاں رسول اللہ کے ساتھ بد سلوکی اور بد زبانی کی گئی، آپ کو مسترد کیا گیا، اور جلاوطن کیا گیا، آج آپ کے قدموں میں تھا، محمد رسول اللہ آج مکے کے حاکم و آقا تھے۔

پیغمبر اسلام کی معاشرتی زندگی کو ہم انسانی حقوق کی سب سے بڑی محافظ قرار دیں تو یقیناً اس میں مبالغہ نہ ہوگا۔ اپنے مخالفین کے ساتھ آپ کا رویہ ہمیشہ مثبت اور نرم رہا، آپ کی تعلیمات میں جہاں تبلیغی میلان واضح نظر آتا ہے وہی حقوقِ انسانی کا مظاہرہ بھی دیکھنے کو ملتا ہے۔ ذیل میں ہم خطبہ حجۃ الوداع جو حدیث، سیرت، تواریخ اور تفاسیر میں منتشر صورت میں موجود ہے، کو اجمالاً بیان کرتے ہیں۔ بعدازاں انہی کتب کی روشنی میں خطبہ ہذا کی سندی حیثیت پر بحث کرتے ہیں۔ اختتام پر اس خطبے کو بین الاقوامی اہمیت کے تناظر میں ذکر کرتے ہیں۔

خطبہ حجۃ الوداع کی مبادی حیثیت:

خطبہ حجۃ الوداع کو کم و بیش تمام محدثین، مورخین، سیرت نگار اور مفسرین نے نقل کیا ہے۔ البتہ بعض جگہ کم الفاظ کے ساتھ نقل کیا گیا ہے جبکہ بعض حضرات نے ذرا مفصل انداز میں بیان کیا ہے۔ ہم خطبہ حجۃ الوداع کو نتیجہ خیز ثابت کرنے کے لئے ایک بحث قائم کریں گے اور یہ بحث جامع کتب کی

toobaa-elibrary.blogspot.com

درجہ بندی سے شروع ہو گی۔ مثال کے طور پر اولین قدم میں ہم اُن کتب احادیث کا تذکرہ کریں گے جہاں خطبہ حجۃ الوداع کا تذکرہ ہے۔ ثانیاً کتبِ سیرت سے استفادہ کیا جائے گا، ثالثاً کتبِ تاریخ کا حوالہ دیا جائے گا، بعدازاں ایک خلاصہ کی صورت میں بحث کو خاتمے کی طرف لے جایا جائے گا۔

عام طور پر معروف ہے کہ پیغمبر اسلام نے حجۃ الوداع کے نام سے معروف خطبہ اپنے آخری حج کے دوران دیا تھا۔ البتہ اس بارے میں اختلاف ہے کہ یہ خطبہ ایک ہی دفعہ کسی مخصوص مقام پر دیا تھا یا سفرِ حج کے دوران مدینہ سے لے کر مکہ تک اور مکہ میں قیام پھر مدینہ واپسی کے دوران کئی خطبات کا نچوڑ ہے۔ بعض محدثین نے منیٰ بتایا ہے جیسا کہ ہم آگے چل کر بتائیں گے۔ جبکہ دیگر لوگوں کا خیال ہے کہ خطبہ حجۃ الوداع وقتاً فوقتاً دیئے گئے خطبات کا نچوڑ ہے۔ ہم یہاں پر پہلے معروف خطبہ کی عبارت نقل کرتے ہیں:

ایھا الناس اسمعوا منی ابین لکم فانی لا ادری لعلی لا القاکم بعد عامی ھذا فی موفقی ھذا، ایھا الناس ان دماء کم و اموالکم حرام علیکم الی ان تلقوا ربکم کحرمۃ یومکم ھذا فی شھرکم ھذا فی بلدکم ھذا، الا ھل بلغت، اللھم شھد فمن کانت عندہ امانۃ فلیمودھا الی من انتیمنہ علیھا ،وان ربا الجاھلیۃ موضوع و ان اول ربا ابداء بہ ربا عمی العباس بن عبدالمطلب و ان اول دم نبدا بہ دم عامر بن ربیعۃ ببن الحارث بن عبدالمطلب، و ان ماثر الجاھلیۃ موضوعۃ غیر السیدانہ والسقایۃ، والحمد قوم و شیبہ العمد ما قتل بانحصا والحجر وفیہ مائۃ بغیر فمن زاد فھو من اھل الجاھلیۃ، ایھا الناس ان الشیطان قد یئس ان یعبد ۓ ارضکم ھذہ والکنہ قد رضی ان یطاع فیما سوی ذالك مما تحقرون من اعمالکم ، ایھا الناس: انما النسی زیادۃ فیا لکفر یضل بہ الذین کفروا یحلونہ عاما و یحرمومنہ عاما لیواطئو عدۃ ما حرم اللہ، وان الزمان قد استدار کھیئتہ یوم خلق اللہ السموات والارض و ان عدۃ الشھور عندہ اللہ اثنا عشر شھرا فی کتاب اللہ یوم خلق السموات والارض منھا اربعۃ حرم، ثلاثۃ متوالیات و واحد فرد، ذوالقعدۃ

toobaa-elibrary.blogspot.com

وذوالحجة والمحرم و رجب الذی بین جمادی و شعبان، الا هل بلغت؟ اللهم اشهد، ایهاالناس ان بنسائکم علیکم حقا و لکم علیهن حق، لکم علیهن ان الا یوطئن فرشکم غیرکم ولا یدخلن احدا وهونه بیوتکم الا باذنکم ولا یاتین بفاحشه فان فعلن فان الله قد اذن لکم ان تعضلوهن و تهجروهن فی المضاجع و تضربوهن ضربا غیر مبرج فان استهین و اطعنکم فعلیکم رزقهن و یسوتهن بالمعروف و انما النساء عندکم عوان لا یملکن لانفسهن شیئا اخذتموهن بامانة الله استخللتم فروجهن بکلمة الله فاتقوا الله فی النساء استرصوابهن خیراً الا هل بلغت؟ اللهم اشهد، ایهاالناس انما المومنون اخوة ولا حل لامری مال اخیه الا عن طیب نفس منه الا هل بلغت؟ اللهم اشهد، فلا ترجعن بعدی کفاراً یضرب بعضکم رقاب بعض فانی قد ترکت فیکم ما ان اخذتم به لن تضلوا بعده، کتاب الله، الا هل بلغت؟ اللهم اشهد، ایهاالناس ان ربکم واحد و ان اباکم واحد کلکم لادم و ادم من تراب ان اکرمکم عندالله اتقاکم، ولیس لعربی علی عجمی فضل الا بالتقویٰ، الا هل بلغت؟ اللهم اشهد فیبلغ الشاهد الغائب، ایهاالناس، ان الله قد قسم لکل وارث نصیبه من المیراث ولا یجوز لوارث وصیة ولا یجوز وصیة فی اکثر من الثلث، وللعاهر الحجر، من ادعیٰ الی غیر ابیه او تولیٰ غیر موالیه فعلیه لعنة الله والملئکة والناس اجمعین، لا یقبل منه صرف ولا عدل والسلام علیکم و رحمة الله(۵)

اے لوگو! میری بات غور سے سنو کیا خبر، شاید اس سال کے بعد اس جگہ میری تمہاری ملاقات کبھی نہ ہو سکے۔ اچھا تو سنو کہ تمہارا خون، تمہارا مال اور تمہاری آبرو ایک دوسرے پر ایسے ہی حرام ہے جیسے تمہارے اس شہر اور تمہارے اس مہینے میں تمہارے آج کے دن کی حرمت ہے۔ اور تم لوگ بہت جلد اپنے پروردگار سے ملو گے اور وہ تم سے تمہارے اعمال کے متعلق پوچھے گا۔ لہٰذا دیکھو میرے بعد پلٹ کر گمراہ نہ ہو جانا

toobaa-elibrary.blogspot.com

کہ آپس میں ایک دوسرے کی گردنیں مارنے لگو جو شخص موجود ہے، وہ غیر موجود تک (میری باتیں) پہنچادے۔ کیونکہ بعض وہ افراد جن تک (یہ باتیں) پہنچائی جائیں گی، وہ بعض (موجودہ) سننے والوں سے کہیں زیادہ ان باتوں کے دروبست کو سمجھ سکیں گے۔ اگر کسی کے پاس امانت ہو تو وہ اسے اس کے مالک کو ادا کردے اور اگر سود ہو تو وہ موقوف کر دیا گیا ہے۔ ہاں تمہارا سرمایہ مل جائے گا۔ نہ تم ظلم کرو اور نہ تم پر ظلم کیا جائے۔ اللہ نے فیصلہ فرمادیا ہے کہ سود ختم کر دیا گیا اور سب سے پہلے میں عباس بن عبدالمطلب کا سود باطل کرتا ہوں۔ جاہلیت کے قتلوں کے تمام جھگڑے میں ملیامیٹ کرتا ہوں۔ پہلا خون جو باطل کیا جاتا ہے وہ ربیعہ بن حارث عبدالمطلب کے بیٹے کا ہے۔ (ربیعہ بن حارث آپ کا چچیرا بھائی تھا جس کے بیٹے عامر کو بنو ہذیل نے قتل کر دیا تھا) لوگو! تمہاری اس سرزمین میں شیطان اپنے پوجے جانے سے مایوس ہو گیا ہے لیکن دیگر چھوٹے گناہوں میں اپنی اطاعت کئے جانے پر خوش ہے اس لیے اپنا دین اس سے محفوظ رکھو۔ اللہ کی کتاب میں مہینوں کی تعداد اسی دن سے بارہ ہے جب اللہ نے زمین و آسمان پیدا کئے تھے ان میں سے چار حرمت والے ہیں۔ تین (ذیقعد ذوالحجہ اور محرم) لگاتار ہیں اور رجب تنہا ہے۔ لوگو! اپنی بیویوں کے متعلق اللہ سے ڈرتے رہو۔ خدا کے نام کی ذمہ داری سے تم نے ان کو بیوی بنایا اور خدا کے کلام سے تم نے ان کا جسم اپنے لیے حلال بنایا ہے۔ تمہارا حق عورتوں پر اتنا ہے کہ وہ تمہارے بستر پر کسی غیر کو نہ آنے دیں لیکن اگر وہ ایسا کریں تو ان کو ایسی مار مارو جو نمودار نہ ہو اور عورتوں کا حق تم پر یہ ہے کہ تم ان کو اچھی طرح کھلاؤ، اچھی طرح پہناؤ۔ بلاشبہ ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے اور تمام مسلمان بھائی بھائی ہیں۔ خبردار! ہر مسلمان دوسرے مسلمان پر حرام و محترم ہے، اس کا گوشت اس پر حرام ہے، اور اس کی عزت و آبرو اس پر حرام ہے کہ (اس کی چادر عزت) پھاڑ دے۔ میں تم میں ایسی چیز چھوڑے جارہا ہوں کہ اگر تم نے اسے مضبوطی سے پکڑے رکھا تو اس کے بعد ہر گز

toobaa-elibrary.blogspot.com

گمراہ نہ ہو گے اور وہ ہے اللہ کی کتاب اور تم سے میرے متعلق پوچھا جانے والا ہے تو تم لوگ کیا کہو گے ؟ صحابہ نے کہا: ہم شہادت دیتے ہیں کہ آپؐ نے تبلیغ کر دی، پیغام پہنچا دیا اور خیر خواہی کا حق ادا کر دیا۔

امام بخاری نے خطبہ حجۃ الوداع کی زیادہ تفصیل نہیں کی ہے۔ بلکہ صحیح بخاری میں امام مسلم کی صحیح سے بھی کم جامعیت ملتی ہے۔ امام بخاری نقل کرتے ہیں:

أَنّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَطَبَ النَّاسَ يَوْمَ النَّحْرِ، فَقَالَ: يَا أَيُّهَا النَّاسُ، أَيُّ يَوْمٍ هَذَا ؟، قَالُوا: يَوْمٌ حَرَامٌ، قَالَ: فَأَيُّ بَلَدٍ هَذَا ؟، قَالُوا: بَلَدٌ حَرَامٌ، قَالَ: فَأَيُّ شَهْرٍ هَذَا ؟ قَالُوا: شَهْرٌ حَرَامٌ، قَالَ: فَإِنَّ دِمَاءَكُمْ وَأَمْوَالَكُمْ وَأَعْرَاضَكُمْ عَلَيْكُمْ حَرَامٌ كَحُرْمَةِ يَوْمِكُمْ هَذَا فِي بَلَدِكُمْ هَذَا فِي شَهْرِكُمْ هَذَا، فَأَعَادَهَا مِرَارًا، ثُمَّ رَفَعَ رَأْسَهُ، فَقَالَ: اللَّهُمَّ هَلْ بَلَّغْتُ، اللَّهُمَّ هَلْ بَلَّغْتُ"، قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا: فَوَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ إِنَّهَا لَوَصِيَّتُهُ إِلَى أُمَّتِهِ، فَلْيُبْلِغِ الشَّاهِدُ الْغَائِبَ، لَا تَرْجِعُوا بَعْدِي كُفَّارًا يَضْرِبُ بَعْضُكُمْ رِقَابَ بَعْضٍ.(٦)

دسویں تاریخ کو رسول اللہ نے منیٰ میں خطبہ دیا، خطبہ میں آپ نے پوچھا لوگو! آج کون سا دن ہے ؟ لوگ بولے یہ حرمت کا دن ہے، آپ نے پھر پوچھا اور یہ شہر کون سا ہے ؟ لوگوں نے کہا یہ حرمت کا شہر ہے، آپ نے پوچھا یہ مہینہ کون سا ہے ؟ لوگوں نے کہا یہ حرمت کا مہینہ ہے، پھر آپ نے فرمایا بس تمہارا خون تمہارا مال اور تمہاری عزت ایک دوسرے پر اسی طرح حرام ہے جیسے اس دن کی حرمت، اس شہر اور اس مہینہ کی حرمت ہے، اس کلمہ کو آپ نے کئی بار دہرایا اور پھر آسمان کی طرف سر اٹھا کر کہا اے اللہ! کیا میں نے تیرا پیغام پہنچا دیا اے اللہ! کیا میں نے پہنچا دیا۔ عبداللہ بن عباس نے بتلایا کہ اس ذات کی قسم! جس کے ہاتھ میں میری جان ہے نبی کریم کی یہ وصیت اپنی تمام امت کے لیے ہے، لہٰذا حاضر اور جاننے والے (غائب) اور ناواقف لوگوں کو اللہ کا

toobaa-elibrary.blogspot.com

پیغام پہنچادیں۔ آپ نے پھر فرمایا دیکھو میرے بعد ایک دوسرے کی گردن مار کر کافر نہ بن جانا۔

اس حدیث میں یہ وضاحت ملتی ہے کہ پیغمبر اسلام نے خطبہ منٰی کے دن دیا تھا۔ دیگر جزئیات جیسے خواتین کے حقوق، غلاموں کے حقوق، سود کی حرمت کے بارے میں کوئی تذکرہ نہیں ملتا۔ حدیث بہت مختصر اور خطبہ حجۃ الوداع کی جامعیت کی وضاحت نہیں کرتی۔ ایک دوسری حدیث میں عرفات کا بھی ذکر ہے، جیسا کہ ابن عباس اس حدیث کے راوی ہیں اور کہتے ہیں کہ میں نے میدانِ عرفات میں پیغمبر اسلام سے یہ خطبہ سنا۔(۷)

امام بخاری کی بیان کردہ تمام احادیث تین باتوں کی نشاندہی کرتی ہیں۔ ایک یہ کہ آپ نے اپنی وفات کا ذکر فرمایا، دوسری یہ کہ مال، خون اور عزت کو حرام قرار دیا۔ تیسری یہ کہ میرے بعد ایک دوسرے کی گردن مار کر کافر نہ بن جانا۔ بخاری کی روایت کے مطابق یہ خطبہ پیغمبر اسلام نے منی میں دیا تھا۔ جو ذی الحج کی دسویں تاریخ ہے۔ امام بخاری کی روایت کردہ حدیث کے مطابق یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ پیغمبر اسلام کی زندگی کے آخری خطبہ کا تعلق منٰی سے ہے۔

معروف محدث شیخ محمد بن یعقوب الکلینی کے مطابق پیغمبر اسلام نے حجۃ الوداع کے دن منٰی کے مقام پر واقع مسجد خیف میں ایک مختصر سا خطبہ دیا جس کا متن مندرجہ ذیل ہے:

نضر الله عبدا سمع مقالتی فوعاها و بلغها من لم تبلغه، یا ایهاالناس لیبلغ الشاهد الغائب، فرب حامل فقه لیس بفقیه و رب حامل فقه الی من هو افقه منه، ثلاث لا یغل علیهن قلب امری مسلم: اخلاص العمل لله والنصیحة لائمة المسلمین واللزوم لجماعتهم، فان دعوتهم محیطة من ورائهم المومنون اخوة تتکافادماؤهم و هم ید علی من سواهم یسعی بذمتهم ادناهم(۸)

خدا مسرت عطا کرے گا اپنے اس بندہ کو جو میری بات سنے، اسے یاد رکھے اور محفوظ رکھے اور پہنچادے ان لوگوں تک جن تک نہیں پہنچی، لوگو! جو تم میں اس وقت موجود

toobaa-elibrary.blogspot.com

ہیں وہ ان کو پہنچا دیں جو موجود نہیں۔ آگاہ ہو جاؤ کہ بہت سے عالم دین ایسے ہیں جو حقیقتاً عالم نہیں اور بہت سے علم والے ایسے ہیں جو رجوع کرتے ہیں اس شخص کی طرف جو ان سے زیادہ عالم ہے۔ تین باتیں ایسی ہیں جن سے مردِ مسلم کا دل بیگانگی نہیں کرتا: اول خدا کی عبادت میں اخلاصِ عمل، دوسری ائمہ مسلمین سے خلوص اور تیسری ان کی جماعت میں رہنا، اپنے اوپر لازم کرنا کیونکہ اپنی مطیع رعایا کے لئے معاش مہیا کرنے کی اُن پر ذمہ داری ہے۔ مومنین آپس میں ایک دوسرے کے بھائی بھائی ہیں، ان کے خون برابر ہیں، وہ مددگار ہیں مخالفوں کے مقابل اور ذمہ دار ہیں اپنے سے پست درجہ والوں کے (یعنی فقراء کی معاشی ضرورتوں کے ذمہ دار ہیں)

شیخ یعقوب کلینی نے یہ روایت تین مختلف سلسلہ سند سے بیان کیا ہے اور تینوں طرق میں اس بات کی نشاندہی ہوتی ہے کہ پیغمبر اسلام نے ایک چیز کی خصوصی طور پر تاکید کی اور وہ یہ تھی کہ آپ تبلیغ دین کو احسن طریقے سے پایہ تکمیل تک پہنچا چکے ہیں اور آگے ترسیل کے لئے لوگوں کی ذہن سازی کرنا چاہتے ہیں۔ اس حدیث میں خطبہ حجۃ الوداع کے حوالے سے معروف دیگر نکات جو ہمیں اور کتب میں ملتے ہیں وہ نظر نہیں آتے۔ ہو سکتا ہے کہ شیخ موصوف نے حجۃ الوداع کو تاریخی تناظر میں نہ دیکھا ہو صرف نقلِ حدیث کی منشا کو مدِ نظر رکھتے ہوئے وہی بیان کیا ہو جو اُس وقت اُن تک پہنچا تھا۔

ایک اور اہم محدث امام مسلم نے قدرے تفصیل سے خطبہ حجۃ الوداع بیان کیا ہے۔ اُن کے ہاں خطبہ حجۃ الوداع سے متعلق کافی حدیثیں موجود ہیں۔ امام بخاری کی نسبت امام مسلم نے کئی اضافی نکات بیان کئے ہیں۔ ذیل میں ہم ایک حدیث بیان کرنے پر اکتفاء کرتے ہیں:

ان دماء کم و اموالکم حرام علیکم کحرمة یومکم هذا، فی شهرکم هذا، فی بلدکم هذا، الا کل شی ء من امر الجاهلیة تحت قدمی موضوع، و دماءُ الجاهلیة موضوعة، و ان اول دم اضع من دمائنا دم ابن ربعیة بن الحارث، کان مسترضعا فی بنی سعد فقتلته هذیل، و ربا الجاهلیة موضوع، و اول ربا اضع ربانا، ربا عباس بن عبدالمطلب، فانه موضوع کله، فاتقوا الله فی النساء، فانکم اخذتموهن بامان الله، و استحللتم فروجهن بکلمة الله، و لکم علیهن

toobaa-elibrary.blogspot.com

ان لا یوطئن فروشکم احدا تکرھونہ فان فعلن ذلك فاضربوھن ضربا غیر مبرح ولھن علیکم رزقھن و کسوتھن بالمعروف، وقد ترکت فیکم ما لن تضلوا بعدہ ان اعتصمتم بہ، کتاب اللہ۔۔۔۔۔(۹)

''تمہارے خون اور اموال ایک دوسرے پر حرام ہیں جیسے آج کے دن کی حرمت ہے اس مہینے کے اندر اس شہر کے اندر اور ہر چیز زمانہ جاہلیت کی میرے دونوں پیروں کے نیچے رکھ دی گئی اور جاہلیت کے خون بے اعتبار ہو گئے اور پہلا وہ خون جو میں اپنے خونوں میں سے معاف کئے دیتا ہوں وہ ابن ربیعہ کا خون ہے کہ وہ دودھ پیتا تھا بنی سعد میں اور اس کو ہذیل نے قتل کر ڈالا اور اسی طرح زمانہ جاہلیت کا سود سب چھوڑ دیا گیا۔ اور پہلے جو سود کہ ہم اپنے یہاں کے سود میں سے چھوڑ دیتے عباس بن عبدالمطلب کا سود ہے۔ اس لئے کہ وہ سب معاف کر دیا گیا۔ اور تم لوگ اب ڈرو اللہ سے کہ عورتوں پر زیادتی نہ کرو اس لئے کہ ان کو تم نے اللہ پاک کی امان سے لیا ہے اور حلال کیا ہے تم نے ان کے ستر کو اللہ تعالیٰ کے کلمہ سے اور تمہارا حق ان پر یہ ہے کہ تمہارے بچھونے پر کسی ایسے شخص کو نہ آنے دیں جس کا تم کو ناگوار ہو۔ پھر اگر وہ ایسا کریں تو ان کو ایسا مارو کہ ان کو سخت چوٹ نہ لگے اور ان کا حق تمہارے اوپر اتنا ہے کہ روٹی ان کی اور کپڑا ان کا دستور کے موافق تمہارے ذمہ ہے اور تمہارے درمیان چھوڑے جاتا ہوں میں ایسی چیز کہ اگر تم اسے مضبوط پکڑے رہو تو کبھی گمراہ نہ ہو اللہ کی کتاب۔۔۔۔''

طوالت سے بچنے کے لئے ہم مزید کتبِ احادیث کی طرف ملتفت نہیں ہوں گے۔ کم و بیش دیگر تمام محدثین نے بھی خطبہ حجۃ الوداع کا تذکرہ الگ الگ انداز میں کیا ہے۔ البتہ ایک مشترکہ بات یہ سامنے آتی ہے کہ تمام محدثین نے مفصل انداز میں نہیں لکھا۔ زیادہ تر اس بات کی وضاحت نظر آتی ہے کہ پیغمبر اسلام نے اپنے انتقال کی خبر دی، پھر آپ نے مسلمان مسلمان کا بھائی ہے جیسے اصول کی نشاندہی کی۔ جبکہ خواتین سے متعلق خصوصی طور پر تاکید کی۔ البتہ آج کے دور میں معروف خطبہ حجۃ الوداع کی پوری جامعیت کسی بھی حدیث کی کتاب میں نہیں ملتی۔ یہ معلوم کرنا ہو گا کہ محدثین نے اس جانب توجہ کیوں

toobaa-elibrary.blogspot.com

نہ دی کہ تمام کے تمام خطبے کو بیان کر دیتے۔ صرف چند نکات کے بیان کو ضروری سمجھا۔ اس پہلو سے تحقیق کی اشد ضرورت ہے۔ اب ہم سیرت کی کتب کی طرف رجوع کرتے ہیں۔

سیرت کی کتب میں مغازی کو اولیت حاصل ہے۔ یہ کتاب دوسری صدی ہجری کے آواخر میں لکھی گئی۔ بنیادی طور پر کتاب لکھنے کا مقصد یہ تھا کہ پیغمبر اسلام کے اُن غزوات کا ذکر کیا جائے جو آپ کی زندگی میں رونما ہوئے۔ اس سلسلے میں کتاب کے مصنف نے اولین غزوہ سے لے کر پیغمبر اسلام کی زندگی کے آخری غزوہ ''تبوک'' کو مفصل اور جامع انداز میں بیان کیا ہے۔ گویا یہ کتاب جہاں غزوات النبی اور سریہ کی وضاحت کرتی ہے وہی پیغمبر اسلام کی سیرت کے کئی پہلو بھی اُجاگر کرتی ہے۔ خطبہ حجۃ الوداع کے حوالے سے مغازی نے بھی وہی الفاظ و ترتیب رکھی ہے جو دیگر محدثین اور مورخین نے رکھی ہے۔ البتہ ابن ہشام کی طرح مغازی نے بھی '' ایھا الناس'' کے جملے سے خطبہ کا آغاز رکھا ہے۔ ذیل میں ہم مغازی میں موجود خطبہ درج کرتے ہیں:

ایھا الناس، انی واللہ ما ادری لعلی لا القاکم بمکانی ھذا یومکم ھذا! رحم اللہ امراء سمع مقالی فوعاھا، فرب حامل فقہ لا فقہ لہ، و رب حامل فقہ الی من ھو افقہ منہ! واعلموا ان اموالکم و دماءکم حرام علیکم کحرمۃ یومکم ھذا فی شھرکم ھذا فی بلدکم ھذا واعلموا ان الصدور لا تغل علی ثلاث، اخلاص العمل للہ، و مناصحۃ اھل الامر، و لزوم جماعۃ المسلمین، فان دعوتھم تحیط من ورائھم الا ان کل شیء من امر الجاھلیۃ تحت قدمی موضوع، و اول دماء الجاھلیۃ اضع دم ایاس بن ربیعۃ بن الحارث، کان مسترضعا فی بنی سعد، فقتلتہ ھذیل، و ربا الجاھلیۃ موضوع کلہ، و اول رباً اضعہ ربا العباس بن عبد المطلب، اتقوا اللہ فی النساء فانما اخذتموھن بامانۃ اللہ، واستحللتم فروجھن بکلمۃ اللہ، و ان لکم علیھن ان لا یوطئن فرشکم احدا تکرھونہ، فان فعلن فاضربوھن ضربا غیر مبرح، و لھن علیکم رزقھن و کسوتھن بالمعروف، قد ترکت فیکم ما لن تضلوا بعدہ ان اعتصمم بہ، کتاب اللہ تبارک و تعالیٰ.....(۱۰)

toobaa-elibrary.blogspot.com

لوگو! میری باتیں سن لو مجھے کچھ خبر نہیں کہ میں تم سے اس قیام گاہ میں اس سال کے بعد پھر کبھی ملاقات کر سکوں۔ تروتازہ رکھے اللہ اس بندے کو جس نے میری بات کو سنا، حفظ کیا اور یاد کیا۔ پھر اس کو جس نے نہیں سنا، اس تک پہنچایا۔ کتنے ہی ایسے لوگ ہیں جو خود غیر فقیہ ہیں مگر فقہ کو اٹھائے پھرتے ہیں۔ اور بہت سے فقہ اٹھانے والے اپنے سے زیادہ فقہ والے کی طرف بات لے جاتے ہیں۔ تین چیزیں ہیں جن پر مؤمن کا دل خیانت (تقصیر) نہیں کرتا: صرف اللہ کے لئے عمل کے اخلاص میں، اور مسلمانوں کے حکمرانوں کی خیر خواہی میں، اور ان کی جماعت سے چمٹے رہنے میں، بے شک ان کی دعا ان پچھلے لوگوں کو بھی گھیر لیتی ہے۔ ہاں جاہلیت کے تمام دستور آج میرے پاؤں کے نیچے ہیں، جاہلیت کے تمام جھگڑے میں ملیامیٹ کرتا ہوں۔ پہلا خون جو باطل کیا جاتا ہے وہ ربیعہ بن حارث عبدالمطلب کے بیٹے کا ہے، جس کو بنو ہذیل نے قتل کر دیا تھا۔ اللہ نے فیصلہ فرما دیا ہے کہ سود ختم کر دیا گیا اور سب سے پہلے میں عباس بن عبدالمطلب کا سود باطل کرتا ہوں۔ اپنی بیویوں کے متعلق اللہ سے ڈرتے رہو۔ خدا کے نام کی ذمہ داری سے تم نے ان کو بیوی بنایا اور خدا کے کلام سے تم نے ان کا جسم اپنے لیے حلال بنایا ہے۔ تمہارا حق عورتوں پر اتنا ہے کہ وہ تمہارے بستر پر کسی غیر کو نہ آنے دیں لیکن اگر وہ ایسا کریں تو ان کو ایسی مار مارو جو نمودار نہ ہو اور عورتوں کا حق تم پر یہ ہے کہ تم ان کو اچھی طرح کھلاؤ، اچھی طرح پہناؤ۔ میں تم میں ایک چیز چھوڑتا ہوں۔ اگر تم نے اس کو مضبوط پکڑ لیا تو گمراہ نہ ہوگے اور کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ۔

ہم نے طوالت سے بچنے کے لئے مغازی اور سیرت ابن ہشام کا انتخاب کیا ہے۔ حالانکہ دیگر معتبر کتابیں بھی ہمارے پیش نگاہ تھیں لیکن اُن کتب میں موجود خطبہ بہت مختصر اور ہمارے موقف کے تائید میں زیادہ معاون نہیں بن سکتا تھا۔ واقدی نے بھی دیگر مصنفین کی طرح یہ وضاحت نہیں کی کہ خطبہ حجۃ الوداع پیغمبر اسلام کے آخری حج کے دوران مکہ میں وقتاً فوقتاً دیئے گئے خطبات کا اجتماعی نام ہے یا صرف ایک ہی جگہ دیا گیا کوئی انفرادی خطبہ ہے۔ البتہ انہوں نے یہ ضرور ذکر کیا ہے کہ پیغمبر اسلام نے

toobaa-elibrary.blogspot.com

جمع صلوا تین سے قبل عرفات میں ایک خطبہ دیا تھا اور اُس خطبے کی جزئیات بعینہ وہی ہیں جس کا تذکرہ دیگر مصنفین نے کیا ہے۔ مغازی میں درج خطبہ میں چار اُمور کی نشاندہی ملتی ہے:

اول: مال وخون کی حرمت

دوم: سود کی ممانعت

سوم: عورتوں کے حقوق کی وضاحت

چہارم: جماعت کے ساتھ وابستگی

اگرچہ مغازی میں بھی خطبہ پوری جامعیت کے ساتھ نہیں ہے۔ بعض معروف جملے جو دیگر کتب میں ملتے ہیں وہ، کتاب ہذا سے منہا ہیں۔ لیکن بطور مجموعی خطبہ کی تھوڑی بہت جامعیت نظر آتی ہے۔ سیرتِ ابن ہشام میں موجود خطبہ حجۃ الوداع کی عبارت یہ ہے:

أيها الناس، اسمعوا قولى، فإنى لا أدرى لعلى ألقاكم بعد عامى هذا بهذا الموقف أبداً، أيها الناس، إن دمائكم و أموالكم عليكم حرام إلى أن تلقوا ربكم كحرمة يومكم هذا و كحرمة شهركم هذا، و إنكم ستلقون ربكم فيسألكم عن أعمالكم، و قد بلغت، فمن كانت عنده أمانة فليؤدها إلى من ائتمنه عليها، و إن كل ربا موضوع، ولكن لكم رؤس أموالكم لا تظلمون ولا تُظلمون، و قضى الله أنه لا ربا، وإن رِبا عباس بن عبدالمطلب موضوع، كله، و أن كل دم كان فى الجاهلية موضوع، و إن أول دمائكم أضع دم ابن ربيعة بن الحارث بن عبدالمطلب، و كان مسترضعاً فى بنى ليث فقتلته هذيل، فهو أول ما أبدأ به من دماء الجاهلية، أما بعد أيها الناس، فإن الشيطان قد يئس أن يعبد بأرضكم هذه أبداً، ولكنه إن يطع فيما سوى ذلك فقد رضى به مما تحقرون من أعمالكم، فاحذروه على دينكم، أيها الناس، إن النسىء زيادة فى الكفر يضل به الذين كفروا يحلونه عاماً و يحرمونه عاماً ليواطئوا عدة ما حرم الله فيحلوا ما حرم الله، و يحرموا ما أحل الله، و إن الزمان قد استدار كهيئته يوم خلق الله السموات والأرض، و إن عدة

toobaa-elibrary.blogspot.com

الشهور عندالله اثنا عشر شهراً، منها أربعة حرم: ثلاثة متوالية، و رجب مضر الذی بین جمادی و شعبان، أما بعد أیها الناس، فإن لکم علی نسائکم حقاً، و لهن علیکم حقاً، لکم علیهن ألا یوطئن فرشکم أحداً تکرهونه، و علیهن أن لا یأتین بفاحشة مبینة، فإن فعلن فإن الله قد أذن لکم أن تهجروهن فی المضاجع، و تضربوهن ضرباً غیر مبرح، فإن انتهین فلهن رزقهن و کسوتهن بالمعروف، استوصوا بالنساء خیراً فإنهن عندکم عوان لا یملکن لأنفسهن شیئا، و إنکم إنما أخذتموهن بأمانة الله، واستحللتم فروجهن بکلمات الله، فاعقلوا أیها الناس قولی، فإنی قد بلغت، و قد ترکت فیکم ما إن اعتصمتم به فلن تضلوا أبداً أمراً بینا کتاب الله و سنة نبیه، أیها الناس اسمعوا قولی واعقلوه، تعلمن أن کل مسلم أخ للمسلم، و أن المسلمین إخوة، فلا یحل لامری من أخیه إلا ما أعطاه عن طیب نفس منه، فلا تظلمن أنفسکم، اللهم هل بلغت، فذکری أن الناس قالوا: اللهم نعم، قال رسول الله: اللهم اشهد۔(۱۱)

اے لوگو! میری بات غور سے سنو شاید اس سال کے بعد میں اس جگہ تم سے کبھی ملاقات نہ کروں۔ اے لوگو! تمہارے خون اور تمہارے مال آپس میں ایک دوسرے پر حرام ہیں یہاں تک کہ تم اپنے پروردگار سے جاملو اسی طرح جیسے اس دن کی حُرمت ہے اور اس مہینے کی حُرمت ہے اور بے شک تم اپنے پروردگار کے حضور میں حاضر ہوں گے اور وہ تم سے تمہارے اعمال کا سوال کرے گا اور میں سب باتیں تم کو بتا چکا ہوں۔ پس جس شخص کے پاس کسی کی امانت ہو وہ اس کی امانت ادا کرے اور کوئی شخص اپنے قرضدار سے بجز راس المال کے سُود نہ لے کیونکہ سُود خارج کر دیا گیا ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس کا فیصلہ فرمایا ہے۔ اور عباس بن عبدالمطلب کا سُود بھی خارج ہے اور جس قدر خون زمانہ جاہلیت کے تھے سب ختم ہیں اور سب سے پہلے جو خُون زمانہ جالیت کا میں ختم کرتا ہوں وہ خون ابن ربیعہ بن حرث بن عبدالمطلب کا ہے جس کو بنی ہذیل نے قتل کیا

toobaa-elibrary.blogspot.com

تھا۔ پس یہ جاہلیت کے خون معاف کرنے میں ابتدا میں کرتا ہوں۔ اور اے لوگو! اس تمہارے ملک میں شیطان اپنی پرستش کئے جانے سے نااُمید ہو گیا ہے۔ یعنی ملکِ عرب میں کبھی اس کی پرستش نہ ہو گی مگر ہاں اور چھوٹی چھوٹی باتوں پر وہ راضی ہو گیا ہے جن کو تم بُرے گناہوں میں شمار نہ کرو گے۔ پس تم کو اپنے دین کی شیطان سے حفاظت لازم ہے۔ اے لوگو! نسیٔ کی بدعت جو کفار نے ایجاد کی تھی یہ کفر کی زیادتی میں شمار ہے یعنی حرام مہینوں کو حلال مہینوں کے بدلہ میں حلال مہینوں کو حرام کر لینا۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیشہ سے بارہ مہینے رکھے ہیں جن میں سے چار حرام ہیں۔ تین پے در پے یعنی ذی قعد، ذی الحج اور محرم اور ایک رجب جو جمادی الثانی اور شعبان کے درمیان ہے۔ اور اے لوگو! تمہارا تمہاری عورتوں پر حق ہے اور تمہاری عورتوں کا بھی تم پر حق ہے۔ تمہارا عورتوں پر یہ حق ہے کہ وہ تمہارا فرش کسی بھی ایسے شخص کے لئے نہ لگائیں جسے تم پسند نہیں کرتے اور کوئی فحش بات ظاہر اًنہ کریں۔ پس اگر وہ ایسا کریں تو اللہ تعالیٰ نے تم کو حکم دیا ہے کہ تم اُن کو اپنے سے جدا سلاؤ اور اس طرح مارو جو زیادہ تکلیف دہ نہ ہو پھر اگر وہ اُن باتوں سے باز آجائیں تو اُن کا کھانا کپڑا حسبِ حیثیت تمہارے ذمہ ہے۔ اے لوگو! عورتوں کے ساتھ بھلائی کرو وہ تمہاری مددگار ہیں اور اپنے لئے کچھ اختیار نہیں رکھتیں اور تم نے اُن کو خدا کی امانت کے ساتھ لیا ہے اور خدا کے کلام کے ساتھ اُن کو حلال کیا ہے۔ پس اے لوگو! میرے ان احکام کو خوب سمجھو اور میں نے تم میں ایک ایسی چیز چھوڑی ہے کہ اگر اُس کو تم مضبوط پکڑے رہو گے تو کبھی گمراہ نہ ہو گے۔ کتاب اللہ اور اُس کے نبی کی سنت۔ اے لوگو! میری ان باتوں کو سنو اور خوب سمجھ لو اور جان لو کہ مسلمان مسلمان کا بھائی ہے اور سب مسلمان ایک دوسرے کے بھائی ہیں۔ پس مسلمان کے مال میں سے دوسرے مسلمان کو کوئی چیز لینی حلال نہیں ہے سوا اُس چیز کے جو وہ اپنی خوشی سے بخش دے۔ پس تم ایک دوسرے پر ظلم نہ کرنا۔ پھر آپ نے فرمایا: اے اللہ! کیا میں نے تیرے احکامات بندوں تک پہنچا دیئے، سب حاضرین نے

toobaa-elibrary.blogspot.com

عرض کیاہاں بے شک آپ نے احکاماتِ الٰہی ہم کو پہنچادیئے۔ آپ نے فرمایا: اے اللہ!
تو گواہ ہو جا۔

خطبہ ہذا کو سیرت اب ہشام سے انتخاب کرنے کی ایک وجہ یہی ہے کہ کتاب میں تسلسل ہے۔ پوری جامعیت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ لیکن بعض ایسے اُمور ہیں کہ جو خطبہ ہذا میں ذکر نہیں ہوئے۔ جبکہ بعض دیگر مصنفین نے اُن موارد کا ذکر کیا ہے۔ من جملہ ان میں سے ایک غلاموں کے حقوق کے بارے میں ہے۔

اس بارے میں اختلاف ہے کہ پیغمبر اسلام نے خطبہ حجۃ الوداع کس جگہ دیا تھا۔ مختلف الرائے ہونے کی نسبت وثوق سے نہیں کہا جاسکتا کہ در حقیقت ایک ہی وقت میں ایک ہی جگہ اور ایک ہی تقریر میں آپ نے کن موارد کی طرف اشارہ کیا تھا۔ بعض لوگ قائل ہیں کہ آپ نے یہ خطبہ منیٰ میں ایک اونٹ پر بیٹھ کر دیا تھا۔(۱۲)

علامہ حلبی مدعی ہیں کہ حجۃ الوداع کے موقع پر پیغمبر اسلام نے پانچ خطبے دیئے تھے۔ پہلا خطبہ ذی الحجہ کی سات تاریخ کو، دوسرا خطبہ یوم عرفہ میں، تیسرا خطبہ منیٰ میں یوم نحر کے وقت، چوتھا خطبہ منیٰ میں یوم نفر کے وقت، پانچواں خطبہ بھی منیٰ میں یوم نفر اول میں ہی دیا۔(۱۳)

حجۃ الوداع میں پیغمبر اسلام نے چار خطبات ارشاد فرمائے جیسا کہ امام نووی شرح مسلم میں لکھتے ہیں کہ "ہمارے نزدیک چار خطبات ہیں: پہلا مکہ میں کعبہ کے نزدیک ذوالحجہ کے ساتویں دن، دوسرا مسجد نمرہ میں عرفہ کے دن، تیسرا منیٰ میں نحر کے دن، چوتھا ایام التشریق کے دوسرے دن منیٰ میں۔"(۱۴)

چوتھی صدی ہجری کے معروف عالم دین ابو محمد الحسن بن علی بن الحسین شعبۃ الحرانی نے خطبہ حجۃ الوداع کو سب سے زیادہ مفصل انداز میں بیان کیا ہے۔ انہوں نے خطبہ میں وہ تمام باتیں ذکر کی ہیں جن کی نشاندہی عام طور پر دیگر کتب سے ہوتی ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ موصوف نے کافی دقت کے ساتھ خطبہ ہذا کی تحقیق و تطبیق کی ہے۔ ابن ہشام کے بعد سب سے زیادہ مفصل انداز میں خطبہ حجۃ الوداع کا تذکرہ ملتا ہے۔ ذیل میں الحرانی کی کتاب تُحف العقول میں درج کردہ خطبہ کا آخری حصہ تحریر کرتے ہیں جس میں پیغمبر اسلام نے انسانی حقوق خاص طور پر خواتین کے حقوق اور عالمِ انسانیت کی بات کی ہے۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

.....ایھا الناس!ان نسائکم علیکم حقا ولکم علیھن حقا، حقکم علیھن ان لا یوطئن احدا فرشکم، ولا یدخلن احدا تکرھونہ بیوتکم الا باذنکم والا یاتین بفاحشۃ، فان فعلن فان اللہ اذن لکم ان تعضلوھن و تھجروھن فی المضاجع و تضربوھن ضربا غیر مبرح، فاذا انتھین و اطعنکم فیکم رزقھن و کسوتھن بالمعروف، اخذتموھن بامانۃ اللہ واستحللتم فروجھن بکتاب اللہ، فاتقوا اللہ فی النساء واستوصوا بھن خیرا، ایھا الناس! انما المومنون اخوۃ، ولا یحل لمومن مال اخیہ الا عن طیب نفس منہ، الا ھل بلغت؟ اللھم اشھد فلا ترجعن کفارا یضرب بعضکم رقاب بعض فانی قد ترکت فیکم ما ان اخذتم بہ لن تضلوا: کتاب اللہ و عترتی اھل بیتی، الا ھل بلغت؟ اللھم اشھد، ایھا الناس! ان ربکم واحد وان اباکم واحد کلکم لآدم و آدم من تراب ان اکرمکم عنداللہ اتقاکم، ولیس لعربی علی عجمی فضل الا بالتقویٰ، آلا ھل بلغت؟ قالوا: نعم، قال، فلیبلغ الشاھد الغائب، ایھا الناس!ان اللہ قسم لکل وارث نشیبہ من المیراث ولا یجوز لوارث وصیۃ فی اکثر من الثلث، والولد للفراش و للعاھر الحجر، من ادعی الی غیر ابیہ و من تولی غیر موالیہ، فعلیہ لعنۃ اللہ والملائکۃ والناس اجمعین ولا یقبل اللہ منہ صرفا ولا عدلاً، والسلام علیکم و رحمۃ اللہ(۱۵)

لوگو! اپنی بیویوں کے متعلق اللہ سے ڈرتے رہو۔ خدا کے نام کی ذمہ داری سے تم نے ان کو بیوی بنایا اور خدا کے کلام سے تم نے ان کا جسم اپنے لیے حلال بنایا ہے۔ تمہارا حق عورتوں پر اتنا ہے کہ وہ تمہارے بستر پر کسی غیر کو نہ آنے دیں لیکن اگر وہ ایسا کریں تو ان کو ایسی مار مارو جو نمودار نہ ہو اور عورتوں کا حق تم پر یہ ہے کہ تم ان کو اچھی طرح کھلاؤ، اچھی طرح پہناؤ۔ بلاشبہ ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے اور تمام مسلمان بھائی بھائی ہیں، ہر مسلمان دوسرے مسلمان پر حرام و محترم ہے، اُس کا مال، اُس کی عزت و آبرو محترم ہے۔ اور میں نے تمہارے درمیان ایسی چیزیں چھوڑ دی ہیں کہ اگر ان کو

toobaa-elibrary.blogspot.com

تھامے (پکڑے) رہے تو پھر کبھی بھی گمراہ نہ ہوگے۔ صاف وروشن اللہ کی کتاب اور اس کے نبی کی عترت۔ لوگو! بے شک تمہارا ربّ ایک ہے اور بے شک تمہارا باپ ایک ہے، ہاں عربی کو عجمی پر عجمی کو عربی پر، سرخ کو سیاہ پر اور سیاہ کو سرخ پر کوئی فضیلت نہیں مگر تقویٰ کے سبب سے۔ اے اللہ گواہ رہ، پھر آپؐ نے فرمایا: ہر حاضر غائب کو یہ دعوت پہنچادے۔ اے لوگو! اللہ تعالیٰ نے میراث میں سے ہر وارث کے لئے ثابت کردہ حصہ مقرر کردیا ہے اور وارث کے لئے وصیت کرنا جائز نہیں۔ بچہ اس کا ہے جس کے بستر پر تولد ہوا اور بدکار کے لئے پتھر!۔ جس نے اپنے باپ کے بجائے کسی دوسرے کو باپ قرار دیا یا جس غلام نے اپنے آقا کے علاوہ کسی اور کو آقا ظاہر کیا تو ایسے شخص پر اللہ اور فرشتوں اور تمام انسانوں کی طرف لعنت ہے، اس سے (قیامت کے دن) کوئی بدلہ یا عوض قبول نہ ہوگا۔

الحرانی نے دیگر سیرت نگاروں سے کے نظریئے سے ہٹ کر یہ جملہ لکھا ہے کہ ''میں تمہارے درمیان دو چیزیں چھوڑے جارہا ہوں، ایک کتاب اللہ اور دوسری چیز میری عترت'' جبکہ دیگر سیرت نگاروں نے ''میری عترت'' کے بجائے ''میری سنت'' لکھا ہے۔ ایک اور سیرت نگار علی الکورانی کا نظریہ ہے کہ یہ خطبہ پیغمبر اسلام نے میدانِ عرفات میں دیا تھا۔ جبکہ آپ نے ایک خطبہ منیٰ میں بھی دیا تھا جس میں پیغمبر اسلام نے اپنی موت کی خبر دی، حرام مہینوں کی نشاندہی کی، مسلمانوں کو بتلایا کہ ان کا مال، خون اور حرمت ایک دوسرے کے لئے حرام ہے، سود کو حرام قرار دیا، جبکہ مسلمان کو دوسرے مسلمان کا بھائی قرار دیا۔ مجموعی طور پر اس خطبے میں اخلاقیات کے علاوہ کچھ احکامات ذکر ہوئے ہیں۔(۱۶)

مورخین نے بھی خطبہ حجۃ الوداع کا تذکرہ کیا ہے۔ اکثر کے نزدیک خطبہ دراصل پیغمبر اسلام کا حتمی اعلان تھا کہ آئندہ سال آپ حج نہیں کرسکیں گے کیونکہ آپ کی موت کا حتمی وقت آچکا ہے۔ لیکن اکثر محدثین کی طرح مورخین نے بھی خطبہ حجۃ الوداع کے بعض معروف جملے بیان نہیں کئے ہیں۔ جیسا کہ ابن جریر طبری نے اپنی کتاب ''تاریخ الامم والملوک'' میں ایک طویل کا خطبہ کا ذکر کیا ہے، سود، خون مسلم، مسلمان بھائی چارگی وغیرہ تفصیلاً ذکر ہیں لیکن حقوقِ انسانی کے حوالے سے کوئی بات نہیں ہے۔ یعنی

toobaa-elibrary.blogspot.com

جس میں پیغمبر اسلام کا وہ قول کہ جس میں آپ نے فرمایا تھا کہ کسی عربی کو عجمی پر اور کسی عجمی کو عربی پر اور نہ ہی کسی گورے کو کالے اور کالے کو گورے پر کوئی فضیلت نہیں تمام انسان حضرت آدم کی اولاد ہیں، یہ جملہ طبری میں موجود نہیں ہے۔ البتہ ابن جریر طبری نے خواتین سے متعلق خطبہ کا وہ حصہ ضرور بیان کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

.....اما بعد ایها الناس، فان لکم علی نسائکم حقا و لهن علیکم حقا، لکم علیهن یوطئن فرشکم احدا تکرهونه، و علیهن الا یاتین بفاحشة مبینة، فان فعلن فان اذن لکم ان تهجروهن فی المضاجع، و تضربوهن ضربا غیر مبرح، فان انتهین فلهن رزقهن و کسوتهن بالمعروف، واستوصوا بالنساء خیرا، فانهن عندکم عوان لا یملکن لانفسهن شیئا، و انکم انما اخذتموهن مامانة الله واستحللتم فروجهن بکلمة الله، فاعقلوا ایها الناس.....(۱۷)

امابعد! اے لوگو تمہاری بیویوں پر تمہارا حق ہے اور تم پر ان کا حق ہے، ان پر تمہارا یہ حق ہے کہ تمہاری مرضی کے خلاف تمہارے گھر کوئی غیر نہ آئے اور اُن پر یہ فرض ہے کہ وہ کوئی بدکاری نہ کریں، اگر وہ ایسا کریں تو اللہ نے تم کو اجازت دی ہے کہ تم ان کو ان کی خواب گاہوں میں چھوڑ دو اور ان سے کوئی واسطہ نہ رکھو اور معمولی مار مارو اگر اس سزا سے وہ باز نہ آجائیں تو تم فراخ دلی کے ساتھ ان کو نان ونفقہ دو اور ہمیشہ ایک دوسرے کو عورتوں کے ساتھ حسن سلوک کی نصیحت کرتے رہو وہ تمہاری دست نگر ہیں۔ خود اپنا کچھ نہیں رکھتیں اور تم نے ان کو اللہ کی امانت کے ساتھ اپنے نکاح میں لیا ہے اور اللہ کے کلمے کے ساتھ ان کی فروج کو حلال کیا ہے۔

معروف مورخ ابن اثیر مدعی ہیں کہ پیغمبر اسلام نے خطبہ حجۃ الوداع عرفات کے میدان میں دیا تھا۔ یہ ایک طویل خطبہ تھا جس میں پیغمبر اسلام نے خون مسلم کو حرام قرار دیا تھا، سود اور زمانہ جاہلیت کے خون بہا ختم کر دیئے، عورتوں کے بارے میں خاص طور پر تاکید کرتے ہوئے پیغمبر اسلام نے فرمایا کہ

toobaa-elibrary.blogspot.com

:''ایھا الناس! استوصوا بالنساء خیراً''(۱۸)اے لوگو! میں تمہیں خواتین سے خیر کی تلقین کرتا ہوں۔

محمد بن سعد کے نزدیک حجِ آخر کے دوران پیغمبر اسلام نے کئی خطبے دیئے: منیٰ میں، یوم النحر کے روز، یوم العقبہ میں، شبِ عرفہ، یوم عرفہ اور یوم الحج میں آپ نے مختلف خطبات دیئے۔ ان خطبات کا متن وہی ہے جس کا ذکر ہم نے مختلف محدثین، مورخین اور سیرت نگاروں کے حوالے سے سطور بالا میں ذکر کی ہے۔ البتہ ابن سعد نے غلاموں کے حقوق کے حوالے سے چند کلمات بیان کئے ہیں جو دیگر کتب میں موجود نہیں۔ ابن سعد کے مطابق پیغمبر اسلام نے حجۃ الوداع کے موقع پر غلاموں کے بارے میں ارشاد فرمایا:

ارِقاء کم ارقاء کم ! اطعموھم مما تاکلون واکسوھم مما تلبسون، وان جاء وا بذنب لا تریدون ان تغفروہ فبیعوا عباد اللہ ولا تعذبوھم (۱۹)

''اپنے غلاموں کا خیال رکھو، خیال رکھو! جو تم کھاؤ اسی میں سے انہیں کھلاؤ، جو تم پہنو اسی میں سے انہیں پہناؤ۔ اگر کوئی ایسا گناہ کرے جسے تم معاف نہ کرنا چاہو تو اے اللہ کے بندو انہیں بیچ ڈالو اور انہیں سزا نہ دو۔''

بعض سیرت نگاروں نے پیغمبر اسلام کے ایک اور خطبہ کا ذکر کیا ہے جو آپ نے مدینہ واپسی کے دوران غدیر خم نامی جگہ پر دیا تھا۔ اس خطبہ کی وجہ اگرچہ حضرت علی کی اہمیت واضح کرنا بتایا گیا ہے لیکن عمومی طور پر خطبے میں عقائد اسلام وایمان، اپنی موت کی نشاندہی، حق تبلیغ کی گواہی، قرآن اور اپنے اہلبیت کے بارے میں وصیت جیسے اُمور کا تذکرہ بھی ملتا ہے۔(۲۰)

خطبہ حجۃ الوداع پیغمبر اسلام کی تئیس سالہ زندگی کا تبلیغی، تعلیمی، سماجی، معاشی اور انسانی جدوجہد کا نچوڑ ہے۔ اس خطبہ میں نبوت کا اصل پیغام ''دعوت'' ہے، جس کی تعریف جس کام کی دعوت دی جانی ہو اس کی واضح نشاندہی اور اس دین کو قائم کرنے کے طریق کار کو واضح طور پر بتادیا گیا ہے۔ ہم یہاں خطبہ حجۃ الوداع کے چند نکات کو مرکزِ نگاہ بنا کر بحث کریں گے۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

اولین نکتہ کہ جس میں پیغمبر اسلام نے فرمایا: ''ایھا الناس ! اسمعوا منی ما ابین لکم ، فانی لاادری لعلی لاالقاکم بعد عامی ھذا فی موقفی ھذا ''اے لوگو ! مجھے بغور سن لو، ہو سکتا ہے اس سال کے بعد مجھے اس مقام پر تم دوبارہ نہ پاؤ۔اس نکتہ کی تشریح قرآن کی اس آیت میں ملتی ہے: ''الیوم اکملت لکم دینکم ''(۲۱)آج تمہارے لئے تمہارے دین کو مکمل کر دیا گیا۔اس پر تمام صحابہ کا اجماع ہو گیا اور تمام نے گواہی دی کہ آپ نے یہ دین پورا پورا کا قیامت تک کے انسانوں کیلئے پہنچا دیا۔ پھر پیغمبر اسلام نے تمام سے عہد لیا کہ جو موجود نہیں ہے ان تک دین کو پہنچا دیں گے۔

یوں تو ہر نبی اپنے اپنے زمانہ کے مطابق دینی احکام لاتے رہے مگر پیغمبر اسلام کی تشریف آوری سے قبل زمانہ کے حالات اور تقاضے تغیر پذیر تھے،اس لئے تمام نبی اپنے بعد آنے والے نبی کی خوشخبری دیتے رہے، یہاں تک کہ آپ مبعوث ہوئے۔پیغمبر اسلام پر نزول وحی کے اختتام سے دین پایۂ تکمیل کو پہنچ گیا تو آپ کی نبوت اور وحی پر ایمان لانا تمام نبیوں کی نبوتوں اور ان کی وحیوں پر ایمان لانے پر مشتمل ہے،اسی لئے اس کے بعد ''واتممت علیکم نعمتی ''فرمایا، علیکم یعنی نعمت نبوت کو میں نے تم پر تمام کر دیا، لہٰذا دین کے اکمال اور نعمت نبوت کے اتمام کے بعد نہ تو کوئی نیا نبی آسکتا ہے اور نہ سلسلۂ وحی جاری رہ سکتا ہے۔پیغمبر اسلام اس آیت کے نازل ہونے کے بعد اکیاسی دن زندہ رہے۔(۲۲)اور اس کے نزول کے بعد کوئی حکم حلال و حرام نازل نہیں ہوا۔ آپ آخری نبی اور آپ پر نازل شدہ کتاب کامل و مکمل ،آخری کتاب ہے۔

اللہ تعالیٰ پیغمبر اسلام کے ذریعے امتِ مسلمہ کو وجود میں لانے کا ارادہ رکھتا تھا۔اس مقصد کی خاطر اللہ کا ارادہ یہ تھا کہ آپ سرزمین عرب میں اسلام کو غلبہ دیں گے، عملاً اسلامی احکامات کو نافذ کر کے ایک اسلامی معاشرہ وجود میں لائیں گے اور خانہ کعبہ یعنی مسجد حرام کو ہمیشہ کے لئے مسلمانوں کا مرکز بنائیں گے۔اللہ کا ہر ارادہ پورا ہو کر رہتا ہے۔ چنانچہ یہ سارا کام رسول کے ہاتھوں پایہ تکمیل کو پہنچا۔اس مقصد کو حاصل کرنے کے لیے رسول کے لیے کچھ قوانین عام لوگوں سے مختلف ہوتے ہیں۔ بعض قوانین میں رسول کے لیے سختی کی جاتی ہے،اور بعض قوانین میں نرمی۔اسی طرح رسول کی دعوت کے علاقے کے لیے بھی ایک مختلف قانون بنتا ہے۔اپنے علاقے اور اپنے براہ راست مخاطبین کے لیے رسول

toobaa-elibrary.blogspot.com

کی حیثیت شروع میں ایک نذیر وبشیر کی ہوتی ہے، لیکن ایک خاص وقت ایسا آجاتا ہے جب رسول کے مخاطبین کے لیے اسی دنیا میں اللہ کی عدالت قائم کردی جاتی ہے، اور اُس عدالت سے رسول کے ساتھیوں، اور اُس کے مخالفین کے لیے جزاو سزا قائم کردی جاتی ہے۔ رسول کے ساتھیوں کو اس دنیا میں ایک خاص وقت تک، اللہ کے خصوصی فیصلے کے تحت، انعام اور غلبہ عطا کیا جاتا ہے، جب کہ رسول کے مخالفین پر، اُن کے جرائم کی مناسبت سے، سزا نافذ کردی جاتی ہے۔ مثلاً حضرت نوح ایک رسول تھے۔ جب سینکڑوں برس تک دعوت کے باوجود اُن کی قوم کے ایک بڑے حصے نے جانتے بوجھتے اسلام کا انکار کیا، اور دشمنی کی، تو اللہ نے، باقاعدہ پیشگی اعلان کے ساتھ، اُن کے مخالفین کو سیلاب میں غرق کردیا، اور نوح کے ساتھیوں کو بچا کر اُن کو زندگی کی نعمتیں دے دیں۔ دنیا کے اندر اس سزا و جزا کے نفاذ کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ گردوپیش کے سب لوگوں اور سب اقوام کے لیے یہ ایک زندہ سبق اور ثبوت ہو، اور یوں وہ پروردگار کی طرف رجوع کریں۔ اسی طرح حضرت لوط، حضرت صالح، حضرت شعیب، حضرت ہود، حضرت موسیٰ، اور حضرت عیسیٰ بھی اللہ کے رسول تھے۔ ان سب رسولوں کے فرمان برداروں اور نافرمانوں کو اسی دنیا میں جزاو سزا دی گئی۔ قرآن مجید نے بے شمار مواقع پر یہ داستانیں بیان کی ہیں، اور سب لوگوں کو بتایا کہ پیغمبر اسلام بھی ایک رسول ہیں۔ یہ رسول پہلے سب لوگوں کو دین کی دعوت دے گا۔ پھر ایک وقت آئے گا، جب پیغمبر اسلام کے مخاطبین پر اتمامِ حجت ہو جائے گا۔ چنانچہ اس اتمامِ حجت کے بعد آپ کے مخالفین کو اسی دنیا میں، اپنے جرم کی سنگینی کی نسبت سے، سزا دی جائے گی، اور آپ کے ساتھیوں کو غلبہ عطا کردیا جائے گا۔ اس سارے معاملے کو قرآن مجید نے ایک بہت بڑے ''سنت اللہ'' یعنی اللہ کے ایک خاص طریقے سے تعبیر کیا ہے، اور بتایا ہے کہ اللہ کا یہ طریقہ کبھی تبدیل نہیں ہوتا۔ پیغمبر اسلام کے معاملے میں تو یہ بات اس وجہ سے بہت ضروری تھی کہ آپ کی یہ عظیم ترین فتح ہمیشہ ہمیشہ کے لیے رسالتِ محمدی کا سب سے بڑا ثبوت بن جائے، آخری اُمتِ مسلمہ وجود میں آجائے، اور مکہ و مدینہ ہمیشہ کے لیے اسلام کے مرکز بن جائیں۔ چنانچہ پیغمبر اسلام کے متعلق مکی دور کے بالکل آغاز سے، جب کہ اسلام کی سربلندی کا سوچا بھی نہیں جا سکتا تھا، قرآن مجید نے یہ بات مسلسل واضح طریقے سے کی کہ اس

toobaa-elibrary.blogspot.com

رسول کو غالب آنا ہے۔اس مضمون کی بیسیوں آیات میں سے ہم بطور نمونہ چند آیات پیش کر رہے ہیں۔یہ آیات مکی دور کی ہیں۔ارشاد ہے:

''وَكُلًّا نَّقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ اَنبَآءِ الرُّسُلِ مَا نُثَبِّتُ بِهٖ فُؤَادَكَ وَجَآءَكَ فِيْ هٰذِهِ الْحَقُّ وَمَوْعِظَةٌ وَّذِكْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ، وَقُلْ لِّلَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ اعْمَلُوْا عَلٰى مَكَانَتِكُمْ اِنَّا عَامِلُوْنَ، وَانْتَظِرُوْٓا اِنَّا مُنْتَظِرُوْنَ''(۲۳)

اے محمد! اور پیغمبروں کے وہ سب حالات جو ہم تم سے بیان کرتے ہیں ان سے ہم تمہارے دل کو قائم رکھتے ہیں۔اور ان (قصص) میں تمہارے پاس حق پہنچ گیا اور یہ مومنوں کے لیے نصیحت اور عبرت ہے،اور جو لوگ ایمان نہیں لائے ان سے کہہ دو کہ تم اپنی جگہ عمل کیے جاؤ۔ہم اپنی جگہ عمل کیے جاتے ہیں،اور (نتیجۂ اعمال کا) تم بھی انتظار کرو،ہم بھی انتظار کرتے ہیں۔

ایک اور جگہ قرآن بیان کرتا ہے:

''يُرِيْدُوْنَ لِيُطْفِؤُوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ وَاللّٰهُ مُتِمُّ نُوْرِهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُوْنَ، هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ''(۲۴)

یہ دشمنانِ اسلام اپنے منہ کی پھونکوں سے اللہ کے نور کو بجھانا چاہتے ہیں،لیکن اللہ اپنے نور کو کامل کر کے رہے گا،خواہ یہ بات اِن منکرینِ حق کو کتنی ہی ناگوار ہو۔وہی اللہ ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دینِ حق کے ساتھ بھیجا تاکہ اُسے تمام ادیان پر غالب کر دے،خواہ مشرکین کو یہ کتنا ہی ناگوار گزرے۔

قرآن مجید پیغمبر اسلام کے اسی غلبے کی داستان ہمارے سامنے بیان کرتا ہے۔جب مکے کے سرداروں پر حجت تمام ہو گئی اور ان کی اکثریت نے تعصب اور ذاتی مفادات کی خاطر اسلام سے دشمنی اختیار کی تو اللہ نے اپنے غیبی امداد کے ذریعے مدینے کے لوگوں کے اندر اسلام کی محبت ڈال دی۔انہوں نے پیغمبر اسلام کو اپنے ہاں آنے اور حکومت قائم کرنے کی دعوت دی۔یوں انتہائی پُرامن جمہوری

toobaa-elibrary.blogspot.com

طریقے پر آپ نے مسلمان معاشرہ اور اسلامی حکومت قائم کر دی۔ اس کے بعد بھی پیغمبر اسلام نے صرف اُن لوگوں کے خلاف لڑائی لڑی، جنہوں نے مسلمانوں پر حملہ کیا، یا حملے کے لیے منصوبہ بندی کی۔ اس دوران میں ہر وقت پیغمبر اسلام کی یہ کوشش تھی کہ مسلمانوں کو امن کا وقفہ میسر آجائے، تاکہ جتنے لوگ قریش کے سرداروں کے زیرِ اثر نہیں ہیں، اُن کو اسلام کی دعوت پہنچ جائے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ نے ہر ممکن طریقے سے امن کے قیام کو اپنا ہدف بنایا۔ مثلاً صلح حدیبیہ کے متعلق صحابہ بہت غمگیں تھے، اس لیے کہ ان کے خیال میں یہ صلح دب کر کی جارہی تھی، اور اس صلح میں قریش کی صریح ناانصافی پر مبنی شرطیں بھی مانی جارہی تھیں۔ مگر اس صلح کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہوا کہ سرزمینِ عرب کے دوسرے قبیلے قریش کی گرفت سے نکل گئے۔ چنانچہ اس صلح کے دو برس کے اندر جتنے لوگ مسلمان ہوئے، اُتنے اس سے پہلے اٹھارہ برس میں نہیں ہوئے تھے۔ صلح حدیبیہ کے بعد مسلمان سکون واطمینان کے ساتھ ہر جگہ آجا سکتے تھے اور ان کا جان ومال محفوظ ہو گیا تھا، اور عملی طور پر مشرکین کے ساتھ قریبی تعلق اور میل جول پیدا ہوا، ایسے تعلقات جس کے نتیجہ میں مشرکین کو اسلام کی زیادہ سے زیادہ پہچان کے ساتھ ان کی توجہ اسلام کی طرف مائل ہوئی۔

صلح حدیبیہ کے بعد اسلام کی نشر واشاعت کے لیے سارے جزیرۃ العرب میں راستہ کھل گیا، اور پیغمبر کی صلح طلبی کی شہرت نے مختلف اقوام کو. جو پیغمبر کی ذات اور اسلام کے متعلق غلط نظریہ رکھتے تھے. تجدید نظر پر آمادہ کیا، اور تبلیغاتی نقطۂ نظر سے بہت سے وسیع امکانات ووسائل مسلمانوں کے ہاتھ آئے۔ واقعہ حدیبیہ کے بعد پیغمبر اسلام نے بڑے بڑے ملکوں، ایران وروم وحبشہ کے سربراہوں اور دُنیا کے بڑے بڑے بادشاہوں کو متعدد خطوط لکھے اور انہیں اسلام کی طرف دعوت دی اور یہ چیز اچھی طرح سے اس بات کی نشاندہی کرتی ہے کہ صلح حدیبیہ نے مسلمانوں میں کس قدر خود اعتمادی پیدا کر دی تھی، کہ نہ صرف جزیرہ عرب میں بلکہ اس زمانہ کی بڑی دُنیا میں ان کی راہ کو کھول دیا۔

پھر قرآن مجید نے بتایا کہ اب بھی اگر ایسے لوگ موجود ہوں، جو سمجھتے ہیں کہ اُن کو اسلام کی دعوت پوری وضاحت کے ساتھ نہیں ملی، تو اُن کو یہ دعوت ہے کہ وہ مدینے آکر اسلام کو سمجھیں۔ اس کے بعد اُن کو واپس اُن کے گھروں تک حفاظت کے ساتھ پہنچا دیا جائے گا، اور پھر وہ اپنی آزادانہ مرضی سے یہ فیصلہ

toobaa-elibrary.blogspot.com

کریں کہ وہ اسلام قبول کرنا چاہتے ہیں یا نہیں۔ یہ ساری ہدایات سورۃ توبہ میں نازل ہوئیں۔ اس اعلان میں مشرکین کو چار مہینے کا وقت دیا گیا تھا۔ ان چار مہینوں میں سرزمینِ عرب کے سب مشرکین نے اسلام قبول کر لیا۔ یہ سارا معاملہ پیغمبر اسلام کے ساتھ، بحیثیتِ رسول، خاص تھا۔ آپ کے لیے یہ اللہ کا وعدہ تھا کہ آپکے ساتھیوں کو لازماً غلبہ عطا کیا جائے گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ اللہ کا یہ وعدہ عام مسلمانوں کے لیے نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بعد کے مسلمانوں کو دنیوی تدبیر اور حالات کے مطابق کامیابی بھی ملی ہے، اور انہوں نے فیصلہ کن شکستیں بھی کھائی ہیں۔

تاریخ میں اور کوئی شخصیت ایسی نہیں ملے گی جو یہ دعویٰ کر سکے کہ میں اپنا کام، اپنا مشن مکمل کر کے جا رہا ہوں۔ تاریخ انسانی میں پیغمبر اسلام وہ واحد شخصیت ہیں جن کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ انہوں نے اپنا مشن پورا کیا۔ اور نہ صرف پورا کیا بلکہ تکمیل پر اپنے صحابہ کو اس پر گواہ بنایا۔ حجۃ الوداع کے موقع پر پیغمبر اسلام نے صحابہ سے فرمایا وأنتم تسئلون عنی کہ قیامت کے روز تم سے میرے بارے میں پوچھا جائے گا۔ جب قیامت کا دن ہوگا، اللہ کی عدالت ہوگی تو اللہ تم لوگوں سے پوچھے گا کہ تمہاری طرف ایک پیغمبر کو مشن دے کر، پیغام دے کر بھیجا تھا، اس نے اپنا فرض ادا کیا یا نہیں، تو تم لوگ کیا جواب دو گے؟ اس پر صحابہ نے اجتماعی آواز سے کہا: بلغت وادیت ووفیت آپ نے پیغام پہنچا دیا اور پہنچانے کا حق پوری طرح ادا کر دیا۔ پیغمبر اسلام نے اس پر آسمان کی طرف انگلی اٹھا کر کہا "اللّٰھم اشھد" یا اللہ تو گواہ رہنا۔

خطبہ کا دوسرا اہم نکتہ کہ جس میں پیغمبر اسلام نے فرمایا: " فان اللہ حرم علیکم دماء کم واموالکم واعراضکم کحرمۃ یومکم ھذا فی شھرکم ھذا فی بلدکم ھذا" تمہارا خون، تمہارا مال اور تمہاری عزت و آبرو اسی طرح محترم ہیں جس طرح یہ دن، جس طرح یہ مہینہ اور یہ شہر۔ دنیا کے تمام منشورات اسی دفعہ کی تشریحات میں ہیں۔ یہ یاد رہے کہ اس خطبے میں آپ نے جہاں بھی خطاب کیا ہے "یا ایھا الناس" سے کیا ہے نہ کہ خصوصی طور پر مسلمانوں سے۔ کسی کی جان، مال یا عزت پر ہاتھ ڈالنا، اس مہینے، اس دن اور اس شہر کی بے حرمتی کرنا ہے۔ پیغمبر اسلام کا خطاب صرف مسلمانوں سے نہیں تھا بلکہ تمام انسانوں سے تھا چاہے وہ کسی مذہب سے تعلق رکھتے ہوں۔ مسلمانوں کو خاص کر کے بھی

toobaa-elibrary.blogspot.com

فرمایاکہ:''الا المسلم اخوا المسلم'' (خبردار؛ایک مسلمان دوسرے مسلمان کابھائی ہے)۔مسلک ،جماعت،عقیدے یاسیاسی، سماجی ومعاشی نظریے میں ہزارہااختلافات ہوں لیکن کسی بھی شخص کو پیغمبر اسلام نے یہ اجازت نہیں دی کہ وہ دوسرے پر ہاتھ اٹھائے یاکسی کی تحقیر یاتکفیر کرے یاکسی کامال ہڑپ کرے۔قرآن وحدیث میں زیادہ ترایسے احکام ہیں جن کا تعلق حقوق العباداور مکارم اخلاق وکردار سے ہے۔مثلاًماں باپ،رشتہ داراورپڑوسی کے حقوق،ناپ تول میں کمی،امانت وخیانت،غیبت وچغل خوری، عہد کی پاسداری، جھوٹ اور سچ ،اخوت ،انفاق، خدمت خلق وغیرہ۔ان موضوعات پر جتنی آیات و احادیث ہیں،ان پر تمام مسالک وجماعتوں کااتفاق ہے۔ایسا کہیں نہیں ہے کہ کسی مسلک میں ناپ تول کی کمی کی پوری یاکسی حدتک اجازت ہےاور کسی مسلک میں غیبت یاجھوٹ یابدعہدی کی دس بیس فیصد تک اجازت ہے۔ سارے مذاہب و مسالک اس بات پر متفق ہیں کہ حقوق العباد اور مکارمِ اخلاق و کردار، اسلام کی ریڑھ کی ہڈی ہیں۔

تیسرااہم نکتہ یہ ہے کہ پیغمبراسلام نے زمانہ جاہلیت کے تمام تفاخراپنے پیروں تلے روند ڈالے۔ آپ نے فرمایا:''الا کل شئ من امر الجاهلية تحت قدمی موضوع''آگاہ رہو! جاہلیت کاہر کام میں اپنےان دونوں قدموں کے نیچے دفن کررہاہوں۔

جاہلانہ زندگی کا مفہوم ایک کلی مفہوم ہے جس کے نمونے اور مراتب مختلف ہیں۔ سطحی اور کمزور مراتب سے لے کر عمیق اور عالی ترین تک سب مراتب ہیں۔اسلام سے قبل عرب زندگی کاوہ دور کہ جسے زمانہ جاہلیت کے عنوان سے یاد کیاجاتاہے۔ان مراتب میں یہ پست ترین مرتبہ کی مثال ہے، یہ عربوں کی زندگی میں ایساسیاہ ترین دور تھاکہ جس میں تہذیب وتمدن کے اثرات بہت کم دیکھے جاتے ہیں۔حضرت علی بن ابی طالب اپنے ایک خطبہ میں بیان کرتے ہیں:

''وأنتم معشر العرب علىٰ شرّ دين ، وفی شرّ دار، منيخون بين حجارة خشن،وحيات صمّ، وتشربون الكدر، وتأكلون الجشب، وتسفكون دمائكم،وتقطعون أرحامكم،الأصنام فيكم منصوبة،والأثام بكم معصوبة''(۲۵)

toobaa-elibrary.blogspot.com

تم لوگ تہذیب کے اعتبار سے بد ترین دین اور آئین کے ماننے والے، معاشی اعتبار سے بد ترین گھروں میں رہنے والے تھے، تم کھر درے پتھروں، گونگے اور بہرے سانپوں کے درمیان زندگی گزارتے تھے اور کسی قیمت پر انسانوں کی خونریزی سے باز نہیں آتے تھے، تمہارے پینے کا پانی گندہ تھا اور تمہاری غذائیں بغیر شوربہ کے اور گلے میں پھنسنے والی تھیں، تم ایک دوسرے کا خون بہاتے تھے اور اپنے رشتہ داروں سے قطع رحم کر لیتے تھے۔ تمہارے درمیان بت گڑے ہوئے تھے اور تمہارا پورا وجود گناہ میں ڈوبا ہوا تھا۔

لڑکیوں کو زندہ دفن کرنے کا ذکر کہ جو تاریخ اور آیات میں آیا ہے:

وَإِذَا بُشِّرَ أَحَدُهُمْ بِالأُنْثَى...يَتَوَارَى مِنَ الْقَوْمِ...(۲۶)

جب ان میں سے کسی کو بیٹی کی خبر دی جاتی ہے... وہ لوگوں سے چھپتا پھرتا ہے۔"

اسی دور سے مربوط ہے۔ اگرچہ پیغمبر اسلام نے کی بعثت نے اس تاریک دور کا خاتمہ کر دیا اور اس تباہی و بربادی پر بطلان کا خط کھینچ دیا۔ اور وہ دور جاہلیت جس کا سلسلہ آج بھی جاری ہے اور روایات اور دینی کتابوں میں اس کا ذکر آیا ہے، اس کا تعلق جاہلیت کے نہایت عمیق درجات سے ہے، اس لئے کہ جاہلیت کے اس درجہ کا مطلب، زندگی کے مظاہر سے خالی ہونا، تہذیب و تمدن کا فقدان اور رفاہ اور اس کے اسباب کو کھو دینا نہیں ہے، عکاظ کے بازار جاہلیت میں، فضول خرچ اور آسائش پسند ثروتمند لوگ کم نہ تھے۔ وہ اسی دور کی تہذیب اور دنیاوی زندگی کے مظاہر اور بہت سی سہولیات کے مالک تھے۔ لیکن پھر بھی قرآن کی نگاہ میں ان کی زندگی جاہلانہ زندگی تھی۔

قرآن کی زبان میں جاہلانہ زندگی یا معقول زندگی کا معیار، ٹیکنالوجی و صنعت کا ترقی کرنا، رفاہ اور آسائش بھری زندگی کے سارے اسباب کا فراہم ہونا نہیں ہے۔ قرآن کریم نے بعض قوموں کا تذکرہ کیا ہے کہ وہ ٹیکنالوجی و صنعت میں حیران کن ترقی اور معاشرتی زندگی کی رفاہ و آسائش سے ہمکنار ہونے کے باوجود، جاہلیت کی اس حد تک پہنچ گئیں کہ عذاب الٰہی میں گرفتار ہو گئے اور خدا کی رحمت سے دور ہو گئے اور آخر میں ہلاکت ان کا نصیب بن گئی۔ قوم عاد، ثمود اور اصحاب حجر اس طرح کی قوموں کی مثالیں

toobaa-elibrary.blogspot.com

ہیں۔ قوم عاد شہر بنانے کے فن میں بے نظیر تھی لیکن ان کی زندگی جاہلانہ تھی۔(۲۷)اسی طرح ایران اور روم کی سلطنتیں اس دور میں آرام و آسائش اور تہذیب و تمدن کا بہترین نمونہ تھیں، لیکن ان کی زندگی جاہلانہ تھی۔ جاہلانہ زندگی کرنے اور جاہلانہ مرنے کا معیار یہ ہے کہ انسان اپنے خدا اور اس کے نمائندوں کی معرفت نہ رکھتا ہو، جبکہ اس کے سامنے ابدیت کا مسئلہ درپیش ہو۔

عصر حاضر میں کئی طبقات ہیں۔ روشن خیال طبقہ، تاریک خیال طبقہ، علم دوست طبقہ اور جاہل شناس طبقہ۔ بظاہر دور کی ہر متمدن قوم اُس طبقہ کو زیادہ پسند کرتی ہے جہاں علم و عمل کی باریکیاں ہوں۔ لوگ دورِ جاہلیت کو چھوڑ کر علم کا راستہ اختیار کریں۔ ظاہر یہی ہے کہ دنیا کا کوئی بھی طبقہ روشن خیالی کا راستہ نہیں چھوڑے گا۔ کوئی عقل منداور دانش ور آدمی روشن خیالی اور علم کی بات سے انکار نہیں کر سکتا، دوسری طرف جاہلیت کو کوئی بھی پسند نہیں کرتا۔ لیکن اصطلاحات کا فرق ہے۔ روشن خیالی کسے کہتے ہیں اور تاریک خیالی کسے کہتے ہیں؟ جاہلیت کا دور کون سا ہے اور علم کا دور کون سا ہے؟ اپنی اپنی اصطلاحات اور تعریفات ہیں۔ چنانچہ چند بنیادی فرق ہیں جن کو اس کشمکش میں سمجھنا ضروری ہے اور اس میں بنیادی کردار پیغمبر اسلام کا یہ ارشاد ادا کرتا ہے کہ ''آج جاہلیت کی ساری قدریں میرے ان پاؤں کے نیچے ہیں۔'' یہاں پر ہمیں مغرب اور اسلام کے درمیان تھوڑا سا تقابل کرنا ہوگا اور نشاندہی کرنی ہوگی کہ مغرب اور اسلام کے درمیان موجود تذویراتی تقابل کا نتیجہ کیا ہو سکتا ہے۔ مغرب کی روشن خیالی اور اسلام کی روشن خیالی میں تین بنیادی فرق ہیں:

اسلام اور دور جاہلیت:

پہلا بنیادی فرق یہ ہے کہ مغرب کی روشن خیالی کی عمر تقریباً سوا دو سو سال ہے، جبکہ اسلام کی روشن خیالی کی عمر چودہ سو سال ہے۔ مغرب کی روشن خیالی کا آغاز انقلابِ فرانس سے ہوتا ہے۔ جب بھی مغرب میں روشن اور تاریک دور کی بات ہوتی ہے تو حد فاصل انقلابِ فرانس قرار پاتی ہے۔ مغرب کے ہاں اس سے پہلے کا دور جاہلیت اور جبر کا دور کہلاتا ہے جبکہ اس کے بعد کا دور ترقی اور روشن خیالی کا دور کہلاتا ہے۔ جب بھی ہم مورّخ سے پوچھنے بیٹھ جائیں کہ قرون وسطیٰ، قرون مظلمہ، تاریک دور کسے کہتے ہیں تو وہ بلا تامل بتائے گا کہ یہ انقلاب فرانس سے پہلے کی دو چار صدیاں ہیں۔ جبکہ انقلابِ فرانس اٹھارہویں

toobaa-elibrary.blogspot.com

صدی کے آخر میں ہوا۔ جس طرح مغرب کے حلقوں میں یہ بات معروف ہے کہ فلاں بات تاریک دور کی بات ہے اور فلاں بات روشن دور کی بات ہے، اسی طرح مسلمانوں کے ہاں بھی ایک اصطلاح معروف ہے۔ پیغمبر اسلام کی بعثت سے پہلے کا کوئی واقعہ ذکر کرنا مقصود ہو تو کہا جاتا ہے کہ یہ دورِ جاہلیت کی بات ہے۔ یعنی یہ اصطلاح مسلمانوں کے ہاں بھی ہے کہ پیغمبر اسلام سے پہلے کا دور جاہلیت کا دور تھا اور آپ کے آنے سے علم کا، روشنی کا دور شروع ہوا۔

اسلام اور انسانی سماج:

دوسرا بنیادی فرق مغرب کی اور اسلام کی روشن خیالی میں یہ ہے کہ مغرب نے روشن خیالی کے نام پر بادشاہت سے نجات حاصل کی، جاگیرداری سے نجات حاصل کی اور ساتھ ہی ساتھ بائبل اور چرچ سے بھی نجات حاصل کر لی۔ یعنی وہ وحی کی بالادستی سے بھی دستبردار ہو گئے اور کہا کہ ہم کسی کی ڈکٹیشن نہیں مانتے، ہم آزاد ذہن سے فیصلے کرتے ہیں۔ مغرب نے اپنے تمام تر فلسفے، عقائد اور فیصلوں کی بنیاد انسان سماج کی خواہشات پر رکھی ہے۔ ہر چیز کی بنیاد اس پر ہے کہ سماج کیا چاہتا ہے۔ جمہوریت تو سماج کی خواہش معلوم کرنے کا ایک ذریعہ ہے لیکن اصل بنیاد سماج کی خواہشات پر ہے کہ وہ کیا سوچتا ہے اور کیا چاہتا ہے۔ یہی حلال و حرام کی بنیاد ہے، یہی جائز ناجائز کی بنیاد ہے اور یہی قانون اور لا قانونیت کی بنیاد ہے۔ چنانچہ مغرب نے آسمانی تعلیمات سے دستبرداری اختیار کی اور انسانی سماج کی خواہشات کو اپنے تمام تر معاملات کی بنیاد بنایا اور کہا کہ یہ روشن خیالی ہے۔ قرآن کریم نے روشن خیالی کا اور معنی بیان کیا ہے۔ بیسوں مقامات پر اس کی واضح نشاندہی کی گئی ہے، مثلاً:

وَاَنِ احْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ وَاحْذَرْهُمْ اَنْ يَّفْتِنُوْكَ عَنْۢ بَعْضِ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ اِلَيْكَ (۲۸)

”اور یہ کہ تو ان لوگوں میں اس کے موافق حکم کر جو اللہ نے اتارا ہے اور ان کی خواہشوں کی پیروی نہ کر اور ان سے بچتا رہ کہ تجھے کسی ایسے حکم سے بہکا نہ دیں جو اللہ نے تجھ پر اتارا ہے۔“

toobaa-elibrary.blogspot.com

پیغمبر اسلام کو قرآن کریم نے حکم دیا کہ لوگوں کے معاملات کو وحی کے مطابق طے کیجیے اور وحی کے مقابلے میں ان کی خواہشات کی طرف مت دیکھیے۔ مطلق خواہشات کی نفی نہیں ہے بلکہ ایسی خواہشات کی نفی ہے جو وحی یعنی اللہ کے نازل کردہ احکامات و ہدایات کے مقابلے پر آئیں۔ اگر سماج کوئی جائز بات چاہتا ہے تو کوئی حرج کی بات نہیں لیکن بالادستی وحی کی ہے۔ فرمایا کہ جہاں اللہ کی ہدایات کا مسئلہ آئے وہاں ان کی خواہشات کی طرف مت دیکھیں۔ صرف یہی نہیں بلکہ یہ بھی فرمایا کہ اس بات سے ڈرتے رہیں کہ سماج کی خواہشات کے پیچھے اگر آپ چلیں گے تو یہ اللہ کے احکام کے بارے میں آپ کو فتنے میں ڈال دیں گے۔ تو اسلام کے نزدیک سماج کی خواہشات سے نکل کر وحی کی پیروی کرنے کا نام روشن خیالی ہے جبکہ مغرب کے نزدیک روشن خیال اس کے برعکس ہے۔ وہاں اس چیز کو زیادہ اہمیت دی جاتی ہے کہ سماج کی خواہشات کیا ہیں قطع نظر اس کے کہ اس بارے میں وحی الٰہی کا کیا فلسفہ ہے۔ جو چیز مسلمانوں کے نزدیک علم ہے وہ مغرب کے نزدیک جہالت ہے، اور جو چیز مسلمانوں کے نزدیک تاریکی اور جہالت ہے وہ مغرب کے نزدیک روشن خیالی ہے۔ یہ ایک جوہری فرق ہے مغرب کی اور مسلمانوں کی اصطلاح میں۔ اس بات کا بیسیوں بار تجربہ کیا گیا ہے کہ کسی بھی مسلم ملک میں قرآن کریم کے کسی حکم یا پیغمبر اسلام کے کسی ارشاد کے بطور قانون نفاذ کا مطالبہ کیا جائے تو مغرب اور مغرب زدہ حلقوں سے ایک بات مشترکہ طور پر جواب میں ملتی ہے کہ مسلمان تاریکی کے دور کی طرف واپس جانا چاہتے ہیں، یہ قرون مظلمہ کی طرف واپس جانا چاہتے ہیں۔

اسلام اور دور جاہلیت:

تیسرا فرق مغرب اور مسلمانوں کی روشن خیالی میں یہ ہے کہ جب پیغمبر اسلام نے یہ ارشاد فرمایا تھا کہ جاہلیت کی ساری قدریں آج میرے پاؤں کے نیچے ہیں۔ گویا آپ ارشاد فرما رہے ہیں کہ جاہلیت کا دور ختم ہوا اور میں جاہلیت کی ساری قدریں اپنے پاؤں کے نیچے روند کر نسلِ انسانی کو علم کے دور کی طرف لے کر آگے بڑھ رہا ہوں۔ اس سے ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ پیغمبر اسلام کے قدموں کے نیچے کون کون سی قدریں پامال ہوئیں؟ ہمیں اس کا ذرا تجزیہ کر لینا چاہیے کہ وہ کون سی قدریں تھیں جو حضرت محمد کے اعلانِ نبوت سے پہلے عرب معاشرہ میں موجود تھیں لیکن اعلانِ تکمیلِ دین تک مٹ چکی تھیں۔ ان

toobaa-elibrary.blogspot.com

قدروں میں ایک قدر تھی شرک۔ یہ بیس سال پہلے پورے عروج پر تھا لیکن اب جزیرۃ العرب میں کوئی بت خانہ باقی نہیں تھا اور پیغمبر اسلام نے مکہ مکرمہ میں لوگوں کو اپنی دعوت کا بنیادی پیغام یہ بتایا تھا کہ :

''یا ایھا النّاس قولوا لا الٰہ الا اللہ تفلحوا۔''(۲۹)

اے لوگو کہو کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں تاکہ تم فلاح پاجاؤ۔

ایک قدر نسل پرستی کی تھی کہ عرب معاشرے میں عرب اور عجم، کالے اور گورے کا فرق تھا، پیغمبر اسلام نے اسے ختم کیا۔ اس کے علاوہ شراب تھی، لاٹری اور جوا تھا، سود تھا، بے حیائی اور زنا تھا، ہم جنس پرستی تھی، یہ ساری قدریں بیس سال پہلے اپنے پورے عروج پر تھیں۔ لیکن جب پیغمبر اسلام نے فرمایا کہ یہ ساری قدریں میرے پاؤں کے نیچے ہیں تو ان قدروں کا عرب معاشرے میں کوئی وجود باقی نہیں رہا تھا۔ اور جو سماج حضرت محمد نے متعارف کروایا وہ حقیقی انسانی قدروں سے مالا مال تھا۔ چنانچہ پیغمبر اسلام نے صرف ان جاہلی قدروں کو ختم کرنے کا اعلان ہی نہیں کیا بلکہ دنیا کو ایک ایسا سماج بنا کر دکھا دیا جس میں شرک، زنا، شراب، سود، ناچ گانا، فحاشی، جوا، نجوم پرستی اور نسل پرستی کا کوئی وجود نہیں تھا اور جب اپنے اعلان نبوت کے بائیس تئیس سال بعد منٰی کے مقام پر کھڑے ہو کر پیغمبر اسلام نے '' کل امر الجاھلیۃ '' موضوع تحت قدمی کہہ کر اپنی دعوت کے نتیجے کا اعلان کیا تو اس کا مطلب یہ تھا کہ اللہ نے جو کام آپ کو دے کر بھیجا تھا آپ اس میں کامیاب ہو چکے تھے۔ عصر حاضر میں جب روشن خیالی اور تاریک خیالی کی بحث چھڑ جاتی ہے تو ایک سوال یقیناً پیدا ہوتا ہے کہ مغرب نے روشن خیالی کے نام پر ان قدروں میں کون سی قدر کا اضافہ کیا ہے؟ یہ تو وہی پامال قدریں ہیں جنہیں آج سے چودہ سو سال پہلے پیغمبر اسلام نے اپنے پاؤں تلے روند ڈالا تھا۔

چوتھا اہم نکتہ انسانیت کی معراج کی نشاندہی ہے۔ اس میں پیغمبر اسلام نے ذات پات، خاندان اور نسل کی بنیاد پر فضیلت کا انکار کیا ہے۔ آپ نے گورے کو کالے پر اور کالے کو گورے پر کوئی فضیلت نہیں رکھی۔ اگر فضیلت کا معیار بتایا تو خدا خوفی بتایا جیسا کہ خطبہ میں موجود یہ اقتباس اس حوالے سے بہت اہم ہے: '' الا لا فضل لعربی علی عجمی ولا العجمی علی العربی، ولا لا احمر علی اسود ولا اسود علی احمر اِالّا بالتقوی ان اکرمکم عنداللہ اتقاکم ''سن لو: کسی عربی کو کسی عجمی پر اور کسی عجمی کو کسی

toobaa-elibrary.blogspot.com

عربی پر، اور سن لو کسی گورے کو کسی کالے پر یا کسی کالے کو کسی گورے پر کوئی فضیلت نہیں، سوائے تقوی کے۔ اللہ کے نزدیک تم میں سب سے بہتر وہ ہے جو اللہ سے سب سے زیادہ ڈرنے والا ہے۔

ہر ملک کا قانون اگرچہ یہی کہتا ہے لیکن ہر جگہ کہیں نہ کہیں تحفظات ہیں۔ پیغمبر اسلام کا یہ حکم محض مسجد یا امامت کے لیے یا روزِ قیامت کے لیے مخصوص نہیں بلکہ آپ نے اسے ملکی سیاست میں بھی نبا کر دکھادیا۔ غلام کے بیٹے کو کہیں سپہ سالاری عطا کر دی تو کہیں سیاہ حبشی بلال کو موذن بنادیا۔ زید بن ثابت کے نکاح میں اپنی پھوپھی زاد بہن دے دی تو ایک مرتبہ یہ بھی فرمادیا کہ: ''اگر بیٹی فاطمہ پر بھی چوری کا الزام ثابت ہو تو ان کے بھی ہاتھ کاٹے جائیں گے۔''

جاہلیت کے دور میں عرب معاشرہ نسل، زبان اور رنگ کے تفاخر کا معاشرہ تھا۔ قریشی غیر قریشیوں کو برابر نہیں سمجھتے تھے، عرب غیر عربوں کو برابر نہیں سمجھتے تھے۔ پیغمبر اسلام نے مکہ فتح کرنے کے بعد جب کعبہ کا کنٹرول سنبھالا، چابیاں منگوائیں اور کعبہ کو بتوں سے پاک کیا تو آپ نے حضرت بلال سے کہا کہ بیت اللہ کی چھت پر کھڑے ہو کر اذان دو۔ یہ اعلان ایک طوفان تھا اس معاشرہ میں کہ کیا ایسا بھی ہو سکتا ہے، بلال ایک تو آزاد کردہ غلام ہیں، پھر کالے رنگ کے ہیں، عربی بھی نہیں بلکہ حبشی ہیں۔ کیا یہ بیت اللہ کی چھت پر کھڑا ہو کر اذان دے گا، وہاں طوفان مچ گیا۔ لیکن اعلان چونکہ پیغمبر اسلام نے کیا تھا تو کس کی مجال تھی کہ کچھ کہے۔ پیغمبر اسلام نے جاہلیت کے جتنے امتیازات تھے وہ ختم کیے اور حجۃ الوداع کے موقع پر خاص اس کا اعلان فرمایا۔ اور یہ قرآن کریم میں بھی ہے کہ:

يَآ اَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا ۚ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقَاكُمْ ۚ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ۔ (۳۰)

اے لوگو! بے شک ہم نے تمہیں ایک مرد اور عورت سے پیدا کیا ہے اور تمہیں قبائل اور برادریوں میں تقسیم کیا ہے تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچان سکو۔ بے شک تم میں زیادہ عزت والا وہ ہے جو زیادہ تقویٰ والا ہے۔

قرآن کریم نے بنیادی اصول بیان فرمایا کہ دیکھو ہم نے تمہیں ایک مرد اور عورت سے پیدا کیا، آدم اور حوا سے۔ ہاں قبائل اور برادریاں ہم نے بنائی ہیں تعارف کے لیے اور پہچان کے لیے۔ قبائل کا،

toobaa-elibrary.blogspot.com

ان کی شاخوں کا، خاندانوں کا اور قوموں کا وجود بھی ہے لیکن تفاخر کے لیے نہیں بلکہ تعارف کے لیے ہے۔ اگر یہ فطری تقسیم نہ ہو تو معاملہ مشکل ہو جائے۔ اگر یہ پتہ نہ ہو کہ یہ امریکی ہے، یہ افریقی ہے، یہ فلاں نسل کا ہے، یہ فلاں قوم کا ہے، تو پھر نمبر نگ کرنی پڑے گی جو کہ مشکل کام ہے۔ لیکن اللہ کے ہاں عزت تقویٰ کی ہے۔ تقویٰ اللہ کے ہاں انسان کا کردار ہے، اس کے ایمان اور عمل صالح کی نشانی ہے۔

اسلام عزت کی بنیاد رنگ، نسل، علاقے اور زبان کو قرار نہیں دیتا۔ حضرت لقمان سوڈانی تھے اور جھونپڑی میں رہنے والے غریب آدمی تھے اور سیاہ رنگ کے تھے۔ وہ کوئی بڑے سردار نہیں تھے لیکن قرآن کریم میں ایک مکمل سورۃ ان کے نام پر اتاری گئی اور قرآن کریم نے بڑے مزے مزے سے ان کے واقعات ذکر کیے ہیں۔ لیکن دوسری طرف دیکھیں کہ ابولہب جو خاندان اور رشتہ کے لحاظ سے پیغمبر اسلام کا چچا ہے۔ اس سے بڑا خاندان کیا ہو گا دنیا میں، کائنات میں اس سے زیادہ معزز خاندان کون سا ہو گا۔ اور حضرت محمد کے ساتھ رشتہ داری بھی ہے کہ آپ کا چچا ہے۔ ابولہب اس کی کنیت تھی۔ نام عبدالشمس تھا، ابولہب نہیں تھا۔ لہب شعلے کو کہتے ہیں۔ اس کے رخسار شعلے کی طرح چمکتے تھے جس کی وجہ سے ابولہب کا لقب ملا یعنی شعلے جیسے رخساروں والا۔ خوبصورت بھی ہے، مال بھی ہے، مکہ میں رہتا ہے، مکہ کے مجاوروں میں سے ہے اور خاندان بھی بڑا ہے۔ لیکن قرآن کریم نے یوں ذکر کیا کہ:

تَبَّتْ يَدَآ اَبِيْ لَهَبٍ وَّتَبَّ۔ (۳۱)

ابولہب کے دونوں ہاتھ ٹوٹ گئے اور وہ ہلاک ہو گیا۔

روایات میں آتا ہے کہ اس کی بیوی ام جمیل جب زیورات پہن کر بیٹھتی تھی تو زیورات کے بوجھ سے اٹھ نہیں سکتی تھی، عورتیں سہارا دے کر اٹھایا کرتی تھیں۔ لیکن قرآن میں ہے کہ:

مَآ اَغْنٰى عَنْهُ مَالُهٗ وَمَا كَسَبَ۔ (۳۲)

بڑا مال تھا اس کے پاس جو کسی کام نہیں آیا۔

چنانچہ قرآن کریم نے معیار بتا دیا کہ لقمان حکیم اگر تقویٰ کے معیار پر پورا اترتے ہیں تو وہ حکمت والے ہیں۔ اور ابولہب اس معیار پر پورا نہیں اترتا تو لعنت کا مستحق ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے غضب کا مستحق ہے۔ ایک اور جگہ پر قرآن کریم یہ ذکر کرتا ہے:

toobaa-elibrary.blogspot.com

لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ۔ ثُمَّ رَدَدْنَاہُ اَسْفَلَ سَافِلِیْنَ۔ (۳۳)

بے شک ہم نے انسان کو بڑے عمدہ انداز میں پیدا کیا ہے۔ پھر ہم نے اسے سب سے نیچے پھینک دیا ہے۔

یعنی انسان احسن تقویم بھی ہے اور اسفل سافلین بھی ہے۔ سب سے پہلا درجہ بھی انسان کا ہے اور سب سے نیچے کا درجہ بھی اسی کا ہے لیکن اُس کی بنیاد ایمان، کردار اور عمل ہے۔

پانچواں اہم نکتہ زمانہ جاہلیت کے خون معافی کا ہے۔ پیغمبر اسلام نے خطبہ حجۃ الوداع کے موقع پر سابقہ تمام خون معاف کر دیئے اور یہ جملہ بطور خاص ارشاد فرمایا: ''الا وان کل دم کان فی الجاھلیۃ موضوع واول دم وضع من دماء الجاھلیۃ دم الحارث بن عبد المطلب کان مسترضعا فی بنی لیث فقتلتہ ھذیل۔'' آگاہ رہو! جاہلیت کے زمانے کا ہر خون معاف کیا جاتا ہے، اور زمانہ جاہلیت کے خونوں میں سے پہلا خون جس کو معاف کیا جاتا ہے، وہ حارث بن عبد المطلب کا خون ہے۔ (راوی بتاتے ہیں کہ) حارث کو دودھ پلانے کے لیے بنو لیث کے ہاں بھیجا گیا تھا جہاں اسے بنو ہذیل نے قتل کر دیا۔

پیغمبر اسلام نے اعلان فرمایا کہ جاہلیت کے دور میں جو بدلے اور خون کا رواج تھا، وہ میں نے ختم کر دیا ہے۔ قبائل میں بدلہ در بدلہ کا رواج تھا۔ قبائل میں یوں ہوتا ہے کہ ایک قبیلہ کا آدمی قتل ہوا تو بدلے میں قاتل قبیلہ کا آدمی قتل ہو گا اور ضروری نہیں کہ قاتل ہی قتل ہو، بس اس قبیلہ کا کوئی آدمی مارا جائے گا۔ جب وہ مرا ہے تو اب پھر اس پہلے قبیلہ کا آدمی مرے گا اور پھر یہ سلسلہ چلتا رہتا تھا۔ ''حرب بعاث'' دو قبیلوں کی ایک مشہور جنگ تھی جو ایک سو بیس سال چلتی رہی۔ اس جنگ کی وجہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ ایک آدمی کا درخت تھا جس پر کبوتری نے گھونسلا بنا رکھا تھا اور انڈے دے رکھے تھے۔ کسی نے اسے پتھر مار کر گھونسلہ اور انڈے توڑ دیئے۔ پہلے آدمی نے کہا کہ اچھا! میری زمین پر اور میرے درخت پر اس نے یہ کر دیا، یہ تو میری توہین ہوئی ہے۔ کبوتری کا انڈا نہیں ٹوٹا یہ تو میری تو ناک کٹ گئی ہے۔ اس نے پتھر مارنے والے کو قتل کر دیا۔ بس پھر دونوں کے قبائل کے درمیان ایک سو بیس سال تک جنگ رہی۔

اسی طرح اوس اور خزرج کے درمیان کئی نسلوں تک جنگ رہی ہے۔ یہ دونوں انصار کے قبیلے تھے، انہوں نے ایک دوسرے کے جوان قتل کر دیئے، بہت بربادی ہوئی۔ پھر تنگ آ کر بڑے بوڑھے

toobaa-elibrary.blogspot.com

اکٹھے ہوئے تاکہ کوئی راہ نکل آئے۔ جب اس طرح کی جنگ ہو تو پھر آپس میں ایک دوسرے پر اتفاق نہیں ہوتا۔ طے ہوا کہ کوئی تیسرا آدمی تلاش کیا جائے جس پر ہم دونوں اکٹھے ہو جائیں۔ پیغمبر اسلام جب اوس اور خزرج کے لوگوں کو حج کے موقع پر منٰی میں ان کے خیموں میں دعوت دینے آئے تو انہوں نے آپس میں کھسر پھسر کی اور کہا کہ ، یہ آدمی ٹھیک ہے۔ ان کو جگہ کی ضرورت ہے اور ہمیں آدمی کی ضرورت ہے۔ پیغمبر اسلام طائف کے واقعہ کے بعد اس تلاش میں تھے کہ مجھے کوئی ٹھکانہ ملے تو میں وہاں اپنا مرکز بناؤں، یعنی کوئی قبیلہ ہامی بھرے تو میں وہاں جاؤں۔ اس کے لیے آپ خیموں میں جا کر مختلف قبائل کو دعوت دے رہے تھے۔ ادھر اوس اور خزرج اس تلاش میں تھے کہ کوئی ایسا آدمی ملے جس پر ہم اکٹھے ہو جائیں۔ چنانچہ یہ دو باتیں اکٹھی ہو گئیں اور ان قبائل نے کہا کہ ہم تیار ہیں، آپ ہمارے ہاں تشریف لے آئیں۔ پھر اگلے سال بیعت عقبۂ اولیٰ ہوئی اور اس سے اگلے سال بیعت عقبۂ ثانیہ، سارے معاہدات ہوئے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ آپ ہجرت کر جائیں۔ جیسا کہ امام بخاری نے لکھا ہے:

> كان يوم بعاث يوما قدمه الله لرسوله صلى الله عليه وسلم فقدم رسول الله صلى الله عليه وسلم وقد افترق ملؤهم وقتلت: سرواتهم وجرحوا، فقدمه الله لرسوله صلى الله عليه وسلم في دخولهم في الإسلام (۳۴)
>
> جنگ بعاث کو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کے مفاد میں پہلے ہی مقدم کر رکھا تھا چنانچہ جب آپ مدینہ میں تشریف لائے تو یہ قبائل آپس کی پھوٹ کا شکار تھے اور ان کے سردار کچھ قتل کئے جا چکے تھے، کچھ زخمی تھے، تو اللہ تعالیٰ نے اس جنگ کو آپ سے پہلے اس لیے مقدم کیا تھا تاکہ وہ آپ کے تشریف لاتے ہی مسلمان ہو جائیں۔

اگر یہ جنگ نہ ہوتی تو انصار پیغمبر اسلام کو دعوت نہ دیتے اور یہ صورتحال پیدا نہ ہوتی۔ جاہلیت کے زمانہ میں بدلہ در بدلہ کا رواج تھا۔ یہاں تک کہ مائیں اپنے بچوں کو لوریاں دے دے کر سبق پڑھایا کرتی تھیں کہ تمہارے باپ کا قاتل فلاں ہے، تم نے بڑے ہو کر اس کا بدلہ لینا ہے۔ یعنی انہیں بچپن سے تیار کیا جاتا تھا کہ تمہارے باپ کو فلاں نے قتل کیا، تمہارے دادا کو فلاں نے قتل کیا، تمہارے چچا کو فلاں نے قتل کیا، اس لیے فلاں کا بدلہ بھی تمہارے ذمہ ہے اور فلاں کا بدلہ بھی تمہارے ذمہ ہے۔ پیغمبر اسلام نے

toobaa-elibrary.blogspot.com

فرمایا''دماء الجاهلية موضوعة''کہ جاہلیت کے سارے خون، بدلے آج میں ختم کرنے کا اعلان کرتا ہوں۔ آج کے بعد کسی پرانے قتل پر کوئی کسی سے بدلہ نہیں لے گا۔ تمہارے آپس میں پچھلے جتنے بدلے تھے، سب ختم، میں یہ اپنے گھر سے شروع کر رہا ہوں۔ ربیعہ ابن حارث کا بیٹا بچپن میں کسی خاندان میں دودھ پینے کے لیے بھیجا گیا تھا تو وہاں کسی نے قتل کر دیا۔ قبائلی روایت کے مطابق اس کا بدلہ لینا ان کے ذمے تھا۔ فرمایا میرے گھر کا بچہ قتل ہوا تھا اور قبائلی روایات کے مطابق ہمارے ذمہ اس کا بدلہ بنتا ہے لیکن میں اس کو ختم کرنے کا اعلان کرتا ہوں۔ چنانچہ میں پہلے اپنے گھر کا خون معاف کرتا ہوں اور پھر تمام خونوں کے ختم کرنے کا اعلان کرتا ہوں۔ آج کے بعد پچھلے کسی قتل کے حوالے سے کوئی کسی سے بدلہ نہیں لے گا۔ فرمایا جاہلیت کی یہ قدر میں توڑنے کا اعلان کرتا ہوں۔

چھٹا اہم نکتہ سود کی حرمت کا ہے۔ خطبہ حجۃ الوداع کے موقع پر پیغمبر اسلام نے زمانہ جاہلیت سے چلے آرہے تمام سود حرام قرار دیئے۔ آپ کا یہ جملہ سود کے حوالے سے معروف ہے:''الا وان كل ربا فی الجاهلية موضوع لكم رؤوس اموالكم لا تظلمون ولا تظلمون غير ربا العباس بن عبد المطلب فانه موضوع كله۔''آگاہ رہو! زمانہ جاہلیت کا ہر سود کالعدم قرار دیا جاتا ہے۔ تم صرف اپنے اصل مال کے حق دار ہو۔ نہ تم ظلم کرو اور نہ تم پر ظلم کیا جائے۔ ہاں عباس بن عبد المطلب کا لوگوں کے ذمے جو سودی قرض ہے، وہ سارے کا سارا معاف کیا جاتا ہے۔

پیغمبر اسلام نے فرمایا کہ جاہلیت میں تم سود کا لین دین کرتے تھے، میں اس کے خاتمے کا اعلان کر رہا ہوں۔ جس کے ذمے کسی کی کوئی رقم ہے، اس کو اصل رقم ملے گی، سود نہیں ملے گا۔ قرآن نے بھی اس کی حرمت کا اعلان فرمادیا:

يَآ اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَذَرُوْا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبٰٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ۔(۳۵)

اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور جو کچھ باقی سود رہ گیا ہے اسے چھوڑ دو اگر تم ایمان والے ہو۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

آج بھی دنیا میں یہ ایک بڑی بحث ہے کہ سود تو کاروبار ہے۔ قرآن کریم نے جب اس کی حرمت کا اعلان کیا تو اس وقت بھی اس پر بڑا مباحثہ ہوا۔ کہا گیا کہ سود میں اور تجارت میں کیا فرق ہے؟ یہ بھی کاروبار کی ایک شکل ہے کہ چیزیں نہ بیچیں، پیسہ بیچا۔

قَالُوْٓا اِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا (۳۶)

انہوں نے کہا کہ تجارت بھی تو ایسی ہی ہے جیسے سود لینا۔ حالانکہ اللہ نے تجارت کو حلال کیا ہے اور سود کو حرام کیا ہے۔

اس وقت بھی یہی دلیل پیش ہوئی تھی لیکن یہ دلیل ذکر کر کے قرآن کریم نے پھر دوٹوک کہا کہ یہ تجارت نہیں ایک الگ چیز ہے۔ جیسا کہ اس بارے میں ایک معروف واقعہ بھی ہے جو تمام کتبِ سیرت میں موجود ہے۔ جب طائف والے پیغمبر اسلام کی خدمت میں اسلام قبول کرنے کے لیے آئے تو اس پس منظر میں آئے کہ فتح مکہ کے بعد حنین کی لڑائی میں اللہ تعالیٰ نے کامیابی عطا فرمائی اور پھر طائف کا معرکہ پیش آیا۔ طائف کا سترہ دن تک محاصرہ کیا گیا لیکن کامیابی نہیں ہوئی تو محاصرہ اٹھا کر واپس آنا پڑا۔ طائف والے بہت خوش تھے کہ یہ ہمیں فتح نہیں کر سکے، اور یہ بات درست بھی تھی۔ طائف والوں کا اپنا وفد مدینہ منورہ گیا کہ اور پیغمبر اسلام سے کہنے لگے کہ آپ تو ہمیں فتح نہیں کر سکے مگر ہم خود کلمہ پڑھنے آ گئے ہیں، لیکن ہماری کچھ شرطیں ہیں۔ جن میں سے چار بڑی شرطیں یہ تھیں:

(1) ہم شراب نہیں چھوڑ سکتے، یہ ہماری معیشت کا مسئلہ ہے۔ ہمارے ہاں انگور پیدا ہوتا ہے، کچا انگور بازار لے جائیں تو کچھ خاص نفع نہیں ملتا۔ نچوڑ کر اور پکا کر دیتے ہیں تو نفع ہوتا ہے۔

(2) دوسری شرط یہ رکھی کہ آپ کہتے ہیں کہ سود حرام ہے۔ ہمارا تو سارا کاروبار سود پر چلتا ہے، سود نہیں چھوڑ سکیں گے۔

(3) تیسری بات یہ ہے کہ آپ کہتے ہیں زنا حرام ہے، یہ بھی ہم سے نہیں چھوٹے گا۔ یہ ہمارے روایتی طرزِ عمل کے خلاف ہے اور ثقافتی نمو نہیں ہو سکے گی۔ ہمارے ہاں شادیاں بہت دیر سے کرنے کا رواج ہے، گزارا نہیں ہوتا، اس لیے ہم زنا بھی نہیں چھوڑیں گے۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

(4) ہم نماز پڑھیں گے تو سہی لیکن وقت اور تعداد کا تعین ہم اپنی مرضی سے کرلیں گے۔ پانچ وقت کی نماز کی پابندی ہم سے نہیں ہو سکتی۔ ہم خود اپنی سہولت سے اس کا انتخاب کر لیں گے کہ کب پڑھنی ہے اور کتنی پڑھنی ہے۔ اگر آپ ان شرطوں کو قبول کرتے ہیں تو ہم اسلام قبول کرنے کے لیے تیار ہیں، ہمیں کلمہ پڑھا دیجیے۔ پیغمبر اسلام نے انکار فرما دیا اور کہا کہ یہ ممکن نہیں ہے۔(۳۷)

ایسا نہیں ہو سکتا تھا کہ مکہ میں اسلام کی شکل مختلف ہو اور صرف ستر میل کے فاصلے پر واقع طائف میں اسلام کا نقشہ کچھ اور ہو۔ متذکرہ بالا تینوں شرطیں اس لئے بھی قابل قبول نہیں تھیں کہ اسلام کا یکجہتی نظام متاثر ہو سکتا تھا۔ پیغمبر اسلام یہ کیسے گوارہ کر سکتے تھے کہ جو دین اتحاد و اتفاق اور باہمی اشتراک کا مدعی ہے وہ عبادات و احکامات کے معاملات میں افتراق کا شکار ہو۔ لہٰذا آپ کی طرف سے کلی طور پر انکار کے بعد طائف والوں نے استدعا کی کہ ہمیں اپنے بُت (جس کا نام لات تھا) کی عبادت کی اجازت ملنی چاہیے۔ یہ مطالبہ بھی منظور نہ ہوا اور پیغمبر اسلام نے تمام تر شرائط جو اُن کی طرف سے رکھی گئیں تھیں، مسترد کر دیں۔

ساتواں اہم نکتہ منہ بولے رشتوں کی خاتمیت کا ہے۔ جیسا کہ پیغمبر اسلام نے فرمایا: ''الولد للفراش وللعاھر الحجر ومن ادعی الی غیر ابیہ او تولی غیر موالیہ فعلیہ لعنۃ اللہ والملائکۃ والناس اجمعین لا یقبل اللہ منہ صرفا ولا عدلا'' بچے کا نسب اسی سے ثابت ہو گا جس کے نکاح میں عورت ہو گی، جبکہ بدکاری کرنے والے کا بچے پر کوئی حق نہیں، اور ان کا حساب اللہ کے سپرد ہے۔ جو شخص اپنی نسبت اپنے باپ کے علاوہ کسی اور کی طرف اور جو غلام اپنی نسبت اپنے آقاؤں کے علاوہ کسی اور کی طرف کرے گا، اس پر اللہ اور فرشتوں اور سب لوگوں کی لعنت ہے۔ اللہ تعالیٰ اس سے کوئی معاوضہ یا تاوان قبول نہیں کریں گے۔

جاہلیت میں یہ رواج تھا کہ زبان سے معاہدہ کر کے رشتے طے ہو جاتے تھے کہ یہ میرا باپ ہے، یہ میرا بیٹا ہے۔ بھائی بھائی کہہ دیا تو بھائی ہو گئے۔ باپ بیٹا کہہ دیا تو بس یہ رشتہ بن گیا۔ کسی کو ماں کہہ دیا تو وہ ماں ہو گئی۔ کسی عورت نے کسی کو بیٹا بنا لیا تو بس یہ رشتہ قائم ہو گیا۔ یہ زبان سے اور معاہدے سے رشتہ

toobaa-elibrary.blogspot.com

دار بننا جاہلیت کے زمانے میں تھااور اس کو معاشرہ میں تسلیم کیا جاتا تھا۔ آج بھی بہت سے معاشروں میں اسے تسلیم کیا جاتا ہے۔ جاہلیت میں بھی اس طرح کا چلن عام تھا۔ خود پیغمبر اسلام نے ایک نوجوان زید ابن حارثہ کو بیٹا بنا لیا تھا۔ یہ واحد صحابی ہیں جن کا نام قرآن کریم میں ہے: ''فَلَمَّا قَضٰى زَيْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنَاكَهَا''(۳۸)۔ یہ پیغمبر اسلام کے آزاد کردہ غلام تھے اور غلاموں میں سب سے پہلے اسلام قبول کرنے والے تھے۔ زید کا رشتہ پیغمبر اسلام کی پھوپھی زاد سے ہوا تھا۔ لوگ ان کو زید بن محمد کے نام سے پکارتے تھے یہاں تک کہ حضرت محمد کی کنیت بھی ابو زید سے معروف ہو گئی تھی۔ لیکن اللہ نے جاہلیت کی یہ رسم ختم کر دی اور پیغمبر اسلام کی زبان کے ذریعے اس کا اظہار ہوا۔ قرآن کریم نے واضح طور پر فرمادیا کہ:

اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَآئِهِمْ هُوَ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ (۳۹)

انہیں ان کے اصلی باپوں کے نام سے پکارو، اللہ کے ہاں یہی پورا انصاف ہے۔

چنانچہ پیغمبر اسلام کو بھی منع فرمادیا گیا کہ آپ آج کے بعد زید کو اپنا بیٹا نہیں پکاریں گے۔ آپ نے کنیت ترک کر دی اور زید بن محمد پھر زید بن حارثہ کہلانا شروع ہو گئے۔ بلکہ اس سے اگلی بات کہ جب زید ابن حارثہ نے زینب بنت جحش کو طلاق دے دی تو اللہ تعالیٰ نے زینب بنت جحش کا نکاح پیغمبر اسلام سے کروا دیا۔ یہ اتنی بڑی بات تھی جاہلیت کے اس معاشرہ میں کہ ایک طوفان کھڑا ہو گیا کہ بیٹے کی بیوی سے نکاح کر لیا۔ اللہ تعالیٰ نے نے اسی لیے فرمایا کہ میں نے یہ نکاح کروایا ہے، یہ نہیں کہا کہ میں نے آپ کو اجازت دی ہے کہ یہ نکاح کر لیں۔ ایک بہت پرانی رسم توڑنی تھی تو اللہ تعالیٰ نے بھی اسی سطح پر یہ بات کی۔ قرآن کریم میں کہا کہ جب زید نے زینب کو طلاق دے دی تو ''زوجنا'' کہا یعنی ہم نے اس کا نکاح آپ سے کرا دیا۔ زینب بنت جحش بڑے فخر سے دوسری ازواج مطہرات سے کہا کرتی تھیں: ''انا الذی نزل تزویجی''(۴۰) میں وہ ہوں جس کا نکاح عرش پر ہوا ہے۔

شریعت نسب، صہر اور رضاعت کے حوالے سے رشتہ تسلیم کرتی ہے۔ یہاں رشتہ قائم ہونے کے تین اسباب ہیں:

toobaa-elibrary.blogspot.com

(1) پہلا سبب نسب کا ہے کہ جس کے ہاں کوئی پیدا ہو۔ اس حوالے سے باقی رشتے قائم ہوتے ہیں جیسے باپ، ماں، بھائی، چچا، پھوپھی، ماموں، خالہ وغیرہ۔

(2) دوسرا سبب صہر کا ہے۔ صہر کہتے ہیں سسرال کو، یعنی سسرال کا رشتہ۔ اب جس عورت کے ساتھ اس کی شادی ہوئی ہے تو اس عورت کی ماں اس کی ماں بن گئی ہے، وہ اس پر حرام ہے۔ اب وہ اس عورت کی ماں سے شادی نہیں کر سکتا، اس کی بیٹی سے شادی نہیں کر سکتا۔ اسے صہر کا یعنی سسرالی رشتہ کہتے ہیں۔

(3) تیسرا سبب رضاعت کا رشتہ ہے جو ہمارے ہاں اکثر نظر انداز ہو رہا ہے۔ رضاعت کا رشتہ یہ ہے کہ ایک بچے نے دودھ کی عمر میں اپنی حقیقی ماں کے علاوہ کسی عورت کا دودھ پی لیا ہے تو بس اب وہ اس کی ماں بن گئی ہے۔

رضاعت کے رشتے کے بارے میں قرآن کریم نے اسے اس طرح ذکر کیا ہے کہ:

وَاُمَّهٰتُكُمُ اللّٰتِيْٓ اَرْضَعْنَكُمْ وَاَخَوٰتُكُمْ مِّنَ الرَّضَاعَةِ (۴۱)

اور (تم پر حرام ہیں) جن ماؤں نے تمہیں دودھ پلایا اور تمہاری دودھ شریک بہنیں۔

جہاں قرآن کریم نے محرمات کا ذکر کیا کہ فلاں فلاں عورت سے تمہاری شادی جائز نہیں ہے، وہاں یہ بھی ذکر کیا کہ وہ عورتیں جنہوں نے تمہیں دودھ پلایا ہے، اب وہ تمہاری مائیں بن گئی ہیں اور ان کی بیٹیاں تمہاری بہنیں بن گئی ہیں۔ پیغمبر اسلام نے ارشاد فرمایا کہ:

یحرم من الرضاع ما یحرم من النسب۔ (۴۲)

جو رشتے نسب میں حرام ہیں، رضاعت میں بھی حرام ہیں۔

آٹھواں اہم نکتہ خواتین کے حقوق سے متعلق ہے۔ بحیثیت انسان عورت بھی اُن تمام حقوق کی حقدار ہے جن کا حق مرد رکھتا ہے۔ یعنی عورت اور مرد کے درمیان حقوق کی ادائیگی میں کوئی درجہ بندی نہیں۔ صرف مرد ہونے کی حیثیت سے مرد کو کوئی تفوق نہیں۔ اگر کوئی فضیلت، برتری یا درجہ ہے تو وہ تقویٰ الٰہی ہے جس کا حامل کوئی بھی ہو سکتا ہے۔ چاہے مرد ہو یا عورت خوفِ الٰہی سے اللہ کا مقرب بندہ بن سکتا ہے۔ خواتین کے حقوق کا بیان خطبہ حجۃ الوداع کے اہم ترین نکات میں سے ایک ہے۔ پیغمبر اسلام نے

toobaa-elibrary.blogspot.com

خواتین سے متعلق وصیت کرتے ہوئے فرمایا: ''فاتقوا اللہ فی انساء کم فانکم اخذتموھن بامان اللہ ''پس عورتوں کے معاملے میں خدا سے ڈرو کیونکہ تم نے انہیں اللہ کی ایک امانت کے طور پر حاصل کیا ہے۔

عورت کا مسئلہ اُس زمانے میں بھی تھا اور آج بھی مختلف حوالوں سے ہے۔ عورت کا مسئلہ یہ ہے کہ اس کے ساتھ آج دو طرفہ ظلم ہو رہا ہے۔ ہمارے ہاں شاید دس فیصد عورتوں کو وراثت ملتی ہے جبکہ نوے فیصد کو سرے سے وراثت ملتی ہی نہیں۔

پیغمبر اسلام نے فرمایا کہ میں تمہیں دو کمزوروں کے بارے میں خاص وصیت کرتا ہوں کہ وہ خود تو اپنا حق وصول کرنے کی پوزیشن میں نہیں ہوتے، اس لیے تم ان کا ضرور خیال رکھنا۔ ایک عورت دوسرا یتیم۔ آپ کا یہ ارشاد جیسے اس سماج کے لیے بہت اہمیت رکھتا تھا، ہمارے آج کے سماج کے لیے بھی بہت اہمیت رکھتا ہے۔ یتیم اور عورت آج بھی مظلوم اور بے بس ہیں۔

عورت کے حقوق کے حوالے سے ایک روایت بخاری میں ہے۔ بریرہ ایک خاندان کی لونڈی تھی، اس نے ان سے بات کی کہ مجھ سے پیسے لے کر مجھے آزاد کر دو۔ خاندان والوں نے کہا کہ ٹھیک ہے، طے ہوا کہ اتنی رقم ہو گی اور قسط وار نو سال میں ادا ہو گی۔ جب پیسے پورے ہو جائیں گے تو تم آزاد ہو جاؤ گی۔ بریرہ حضرت عائشہ کی خدمت میں آئی اور گزارش کی کہ میں نے اپنے مالکوں سے اپنی آزادی کا سودا کر لیا ہے، اب نو سال تک قسطیں دے کر آزاد ہو جاؤں گی، آپ میری اس معاملہ میں کچھ مدد کریں۔ حضرت عائشہ نے کہا کہ اپنے مالکوں سے بات کرو کہ میں سارے پیسے دے کر تمہیں آزاد کرانے کے لیے تیار ہوں لیکن ایک شرط کے ساتھ کہ ولا میری ہو گی۔ غلام عام طور پر ایسے ہی ہوتے تھے کیونکہ وہ باہر سے آتے تھے اس لیے ان کا کوئی رشتہ دار، کوئی برادری نہیں ہوتی تھی۔ اب اگر کوئی غلام فوت ہو گیا ہے اور اس کا کوئی رشتہ دار نہیں ہے تو اس کا ترکہ کس کو ملے گا؟ اس کو حق ولا کہتے ہیں۔ حضرت عائشہ نے کہا کہ میں سارے پیسے دے دیتی ہوں لیکن حق ولا میرا ہو گا۔ بریرہ گئی اور جا کر اپنے مالکوں سے بات کی لیکن وہ حق ولا دینے پر نہ مانے۔ پیغمبر اسلام سے پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا کہ خرید'' لو الولاء لمن أعتق''جس نے آزاد کرایا ہے ولا اس کی ہے۔ شرطیں لگانے سے ولا نہیں بدلتی، یہ شریعت کا قانون ہے۔ چنانچہ

toobaa-elibrary.blogspot.com

حضرت عائشہ نے بریرہ کو خرید لیا۔اُن کی شادی مغیث نامی ایک نوجوان سے ہوچکی تھی۔ لیکن آزاد ہونے کے بعد بریرہ کا نکاح بھی مغیث سے ختم ہوگیا۔ شوہر موصوف بڑاپریشان ہوا۔ پیغمبر اسلام سے ملے اور درخواست کی کہ میرا معاملہ حل کردیں لیکن آپ نے فرمایا کہ میں کیا کرسکتا ہوں بریرہ نے اپنا حق استعمال کیا ہے۔ پھر بھی پیغمبر اسلام نے بریرہ سے کہا کیا تم اپنے فیصلے پر نظرثانی کرسکتی ہو؟ بریرہ نے پوچھا یارسول اللہ ! حکم فرمارہے ہیں یامشورہ دے رہے ہیں؟آپ نے کہا حکم نہیں بلکہ مشورہ ہے۔تو فوراً کہتی ہے ''لاحاجة لی به'' پھر مجھے اس کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ میں نے فیصلہ کرلیا بس کرلیا بات ختم ہوگئی۔(۴۳)

نواں اہم نکتہ غلاموں کے حقوق کے بارے میں ہے۔ پیغمبر اسلام نے غلاموں کے حقوق کے حوالے سے حد درجہ تاکید کی ہے۔ خطبہ حجۃ الوداع چونکہ آپ کے الوداعی گفتگو کا خلاصہ تھا لہٰذا اس اہم موقع پر آپ نے غلاموں کے حقوق کے حوالے سے بھی بات کی۔ جیسا کہ اس جملہ سے ظاہر ہوتا ہے:'' ارقائکم ارقائکم ارقائکم ''غلاموں کا خیال رکھو، غلاموں کا خیال رکھو غلاموں کا خیال رکھو۔ دنیا کا کوئی چارٹر ایسا نہیں جس میں نوکروں، ماتحتوں یا غلاموں کے حقوقِ انسانی کا خیال رکھنے کا حکم دیا گیا ہو۔ مزدوروں کے حقوق پر تو کئی چارٹر بنے ہیں لیکن مالکوں کو کہیں یہ نہیں بتایا گیا کہ اگر نوکروں کے ساتھ ناانصافی کی گئی تو یومِ آخرت اس کی بھی پوچھ ہوگی۔ آج غلاموں کا دور نہیں رہا لیکن غربت وافلاس نے انسانوں کو ان غلاموں سے بدتر بنادیا ہے جو عہد قدیم میں ہوا کرتے تھے۔

پیغمبر اسلام نے غلاموں کے بارے میں بطور خاص یہ وصیت کی کہ تمہارے اور ان کے معیار زندگی میں فرق نہیں ہونا چاہیے۔ بخاری کی روایت میں ہے کہ ''اخوانکم خولکم'' تمہارے غلام تمہارے بھائی ہیں۔ یہ بھی آدم علیہ السلام کی اولاد ہیں، یہ بھی انسان ہیں، ان کی بھی تمہاری طرح ضروریات ہیں، یہ بھی تمہاری طرح انسانی عزت و شرف کے مستحق ہیں۔''جعلهم الله تحت ایدیکم'' یہ تو بس اللہ تعالیٰ کا نظام ہے کہ یہ تمہارے ہاتھ کے نیچے آگئے ہیں۔ ان سے ان کی طاقت سے زیادہ کام نہ لو، اگر کوئی کام ان کی ہمت سے زیادہ ہے تو ''فأعینوهم ''ان کا ہاتھ بٹاؤ۔(۴۴) حجۃ الوداع کے خطبے میں آپ نے فرمایا کہ:

toobaa-elibrary.blogspot.com

''ارقاءکم ارقاءکم ارقاءکم اطعموھم مما تاکلون واکسوھم مما تلبسون فان جاء وا بذنب لا تریدون ان تغفروہ فبیعوا عباد اللہ ولا تعذبوھم''(۴۵)

اپنے غلام لونڈیوں کا خیال رکھو۔اپنے غلام لونڈیوں کا خیال رکھو۔اپنے غلام لونڈیوں کا خیال رکھو۔ جو تم خود کھاتے ہو،انھیں بھی کھلاؤ۔ جو تم خود پہنتے ہو،انھیں بھی پہناؤ۔ اگران سے کوئی ایسی غلطی سرزد ہو جائے جسے تم معاف نہیں کرنا چاہتے تو اللہ کے ان بندوں کو بیچ دو لیکن انھیں عذاب نہ دو۔

ایک صحابی حضرت ابو مسعود انصاری کہتے ہیں کہ میں اپنے ایک غلام کی پٹائی کر رہا تھا کہ مجھے پیچھے سے آواز آئی،ابو مسعود! جتنی قدرت تم اس پر رکھتے ہو،اس سے کہیں زیادہ قدرت والا تمہارے اوپر بھی موجود ہے۔ تم نے اپنے آپ کو مالک سمجھ کے مارا ہے، تو تمہارا بھی کوئی مالک ہے۔ کہتے ہیں کہ میں نے پیچھے مڑ کر دیکھا تو جناب نبی کریم تھے۔ میں نے کہا یارسول اللہ! میں نے اللہ کی خاطر اس کو آزاد کر دیا۔ فرمایا اگر تم اسے آزاد نہ کرتے تو جہنم کی آگ تمہیں لپیٹ میں لے لیتی۔(۴۶)

اسلام میں غلاموں کے حوالے سے کئی حقوق متعین ہیں یہاں تک کہ اگر کوئی غلام باصلاحیت ہو اور اپنے ذہانت سے تمہارا امیر بن سکتا ہے تو پھر دیگر افراد کو لازماً اس کی پیروی کرنی ہو گی۔ جیسا کہ ارشاد ہوتا ہے:

ان امر علیکم عبد مجدع حسبتھا قالت اسود یقود کم بکتاب اللہ تعالیٰ فاسمعوا لہ واطیعوا(۴۷)

اگر کسی کٹے ہوئے کان والے سیاہ فام غلام کو بھی تم پر امیر مقرر کیا جائے جو کتاب اللہ کے مطابق تمہاری قیادت کرے تو اس کی بات سنو اور اس کی اطاعت کرو۔

یہ کان کٹا ہونا ایک محاورہ ہے۔ گویا پیغمبر اسلام نے یہ اصول بیان فرمایا کہ امیر کے لیے کتاب اللہ کا پابند ہونا ضروری ہے، باقی جو لوگوں کے امتیازات ہیں ان کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ یہ ایک بہت بڑی تبدیلی جو پیغمبر اسلام نے پیدا کی جس پر علمائے سیاسیات بڑی بحث کرتے ہیں۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

عصر حاضر میں انسان کی معاشرتی ذمہ داریوں اور حقوق کے حوالہ سے اقوام متحدہ کا ہیومن رائٹس چارٹر بہت اہمیت رکھتا ہے۔ وہ سیاسی طور پر ایک بڑے علامت کے طور پر پیش کیا جاتا ہے اور بعض حوالوں سے وہ علامت بھی ہے۔ جبکہ بہت سے حوالوں سے یہ اسلامی تعلیمات سے ٹکراتا بھی ہے۔ لیکن اگر ہم اس ارتقا کو دیکھیں جو چودہ سو سال میں ہوا ہے، جو دنیا کو ان اصولوں پر لایا ہے، پیغمبر اسلام نے انسانیت کی رہنمائی کے یہ اصول چودہ سو سال پہلے ہمیں بڑی وضاحت کے ساتھ عطا فرمائے تھے۔ اور یہ اصول انسانی برادری کے حوالے سے تھے کسی علاقائی یا نسلی حوالے سے نہیں تھے۔ آج لوگ گلوبلائزیشن اور انٹرنیشنلزم کا نعرہ لگاتے ہیں۔ لیکن ہمارا دعویٰ ہے کہ نسل، رنگ، وطن اور قومیت سے بالاتر ہو کر سب سے پہلے جس شخصیت نے دنیا کو خطاب کیا ہے وہ پیغمبر اسلام ہیں۔ پیغمبر اسلام نے جب سب سے پہلی دعوت دی تو یہ کہہ کر مخاطب ہوئے کہ

یا ایھا النّاس قولوا لا الٰہ الا اللّٰہ تفلحوا (۴۸)

اے لوگو! کہہ دو کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، تم کامیاب ہو جاؤ گے۔

تب آپ کے مخاطب عرب اور مکی تھے اور یہ بالکل ابتدائی دعوت تھی کہ ابھی دو چار لوگ ہی مسلمان ہوئے تھے۔ اس وقت بھی پیغمبر اسلام نے نہ عرب کا لقب اختیار کیا، نہ قریش کا، نہ علاقے کا، بلکہ کہ "ایھا النّاس"۔ لہٰذا ہم کہہ سکتے ہیں کہ دنیا میں سب سے پہلے گلوبلائزیشن کی بات پیغمبر اسلام نے کی۔ آپ نے قوم، رنگ، نسل اور جغرافیہ سے بالاتر ہو کر نسل انسانی کو مخاطب کیا۔ اور صرف مخاطب ہی نہیں کیا بلکہ اس کے اصول بتائے ہیں، اس کے ضوابط بتائے ہیں، اخلاقیات بتائی ہیں، اور پھر عملی طور پر ایک سماج بنا کر دکھایا ہے۔

خطبہ حجۃ الوداع ہر قسم کے منفی رجحان سے ماورا خالص مثبت روئے اور اصولی تعلیمات کا مظہر تھا۔ اسلام جس دعوت و تعلیم کا مدعی ہے اس کا عملی نمونہ تو اس زمین پر جیتے جاگتے انسانوں کے درمیان پہلے ہی قائم کیا جا چکا تھا البتہ اتمام حجت کی خاطر اور ابلاغ حق کی تکمیل کے لئے ضروری تھا کہ اس وقت سے تیئس سال پہلے صفا کے وعظ سے جس عالمی دعوت کا آغاز کیا گیا تھا اس لئے اسے اتمام و اکمال کی منزل پر پہنچاتے ہوئے چند فقروں، چند باتوں کی صورت میں اسی سرزمین پر کوہِ عرفات کے دامن سے آخری

toobaa-elibrary.blogspot.com

بار پھر نشر کر دیا جائے اور اس دین کی مبادیات و سیاسیات کا احاطہ کر دیا جائے جس کی تبلیغ و اشاعت کے پیغمبر اسلام مکلف بنائے گئے تھے۔ یہ رعایت بھی تھی کہ اسلام کے سیاسی، سماجی، مذہبی، معاشی اور ثقافتی نظام کی ان اقدار کو واضح کر دیا جائے جو آئندہ آنے والے زمانوں میں کارفرمائی کی مستحق تھیں اور جن کی تعمیل میں ہی انسانیت کی نجات مضمر تھی۔

خطبہ حجۃ الوداع میں زبانِ وحی ترجمان سے جو کچھ ارشاد ہوا اس کے بارے میں اس حقیقت کا ادراک بہت ضروری ہے کہ وہ محض منصوبہ، خیالی باتیں، واعظانہ موشگافیاں، آئندہ کا پروگرام یا خواہشات و توقعات یا صرف تجاویز یا سفارشات قسم کی چیز نہ تھا۔ بلکہ دین الٰہی کا عملی، تاریخی، تعبیری خاکہ اور دین شریعت کی تقریب تکمیل تھی جس کا اعلان ان الفاظ میں کیا گیا:

الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا(۴۹)

آج ہم نے تمہارے لئے تمہارا دین مکمل کر دیا اور اپنی نعمت تم پر تمام کر دی، اور تمہارے لئے دینِ اسلام کو پسند کیا۔

اس نکتہ کی اہمیت و معنویت ان لوگوں کے ذہنوں میں زیادہ اجاگر ہو سکے گی جو یہ جانتے ہیں کہ عصر حاضر کی وہ دستاویز جو حقوقِ انسانی کی نقیب سمجھی جاتی ہے اور جسے اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی نے ۱۰ دسمبر ۱۹۴۸ء کو منظور کیا تھا۔ تجویز و سفارش سے زیادہ اہمیت نہیں تھی اور کسی مملکت کے لئے بین الاقوامی حقوق انسانی کے اعلامیہ کا تسلیم کرنا لازمی و ابدی نہیں۔(۵۰) بقول ایک مصنف کے: ''یہ منشور تحفظِ حقوق انسانی کے معاملے میں بالکل ناکارہ اور ناقابل اعتماد دستاویز ہے، اس منشور کی حیثیت سراسر اخلاقی ہے، قانونی نقطہ نظر سے اس کا کوئی وزن و مقام نہیں۔''(۵۱) اس منشور کی رو سے جو معاشی اور سماجی حقوق منظور کئے گئے ہیں وہ ایک بالغ نظر مبصر کے مطابق: ''اس اصطلاح کے تسلیم شدہ مفہوم کی رو سے حقوق ہی نہیں ہیں، یہ تو سماجی اور معاشی پالیسیوں کے محض اصول ہیں۔''(۵۲) بلکہ کمیشن برائے انسانی حقوق میں ۱۹۴۷ء کو طے کئے جانے والے اصول کی روشنی میں گویا منشور کے اعلان سے ایک سال

toobaa-elibrary.blogspot.com

قبل ہی یہ طے ہو گیا کہ اس کی کوئی قانونی حیثیت نہیں ہو گی کوئی ملک چاہے تو اس منشور پر از خود رضاکارانہ طور پر عملدر آمد کر سکتا ہے اور چاہے تو اٹھا کر ردی کی ٹوکری میں بھی پھینک سکتا ہے۔

اس کے بر عکس خطبہ حجۃ الوداع میں فرموداتِ نبوی عملی ترغیب اور حکم کا درجہ رکھتے ہیں اور ان سے سرتابی، ان کی نافرمانی نہ صرف یہ کہ صلاح و فلاح آدمیت و انسانیت میں حارج ہے بلکہ دین و دنیا دونوں میں نقصان و خسران کا باعث ہے۔ خطبہ جلیلہ میں زندگی کے ان اصولوں کا دوٹوک بیان ہے جس پر تعمیر حیات کا اصلی مدار ہے اور جن کے بغیر شعوری زندگی کا کوئی نقشہ مرتب نہیں ہو سکتا۔ خطبہ میں ان تعلیمات کا خلاصہ موجود ہے جو دراصل پورے دین کی زندگی و تابندی کا ثبوت ہیں اور جن کو روبہ عمل لائے بغیر کسی کامیاب انسانی معاشرہ کی تشکیل ممکن نہیں۔

اس تفصیل سے یہ مدعا واضح ہو جاتا ہے کہ انسانی حقوق کے عالمی منشور ہونے کی اصل مصداق اگر کوئی دستاویز ہو سکتی ہے تو یہی خطبہ حجۃ الوداع کی دستاویز ہے۔ اور اگر کوئی اعلان، منشور، دستور، نوشتہ بہ درجہ آفاقیت، انسانی حقوق اور آزادیوں کی ضمانت بن سکتا ہے تو وہ بجز خطبہ انقلاب، خطبہ رسالت مآب کوئی نہیں اور عرصہ تاریخ میں اولیت کا تاج صرف خطبہ حجۃ الوداع کو ہی پہنایا جا سکتا ہے۔ خطبہ حجۃ الوداع میں دیئے گئے حقوق، ضمانیں اور آزادیاں کسی مرد، ادارہ، کسی اجتماع، گروہ یا حکومت و سلطنت کی منظوری تائید و تجویز سے مشروط نہ تھیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی حاکمیت کے تحت حاصل کردہ اختیارات سے کام لیتے ہوئے پیغمبر اسلام جس منشورِ انسانیت کا اجراء فرما رہے تھے وہ اسی لمحے نافذ العمل ہو گیا اور قیامت تک کے لئے ساری انسانیت کے لئے واجب الاذعان قرار پایا۔

ذیل میں ہم خطبہ حجۃ الوداع کی عمومی حیثیت پر بحث کرتے ہیں۔ قبل ازیں ہم نے خطبہ ہذا کی اسنادی حیثیت بیان کر دی اور مختلف مفکرین کے نقطہ ہائے نظر بھی ذکر ہوئے۔ یہاں پر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ خطبے کی عمومی حیثیت کو بیان کیا جائے۔

پیغمبر اسلام نے ریاست کے اندر رہنے والے شہریوں کے حقوق مفصل انداز میں بیان کئے ہیں۔ یہ حقوق ان حقوق سے زیادہ ہیں جو پہلے انسان بحیثیت انسان کے حقوق میں بیان ہوئے ہیں۔ خطبہ حجۃ

toobaa-elibrary.blogspot.com

الوداع پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے انسان کو مکمل تحفظ فراہم کرنے کے تمام تر اصول بیان کئے ہیں۔

جان ومال کا تحفظ:

پیغمبر اسلام نے حجۃ الوداع کے موقع پر جو تقریر فرمائی تھی اُس میں سب سے پہلے انسانی جان کا تحفظ پیش نگاہ رکھا گیا ہے۔آپ نے فرمایا: ان دماء کم و اموالکم علیکم حرام الی ان تلقوا ربکم۔(۵۳) تمہاری جانیں اور تمہارے مال ایک دوسرے پر قیامت تک کے لئے حرام ہیں۔البتہ کچھ حدود و قیود ضرور بیان ہوئے ہیں جن کی رو سے قتلِ انسان اُس صورت میں جائز ہے جب کوئی شخص کسی دوسرے شخص کو بلاوجہ قتل کردے۔یعنی قتل حق کے ساتھ ہو یعنی ناحق نہ ہو بلکہ کوئی قانونی حق اس کا تقاضا کرتا ہو کہ آدمی کو قتل کیا جائے۔اور ظاہر ہے کہ حق اور ناحق کا فیصلہ ایک عدالت ہی کر سکتی ہے اور جنگ یا بغاوت کی صورت میں ایک عادل حکومت،یعنی شریعت کی پابند حکومت ہی یہ طے کر سکتی ہے کہ برحق جنگ کون سی ہے جس میں انسانی خون بہانا جائز ہو،اور قانون اسلام کی رو سے باغی کون قرار پاتا ہے،جس پر تلوار اٹھائی جائے یا جسے موت کی سزا دی جائے۔یہ فیصلے نہ کسی ایسی عدالت پر چھوڑے جا سکتے ہیں جو خدا سے بے خوف انتظامیہ سے مرعوب و خوفزدہ ہو کر انصاف کا خون کرنے لگے اور نہ کسی ایسی حکومت کے جرائم قرآن و حدیث کی سند پر جائز قرار پا سکتے ہیں جو بلا تکلف اپنے شہریوں کو صرف اس لئے خفیہ یا اعلانیہ قتل کرواتی ہو کہ وہ اس کی ناروا کارروائیوں سے اختلاف کرتے یا ان پر تنقید کرتے ہیں،اور اس کے اشارے پر قتل جیسے جرم عظیم کا ارتکاب کرنے والوں کو الٹا تحفظ بہم پہنچاتی ہو کہ ان کے خلاف نہ پولیس کارروائی کرے نہ عدالت میں کوئی ثبوت اور شہادت پیش ہو سکے۔ایسی حکومت کا وجود ہی ایک جرم ہے،کجا کہ اس کے حکم سے کسی انسان کے قتل پر قرآن کی اصطلاح ''قتل بالحق'' کا اطلاق ہو سکے۔

نجی زندگی کا تحفظ:

اسلام اپنی مملکت کے ہر شہری کا یہ حق قرار دیتا ہے کہ اس کی نجی زندگی میں کوئی ناروا مداخلت نہ ہونے پائے۔دور جاہلیت میں اہل عرب کا طریقہ یہ تھا کہ وہ بے تکلف ایک دوسرے کے گھروں میں گھس جاتے تھے اور بعض اوقات گھر والوں پر اور ان کی عورتوں پر نادیدنی حالت میں نگاہیں پڑ جاتی تھیں

toobaa-elibrary.blogspot.com

پیغمبر اسلام نے اس عمل کو ناپسندیدہ قرار دیا اور آپ نے ایک انسان کی نجی زندگی کے حقوق یوں بیان فرمائے کہ دو دوسرے کے گھر میں جھانکنا، باہر سے نگاہ ڈالنا، حتیٰ کہ دوسرے کا خط اس کی اجازت کے بغیر پڑھنا سخت ممنوع قرار دیا۔ پیغمبر اسلام نے فرمایا" اذا دخل البصر فلا اذن"(۵۴) جب نگاہ داخل ہو گئی تو پھر خود داخل ہونے کے لیے اجازت مانگنے کا موقع نہ رہا۔ حضرت ہزیل بن شرحبیل کہتے ہیں ایک شخص پیغمبر اسلام کی خدمت میں حاضر ہوا اور عین دروازے پر کھڑا ہو کر اجازت مانگنے لگا۔ پیغمبر اسلام نے اسے فرمایا" ھٰکذا عنك، فانما الاستیذان من النظر"(۵۵) پرے ہٹ کر کھڑے ہو، اجازت مانگنے کا حکم تو اسی لیے ہے کہ نگاہ نہ پڑے۔ پیغمبر اسلام کا اپنا قاعدہ یہ تھا کہ جب کسی کے ہاں تشریف لے جاتے تو دروازے کے عین سامنے کھڑے نہ ہوتے، کیونکہ اس زمانے میں گھروں کے دروازوں پر پردے نہ لٹکائے جاتے تھے۔ آپ دروازے کے دائیں یا بائیں کھڑے ہو کر اجازت طلب فرمایا کرتے تھے۔(۵۶)

حضرت انس سے روایت ہے کہ ایک شخص نے پیغمبر اسلام کے حجرے میں باہر سے جھانکا۔ آپ اس وقت ایک تیر ہاتھ میں لیے ہوئے تھے۔ آپ اس کی طرف اس طرح بڑھے جیسے کہ اس کے پیٹ میں جھونک دیں گے۔(۵۷) حضرت عبداللہ بن عباس کی روایت ہے کہ پیغمبر اسلام نے فرمایا:"من نظر فی کتاب اخیہ بغیر اذنہ فانما یجظر فی لنار"(۵۸) جس نے اپنے بھائی کی اجازت کے بغیر اس کے خط میں نظر دوڑائی وہ گویا آگ میں جھانکتا ہے۔" صحیحین میں ہے کہ پیغمبر اسلام نے فرمایا: لو ان امرأ اطلع علیك بغیر اذن فخذفتہ بحصارۃ ففقأت علیہ ما کان علیك من جناح،"اگر کوئی شخص تیرے گھر میں جھانکے اور تو ایک کنکری مار کر اس کی آنکھ پھوڑ دے تو کچھ گناہ نہیں"۔ ایک اور جگہ فرمایا: من اطلع دار قومٍ بغیر اذانھم ففقؤا عینہ فقد ھدرت عینہ،"جس نے کسی کے گھر میں جھانکا اور گھر والوں نے اس کی آنکھ پھوڑ دی تو ان پر کچھ مؤخذہ نہیں"۔

۲۔ فقہاء نے نگاہ ہی کے حکم میں سماعت کو بھی شامل کیا ہے۔ مثلاً اندھا آدمی اگر بلا اجازت آئے تو اس کی نگاہ نہ پڑے گی، مگر اس کے کان تو گھر والوں کی باتیں بلا اجازت سنیں گے۔ یہ چیز بھی نظر ہی کی طرح تخلیہ کے حق میں بے جا مداخلت ہے۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

۳۔ اجازت لینے کا حکم صرف دوسروں کے گھر جانے کی صورت ہی میں نہیں ہے بلکہ خود اپنی ماں بہنوں کے پاس جانے کی صورت میں بھی ہے۔ایک شخص نے پیغمبر اسلام سے پوچھا کیا میں اپنی ماں کے پاس جاتے وقت بھی اجازت طلب کروں ؟ آپ نے فرمایا ہاں۔اس نے کہا میرے سوا ان کی خدمت کرنے والا اور کوئی نہیں ہے، کیا ہر بار جب میں اس کے پاس جاؤں تو اجازت مانگوں ؟ فرمایا: اتحب ان تراھا عریانۃ، ''کیا تو پسند کرتا ہے کہ اپنی ماں کو برہنہ دیکھے ؟

شخصی آزادی کا تحفظ:

اسلام یہ اصول بھی طے کرتا ہے کہ کسی شخص کو اس کا جرم عدالت میں، اور وہ بھی کھلی عدالت میں ثابت کئے بغیر قید نہیں کیا جا سکتا۔ محض شبہ کی بنا پر پکڑنا اور کسی عدالتی کاروائی کے بغیر اور صفائی کا موقع دیے بغیر قید کر دینا اسلام میں جائز نہیں ہے۔پیغمبر اسلام ایک دفعہ مسجد میں خطبہ دے رہے تھے۔ خطبے کے دوران میں ایک شخص نے اٹھ کر کہا: ''یا رسول اللہ ! میرے ہمسائے کس جرم میں پکڑے گئے ہیں ؟ آپ نے سنا اور خطبہ جاری رکھا۔اس نے پھر اٹھ کر یہی سوال کیا۔آپ نے پھر خطبہ جاری رکھا۔ اس نے تیسری بار پھر اٹھ کر یہی سوال کیا۔تب آپ نے حکم دیا کہ اس کے ہمسایوں کو چھوڑ دو۔'' دو مرتبہ سن کر خاموش رہنے کی وجہ یہ تھی کہ کوتوال مسجد میں موجود تھا۔اگر شخص مذکور کے ہمسایوں کو گرفتار کرنے کی کوئی خاص وجہ ہوتی تو وہ اٹھ کر اسے بیان کرتا۔ جب اس نے کوئی وجہ بیان نہ کی تو پیغمبر اسلام نے حکم دے دیا کہ جن لوگوں کو گرفتار کیا گیا ہے انہیں چھوڑ دیا جائے۔ کوتوال اسلامی قانون سے واقف تھا۔اس لئے اس نے اٹھ کر یہ نہیں کہا کہ :''انتظامیہ ان کے قصور سے واقف ہے اور (ملکی مفاد میں) اعلانیہ وہ قصور بیان نہیں کیا جا سکتا۔ حضور تخلیہ میں دریافت فرمائیں تو عرض کر دیا جائے گا۔''(۵۹)

یہ بات اگر کوتوال زبان سے نکالتا تو اسی وقت کھڑے کھڑے اسے ملازمت سے برطرف کر دیا جاتا۔عدالت کے لئے یہ بات بالکل کافی تھی کہ کوتوال نے گرفتاری کی کوئی وجہ کھلی عدالت میں پیش نہیں کی ہے۔اس لئے فوراً رہائی کا حکم صادر کر دیا گیا۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

آزادی اظہار رائے کا حق:

مملکت اسلامیہ کے تمام شہریوں کو اسلام آزادی اظہار رائے کا حق اس شرط کے ساتھ دیتا ہے کہ وہ بھلائی پھیلانے کے لئے ہو نہ کہ برائی پھیلانے کے لئے۔ اظہار رائے کی آزادی کا یہ اسلامی تصور موجودہ مغربی تصور سے مختلف ہے۔ برائی پھیلانے کی آزادی اسلام نہیں دیتا۔ تنقید کے نام سے دشنام طرازی کی بھی وہ اجازت نہیں دیتا البتہ اس کے نزدیک بھلائی پھیلانے کے لئے اظہار رائے کا حق صرف حق ہی نہیں بلکہ مسلمان پر ایک فرض بھی ہے جسے روکنا خدائے ذوالجلال سے لڑائی مول لینا ہے اور یہی معاملہ برائی سے منع کرنے کا بھی ہے۔

پیغمبر اسلام نے اپنے ساتھیوں کو پوری آزادی دے رکھی تھی۔ اُن کو حق حاصل تھا کہ وہ کسی بھی قسم کا سوال آپ سے کریں۔ یہاں تک کہ بعض دفعہ آپ کے ساتھی آپ کے بعض اُمور میں اختلاف کرنے کی جرأت بھی رکھتے تھے۔

برابری کا حق:

حجۃ الوداع کے خطبہ میں پیغمبر اسلام نے فرمایا: لا فضل لعربی علی عجمی ولا لعجمی علی عربی ولا لاحمر علی اسود ولا لاسود علی احمر الا بالتقوٰی۔ (۶۰)

نہ تو عربی کو عجمی پر اور نہ عجمی کو عربی پر کوئی فضیلت ہے اور نہ گورے کو کالے پر اور نہ کالے کو گورے پر کوئی فضیلت ہے، الاّ یہ کہ (کسی میں) تقویٰ ہو پیغمبر اسلام نے اپنے اس ارشاد میں سب سے پہلے عرب کا ذکر فرمایا۔ اس لیے کہ عربوں کے ذریعے اسلامی انقلاب آیا تھا۔ عرب اس وقت تختِ حکومت پر فائز اور فرماں روا تھے۔ ان سے کہا گیا کہ یاد رکھو کسی عربی کو کسی عجمی پر فوقیت نہیں ہے اور کسی گورے کو کسی کالے پر کوئی فضیلت نہیں ہے۔ 'الا بالتقویٰ' کا مطلب یہ ہے کہ برتری تقویٰ سے حاصل ہوتی ہے۔ اگر کسی کے اندر تقویٰ ہے تو وہ افضل ہے، اس کا احترام ضرور ہونا چاہیے اور سوسائٹی میں اس کی عزت و توقیر ہونی چاہیے۔ اس کی جگہ یہ دیکھنا کہ کون گورا ہے، کون کالا، کون عربی ہے اور کون عجمی، کس کا کس ملک سے تعلق ہے اور کون مرد ہے اور کون عورت ہے، ناجائز اور غیر اسلامی رویہ ہے۔ یہ اعلان اس

toobaa-elibrary.blogspot.com

وقت ہوا جب دنیا میں مساوات کا واضح تصور تک نہیں پایا جاتا تھا۔ حقِ انصاف انسان کا ایک بنیادی حق یہ مانا جاتا ہے کہ اسے عدل وانصاف حاصل ہو۔

قانون کی برتری مساوات اور عدل وانصاف کا ایک لازمی تقاضا یہ ہے کہ معاشرے میں قانون کو برتری حاصل ہو، تاکہ ہر شخص اس اطمینان کے ساتھ اپنے فرائض انجام دے سکے کہ قانون اس کی پشت پر ہے اس لیے اس کے ساتھ کوئی ناانصافی یا اس کی حق تلفی نہ ہو گی۔ یہ بات اس طرح کہی جاتی ہے جیسے اس سے پہلے دنیا میں اس کا تصور ہی نہیں تھا۔ پیغمبر اسلام نے یہ بات بڑی وضاحت کے ساتھ کہی ہے کہ قانون کے سامنے سب برابر ہیں۔ مشہور واقعہ ہے جو صحیح بخاری اور حدیث کی دوسری کتابوں میں موجود ہے کہ بنو مخزوم کی ایک عورت نے چوری کی تو پیغمبر اسلام سے درخواست کی گئی کہ اس عورت نے چوری کی ہے، لیکن شریف گھرانے کی ہے، اس کا ہاتھ نہ کاٹا جائے، کوئی اور سزا دے دی جائے۔ آپ کو یہ بات سخت ناگوار گزری۔ آپ نے فرمایا کہ قومیں اسی طرح تباہ ہوئی ہیں کہ ان میں جو بااقتدار اور شریف سمجھے جاتے تھے انھوں نے اگر کوئی غلط کام کیا تو ان کو سزا نہیں دی گئی اور جو کم زور تھے ان کو سزا دی گئی۔ پھر اس کے بعد وہ تاریخی جملہ ارشاد فرمایا جو شاید پیغمبر ہی کی زبان سے نکل سکتا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ محمد کی بیٹی فاطمہ بھی چوری کرتی تو آج میں اس کا ہاتھ کاٹ دیتا۔(۶۱) مطلب یہ کہ قانون کی نظر میں سب برابر ہیں۔ یہ بڑے کے لیے بھی ہے چھوٹے کے لیے بھی، مرد کے لیے بھی ہے اور عورت کے لیے بھی۔ اس سے کوئی مستثنیٰ نہیں ہے۔ یہ اتنا صاف اور واضح تصور ہے کہ قانون کی برتری کا اس سے بہتر اور واضح تصور پیش نہیں کیا جا سکتا۔ جرم عدالت سے ثابت ہو گا کہا جاتا ہے کہ انصاف کے لیے ضروری ہے کہ جرم عدالت سے ثابت ہو۔ اس کے بغیر سزا نہ دی جائے۔

خطبہ حجۃ الوداع.. عالمی تناظر میں:

پیغمبر اسلام نے ۱۰ھ میں آخری حج ادا فرمایا جسے حجۃ الوداع کے نام سے تعبیر کرتے ہیں۔ اس موقع پر بتاریخ ۹ ذی الحجہ میدان عرفات میں آپ نے خطبہ حجۃ الوداع ارشاد فرمایا جو عالم انسانیت کے لئے انسانی حقوق کا پہلا باقاعدہ چارٹر اور اقوام عالم کے لئے نیا عالمی نظام تھا۔ خطبہ حجۃ الوداع کو تاریخ انسانی میں

toobaa-elibrary.blogspot.com

نیو ورلڈ آرڈر کی حیثیت کیسے حاصل ہے اس حقیقت کی طرف پیغمبر اسلام نے درج ذیل الفاظ میں خود اشارہ فرمادیا ہے:

نئے عالمی نظام کا آغاز:

"إنّ الزمان قد استدار کھیئتہ یوم خلق اللہ السماوات والأرض"(۶۲)

(اور دیکھو) اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان (یعنی نظامِ عالم) کو جس حالت پر پیدا کیا تھا، زمانہ اپنے حالات وواقعات کا دائرہ مکمل کرنے کے بعد پھر اس مقام پر دوبارہ آگیا ہے۔"

گویا زبانِ نبوت اس امر کا اعلان فرما رہی تھی کہ نظام عالم کے ایک دور کا خاتمہ ہو چکا ہے اور آج سے دوسرے دور کا آغاز ہو رہا ہے اور میں دنیائے انسانیت کو نظامِ عالم کے نئے دور کے آغاز پر "خطبہ حجۃ الوداع" کے ذریعے بالخصوص اور اپنی تعلیمات و ہدایات کے ذریعے بالعموم نیا عالمی نظام عطا کر رہا ہوں۔

سابقہ جاہلانہ اور ظالمانہ نظام کی منسوخی:

ضروری تھا کہ اس موقع پر آپ پچھلے نظام اور اس کے جاہلانہ اُمور کو منسوخ کرنے کا اعلان بھی فرماتے۔ سو آپ نے ارشاد فرمایا:

"ألا! کلّ شيء من أمر الجاهلية تحت قدمي موضوع، ودماء الجاهلية موضوعة،...وربا الجاهلية موضوع"(۶۳)

"خبردار! دورِ جاہلیت کا سارا (ظالمانہ اور استحصالی) نظام میں نے اپنے پاؤں تلے روند ڈالا ہے۔ آج سے نظامِ جاہلیت کے سارے خون (قصاص، دیت اور انتقام) کالعدم قرار دیئے جاتے ہیں اور آج سے نظامِ جاہلیت کے سارے سودی لین دین بھی ختم کئے جاتے ہیں۔"

ان دو اعلانات کے بعد اس امر میں کسی شک کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہ جاتی کہ خطبہ حجۃ الوداع فی الحقیقت "نیو ورلڈ آرڈر" کا ہی اعلان تھا۔ اب ہم یہ جائزہ لیتے ہیں کہ پیغمبر اسلام کے عطا کردہ نیو ورلڈ آرڈر کے اہم پہلو کیا تھے؟

toobaa-elibrary.blogspot.com

عالمی آمن کے قیام کا اِعلان:

اس اسلامک ورلڈ آرڈر کا سب سے اہم پہلو عالمی سطح پر قیام امن تھا۔ اقوام، ممالک اور قبائل ہمہ وقت قتل و غارت گری اور جنگ وجدال کے فساد انگیز عمل میں مبتلا رہتے تھے۔ قبائل میں لامتناہی جنگوں کے سلسلے جاری رہتے تھے، انسانی خون نہایت ارزاں ہو گیا تھا اور معمولی معمولی بات پر تلواریں نکل آتیں اور دیکھتے ہی دیکھتے نسلیں خون آشام منظر کی بھینٹ چڑھ جاتیں۔ پیغمبر اسلام نے ان ہولناک حالات میں عالمی سطح پر قیام امن کا اعلان ان الفاظ میں فرمایا:

''فإن دماء کم وأموالکم وأعراضکم علیکم حرام کحرمة یومکم هذا فی بلدکم هذا فی شهرکم هذا''(٦٤)

''اے بنی نوع انسان! بیشک تمہاری جانیں اور تمہارے اموال اور تمہاری عزتیں تم پر حرام کر دی گئی ہیں جس طرح آج کے دن کی حرمت اور اس مہینہ کی حرمت تمہارے اس شہر میں برقرار ہے۔''

جس میں تم ایک دوسرے کی بے حرمتی نہیں کر سکتے اسی طرح تم کبھی ایک دوسرے کی جان و مال کی بے حرمتی بھی نہیں کر سکتے۔ آپ نے اس حکم کو مزید ان الفاظ کے ذریعے مؤکد فرمایا:

''ألا فلا ترجعوا بعدی ضلالًا یضرب بعضکم رقاب بعض''(٦٥)

''خبردار! تم میرے بعد پلٹ کر پھر گمراہ نہ ہو جانا یوں کہ ایک دوسرے کی گردنیں مارنے لگو (یہ سب سے بڑی گمراہی ہو گی)۔''

عالمی اِنسانی مساوات کا قیام:

پیغمبر اسلام نے انسانی نسلوں، طبقوں اور معاشروں کی ایک دوسرے پر مصنوعی فضیلت و برتری کے سب دعوؤں کو ختم فرما دیا اور انسانی مساوات کا عالمی اعلان فرما کر ساتھ ہی باہمی فضیلت کا دائمی عادلانہ اصول بھی مقرر فرما دیا۔ ارشاد فرمایا:

''الناس بنو آدم وآدم من تراب.''(٦٦)

''تمام بنی نوع انسان، آدم کی اولاد ہیں اور آدم مٹی سے تخلیق کئے گئے تھے۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

''ألا! كل مأثرة أو دم أو مال يدعى به فهو تحت قدمي هاتين.''(٦٧)

''اب فضیلت و برتری کے سارے (جھوٹے) دعوے، جان و مال کے سارے مطالبے اور سارے انتقام میرے پاؤں تلے روندے جا چکے ہیں۔''

''أيها الناس، إن ربكم واحد وأباكم واحد.''(٦٨)

اے لوگو! تمہارا رب ایک اور تم سب ایک ہی باپ کی اولاد ہو۔

یہ مساوات انسانی کا وہ عالمی اصول تھا جس پر پیغمبر اسلام نے بین الاقوامی سطح پر جمہوری اور عادلانہ انسانی معاشرے کی بنیاد رکھی یہی اصول آگے چل کر عالمی جمہوریت کے قیام کا باعث بنا۔

معاشی و اقتصادی استحصال کا خاتمہ:

پیغمبر اسلام نے اسی ورلڈ آرڈر کے ذریعے سود کو استحصالی نظام قرار دے کر اسے کلیتاً مسترد بلکہ ختم کرنے کا اعلان کیا۔ آپ نے فرمایا:

''وإن كل ربا موضوع ولكم رؤوس أموالكم لا تظلمون ولا تظلمون.... قضى الله أنه لا ربا.''(٦٩)

''بے شک آج سے ہر قسم کا سود (اور سارا سودی نظام) منسوخ کیا جاتا ہے تم اپنے سرمائے کے سوا نہ کچھ لے سکتے ہو اور نہ کچھ دے سکتے ہو۔ نہ تم سودی لین دین کی شکل میں ایک دوسرے پر ظلم کرو اور نہ قیامت کے دن تم پر ظلم کیا جائے گا... یہ فیصلہ اللہ تعالیٰ نے فرمادیا ہے کہ سود (اور اس پر مبنی ہر قسم کا اقتصادی استحصال) ممنوع ہے۔''

عورتوں کے حقوق کا تحفظ:

پیغمبر اسلام نے سابقہ عالمی نظام میں خواتین پر روا رکھے گئے تمام مظالم کے خاتمے کا اعلان فرمایا اور ان کے حقوق کے تحفظ کی ضمانت فراہم کی۔ ارشاد فرمایا:

''أيها الناس! فإن لكم على نسائكم حقًا ولهن عليكم حقًا ...واستوصوا بالنساء خيرًا، فاتقوا الله في نسائكم.''(٧٠)

toobaa-elibrary.blogspot.com

''اے لوگو! بے شک تمہارے کچھ حقوق عورتوں پر واجب ہیں اور اسی طرح عورتوں کے کچھ حقوق تم پر واجب ہیں (ان کی پوری طرح حفاظت کرنا) عورتوں سے ہمیشہ بہتر سلوک کرنا اور عورتوں کے حقوق کے معاملے میں ہمیشہ اللہ سے ڈرتے رہنا۔''

زیر دست اِنسانیت کے حقوق کا تحفظ:

پیغمبر اسلام نے عالمی سطح پر عادلانہ اور غیر استحصالی انسانی معاشرہ قائم کرنے کے لئے یہ عظیم انقلابی اعلان بھی فرمایا:

''أرقّائکم أرقّائکم اطعموھم مما تأکلون واکسوھم مما تلبسون''.(۱۷)

''لوگو! زیر دست انسانوں کا خیال رکھنا، زیر دستوں کا خیال رکھنا۔ انہیں وہی کچھ کھلاؤ جو خود کھاتے ہو اور ایسا ہی پہناؤ جیسا تم خود پہنتے ہو۔''

اس اعلان نے عالمی نظام سے غلامی کے خاتمے کی بنیاد رکھ دی اور انسانی طبقات میں غیر فطری تفاوت کے خلاف انقلاب آفریں نظام وضع کر دیا۔

غرض یہ کہ پیغمبر اسلام نے اپنے خطبہ حجۃ الوداع کے ذریعے انسانیت کو ایسا نیو ورلڈ آرڈر (نیا عالمی نظام) عطا فرمایا جو آج بھی زندہ و تابندہ ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ آج عالم اسلام عملاً اس کی قدر و قیمت کا صحیح اندازہ کر رہا ہے یا نہیں۔ اسلام کی تاریخ میں یہ نیو ورلڈ آرڈر آج بھی دنیا کو ایسے اصول فراہم کرتا ہے جن پر عمل پیرا ہو کر دنیا امن کا گہوارہ بن سکتی ہے۔

آج اس عالمی نظام کے نفاذ سے بدامنی اور ظلم و بربریت کا خاتمہ ہو سکتا ہے اور ایک ایسے بین الاقوامی معاشرے کا قیام عمل میں آسکتا ہے جس میں خیر، تعمیر، ارتقاء اور عدل ہی عدل ہو۔ پیغمبر اسلام کی وفات کے بعد انہی قوانین کو مد نظر رکھتے ہوئے کئی ایک امراء نے کامیاب حکومت کی۔

وحدتِ نسلِ اِنسانی کا تصور:

پیغمبر اسلام نے وحدت نسل انسانی کے تصور کو رنگ و نسل کے امتیاز کے خاتمہ کا موثر ترین ذریعہ بنایا ہے۔ تمام انسانوں کو ایک ہی لڑی میں پرو کر یہ ثابت کر دیا کہ اسلام اور تعلیماتِ پیغمبر اسلام میں

toobaa-elibrary.blogspot.com

انسان برابری کا حق دار ہے۔ البتہ ایک انسان کی فضیلت اُسی وقت ثابت ہو سکتی ہے جب وہ پرہیز گاری اور تقویٰ کو اپنا شعار بنائے۔ آپ نے فرمایا:

"الناس مستوون كأسنان المشط ليس لأحد على أحد إلا تقوى الله."(۷۲)

"تمام انسان کنگھی کے دندانوں کے طرح برابر ہیں کوئی بھی دوسرے پر فضیلت نہیں رکھتا سوائے اللہ کے تقویٰ کے۔"

پیغمبر اسلام نے برابری کی بنیاد کو یہاں تک محدود نہیں رکھا بلکہ اس سے بھی ایک قدم آگے بڑھ کر یہ اعلان فرمایا کہ برابری کا معیار صرف انسان ہونے تک محدود نہیں بلک رنگ و نسل، ذات پات اور خاندانی فخر و مباہات کی بھی حوصلہ شکنی ہونی چاہیے۔ کیونکہ آپ معلوم تھا کہ قبل از اسلام قبائلی فخر ومباہات کو انسانی قدر و قیمت سے بھی زیادہ عزیز سمجھا جاتا تھا۔ آپ نے تمام تر انسانی عزت و افتخار کی نفی کرتے ہوئے فضیلت کا معیار صرف ایک ہی نکتہ کو قرار دیا اور وہ تقویٰ الی اللہ اور خوف خدا تھا۔

"إن الله قد أذهب عنكم عبية الجاهلية وتعاظمها بآبائها فالناس رجلان: برّ تقي كريم على الله وفاجر شقي هيّن على الله والناس بنو آدم وخلق الله آدم من تراب، قال الله: ﴿إن أكرمكم عند الله أتقاكم﴾."(۷۳)

"اے لوگو! اللہ تعالیٰ نے تم سے جاہلیت کا غرور اور ایک دوسرے پر خاندانی فخر دور کر دیا ہے پس اب دو قسم کے لوگ ہیں: ایک نیک متقی شخص جو اللہ تعالیٰ کے ہاں معزز ہے اور ایک بدکار و بدبخت جو اللہ تعالیٰ کے ہاں ذلیل و خوار ہے تمام لوگ آدم کی اولاد ہیں اور آدم کو اللہ تعالیٰ نے مٹی سے پیدا کیا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: "بے شک اللہ کے ہاں تم میں سے زیادہ عزت والا وہی ہے جو تم میں سے زیادہ پرہیز گار ہے۔"

معاشی عدل واحسان کا حکم:

پیغمبر اسلام نے معاشی عدل واحسان کے تصور کو انسانی زندگی میں معاشی جبر واستحصال کے مسئلے کا موثر ترین حل بتایا ہے۔ عام طور پر معاشی جدوجہد کے بارے میں ایک بات یہ کہی جاتی ہے کہ انسان کو

toobaa-elibrary.blogspot.com

اپنی بنیادی ضرورتیں پوری کرنے کا حق ملنا چاہیے۔ پیغمبر اسلام کا نقطۂ نظر اس معاملے میں بالکل واضح ہی نہیں بہت وسیع ہے۔آپ کے نزدیک حصولِ معاش میں کوئی ناجائز رکاوٹ قانوناً جرم ہے۔اسلام انسان کو معاشی جدوجہد کی آزادی فراہم کرنے کے ساتھ اس بات کو بھی یقینی بناتا ہے کہ انسان کو اچھی غذا ملے۔ وہ گندی غذا استعمال کرنے اور گلی سڑی چیزیں کھانے پر مجبور نہ ہو جائے۔انسان کو طیب اور پاک صاف غذا ملنی چاہیے۔ یہ اس کا ایک بنیادی حق ہے۔اس کے نزدیک لباس بھی انسان کی ایک فطری ضرورت ہے۔آدم علیہ السلام جب بے لباس ہو گئے تو انہوں نے کہا کہ اے اللہ میں لباس سے عاری ہو گیا ہوں۔ کچھ نہیں ملا تو درخت کے پتوں ہی سے خود کو چھپانے لگے۔اسلام کی رو سے انسان کی یہ فطری ضرورت لازماً پوری ہونی چاہیے۔اسی طرح اسے مکان ملنا چاہیے اور حسب سہولت اس کے پاس خادم بھی ہونا چاہیے۔پیغمبر اسلام نے فرمایا: ''من ترك مالا فلورثته... و من ترك عيالا فإليّ انا ولی من لا ولی له۔''(۴۷) لیکن اگر کوئی بال بچے چھوڑ کر جاتا ہے اور مال چھوڑ کر نہیں جاتا ہے تو اس کا ولی میں ہوں گا اور اس کی نگہداشت میرے ذمے ہے۔اس کے سلسلے میں علماء نے لکھا ہے کہ یہ ریاست کی ذمے داری ہے کہ کسی بھی بچے اور کسی بھی فرد کی ضروریات پوری ہونے سے نہ رہ جائیں۔خاندان میں اس کا کوئی دیکھ بھال کرنے والا نہیں ہے تو ریاست اس کی ضروریات پوری کرنے کی ذمے دار ہو گی۔اس کے ساتھ یہ بھی بتایا گیا کہ انسان دنیا کو مقصود نہ بنائے۔

پیغمبر اسلام نے انسان کی فلاح اور غربت زدہ حالت سے باہر نکالنے کے لئے دو اہم ترین اصول وضع کئے:

اول: زکوۃ، فطرہ اور صدقہ

دوم: سود کا خاتمہ

زکوۃ کی اہمیت تین پہلوؤں سے واضح ہوتی ہے۔اول یہ کہ انسان زکوۃ ادا کر کے اللہ کی بارگاہ میں اپنی مالی نذر اسی غرض سے پیش کرتا ہے اور اس بات کا عملی ثبوت دیتا ہے کہ اس کے پاس جو کچھ ہے وہ اسے اپنا نہیں بلکہ خدا کا سمجھتا اور یقین کرتا ہے،اور اس کی رضا و قرب حاصل کرنے کے لیے اس کو قربان کرتا اور نذرانہ پیش کرتا ہے۔دوسرا پہلو زکوۃ میں یہ ہے کہ اس کے ذریعہ اللہ کے ضرورت مند اور پریشان

toobaa-elibrary.blogspot.com

حال بندوں کی خدمت واعانت ہوتی ہے، اس پہلو سے زکوۃ اخلاقیات کا نہایت ہی اہم باب ہے۔ سوم یہ کہ حبِ مال اور دولت پرستی جو ایک ایمان کش اور نہایت مہلک روحانی بیماری ہے، زکوٰۃ اس کا علاج اور اس کے گندے اور زہریلے اثرات سے نفس کی تطہیر اور تزکیہ کا ذریعہ ہے۔

پیغمبر اسلام نے معاشی عدم توازن کا راستہ بند کرنے کے لیے سود کو حرام قرار دیا کیونکہ سود سرمایہ دار طبقہ کو محفوظ طریقہ سے دولت جمع کرنے کے مواقع فراہم کرتا ہے اور ان کی تمام تر دولت سودی سرمائے کے حصول ہی کی وجہ سے ہوتی ہے۔آپ نے سود کے بارے میں فرمایا:

''اگر کسی کے پاس امانت ہو تو وہ اسے اس کے مالک کو ادا کر دے اور اگر سود ہو تو وہ موقوف کر دیا گیا ہے۔ ہاں تمہارا سرمایہ مل جائے گا۔ نہ تم ظلم کرو اور نہ تم پر ظلم کیا جائے۔ اللہ نے فیصلہ فرما دیا ہے کہ سود ختم کر دیا گیا اور سب سے پہلے میں عباس بن عبدالمطلب کا سود باطل کرتا ہوں۔''(۷۵)

صدقہ وانفاق کا وجوبی حکم:

پیغمبر اسلام کی تعلیمات میں صدقہ وانفاق اور ابعام الطعام کے حکم کو قحط وفاقہ کے انسانی مسئلہ کا حتمی حل بنایا گیا ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ اسے افراد اور اقوام دونوں سطحوں پر وجوباً نافذ کیا جائے۔ آپ نے قرآن وسنت کے ذریعے بنی نوع انسان کو یہ تعلیم دی ہے:

''أطعموا الجائع وعودوا المريض وفكّوا العاني.''(۷۶)

''من كان عنده فضل ظهر فليعد به على من لا ظهر له، ومن كان عنده فضل زاد فليعد به على من لا زاد له.''(۷۷)

''جس کے پاس کوئی زائد سواری ہے تو وہ اسے دے جس کے پاس سواری نہیں ہے اور جس کے پاس زائد زادِ راہ ہے وہ اسے دے جس کے پاس زادِ راہ نہیں ہے۔''

''إن الله فرض على أغنياء المسلمين فى أموالهم بقدر الذى يسع فقراءهم.''(۷۸)

toobaa-elibrary.blogspot.com

''اللہ نے مسلمان امیروں پر ان کے مالوں میں ایک حصہ مقرر کر دیا ہے۔ جس سے ان کے غریبوں کی ضروریات پوری ہوں۔''

اصل رزق اور بنیادی ضروریات زندگی میں برابری کا تصور:

پیغمبر اسلام نے اصل رزق اور بنیادی ضروریات زندگی میں سب کی برابری کے تصور کے ذریعے بے گھر ہونے اور بعض لوگوں کے دیگر حاجات اصلیہ سے محروم ہونے کے مسئلے کو بھی حل کیا ہے۔آپ نے اپنی تعلیمات کے ذریعے بنی نوع انسان کو یہ اصول فراہم فرمایا ہے۔

''لیس لابن اٰدم حق فی سوی ھذہ الخصال بیت یسکنہ وثوب یواری عورتہ وجلف الخبز والماء.''(۷۹)

''انسان کی لئے ان اشیاء کے سوا کوئی حق نہیں، رہنے کے لئے مکان، سترِ عورت کے لئے کپڑا، سالن کے بغیر روٹی اور پانی۔''

عورت کی عزت اور حقوق کے تحفظ کا حکم:

پیغمبر اسلام نے معاشرے میں عورت کی عزت کی بلندی اور اس کے سماجی، معاشی، قانونی، عائلی اور اخلاقی حقوق کا تعین و تحفظ کر کے حیثیت نسواں کے مسئلہ کا ایک متوازن حل دیا ہے۔آپ نے اپنی تعلیمات کے ذریعے بنی نوع انسان کو یہ ہدایت فرمائی ہے۔

''خیرکم خیرکم لأھلہ و أنا خیرکم لاھلی.''(۸۰)

''تم میں بہتر وہ ہے جو اپنی بیوی کے لئے بہتر ہو اور میں اپنی بیوی کے لئے بہتر ہوں۔''

''ما أکرمھن إلا کریم وما أھانھن إلا لئیم.''(۸۱)

''ان (عورتوں) کی عزت، عزت والا ہی کرتا ہے اور ان سے توہین آمیز سلوک وہی کرتا ہے جو خود ذلیل (اور کمینہ) ہو۔''

خطبہ حجۃ الوداع میں پیغمبر اسلام نے جہاں اجتماعی معاملات بیان کئے وہی انفرادی حقوق کی بھی نشاندہی کی۔ خاص طور پر خواتین اور غلاموں کے بارے میں حد درجہ تاکید فرمایا۔ خواتین کے بارے میں آپ کے یہ الفاظ قابلِ غور ہیں:

toobaa-elibrary.blogspot.com

لوگو! تمہارے اوپر جس طرح تمہاری عورتوں کے حقوق ہیں اسی طرح ان پر تمہارے کچھ حقوق واجب ہیں۔(۸۲)

اس کے بعد ان حقوق کی تفصیل ارشاد فرمائی:

''عورتوں پر تمہارا حق یہ ہے کہ وہ تمہارے بستر پر کسی ایسے شخص کو نہ سلائیں جسے تم پسند نہیں کرتے... اور تمہارے گھروں میں کسی ایسے کو نہ آنے دیں جنہیں تم نہیں جانتے...اور یہ کہ معروفات میں تمہاری نافرمانی نہ کریں۔اگر وہ ایسا کریں تو تمہیں ان پر (زیادتی کرنے کی) کوئی راہ نہیں۔(۸۳)

پھر فرمایا:

پس عورتوں کے بارے میں اللہ سے ڈرتے رہو...اور عورتوں کے متعلق میں تم کو خیر کی تلقین کرتا ہوں۔(۸۴)

ان ارشادات پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ آج سے چودہ سو سال قبل کی اس دنیا میں جہاں ہر معاشرے، ہر سماج میں تمدن و معاشرت کی تباہ کاریاں اپنے شباب پر تھیں، اور جس کا صاف اظہار عورتوں کی خستہ حالی سے ہو رہا تھا ایسے وقت ایسے ماحول میں حقوقِ نسواں کے تحفظ کی جو ضمانت پیغمبر اسلام کے خطبہ میں دی گئی تھی اور اشتراک حقوق و سلوک کی جو تاکید فرمادی گئی تھی اب صدیاں گزرنے کے بعد بھی دنیا کے کسی دستور، کسی منشور میں ایسا تحفظ نہیں پایا جاتا ہے۔مثال کے طور پر انگریزی منشور اعظم (Magna Corta) مجریہ ۱۲۱۵ء میں حقوق و فرائض نسواں کے بارے میں کوئی وضاحت موجود نہیں ہے۔اس کی کل ۶۳ دفعات میں سے زیادہ سے زیادہ پانچ دفعات ایسی ہیں جن میں عورتوں کے متعلق کچھ نہ کچھ ذکر ہے۔ چنانچہ دفعہ ۶ کے تحت ورثاء باہم شادی بیاہ کر سکتے ہیں لیکن ان کی شادی کسی نچلے سماجی رتبہ والے سے نہیں ہو سکتی۔ دفعہ ۷ میں مذکور ہے کہ شوہر کی وفات پر بیوہ کو حق ازدواج اور وراثت کی ادائیگی بغیر قباحت فی الفور کر دی جائے گی۔ دفعہ ۸ کے مطابق بیوہ کو اس کی مرضی کے خلاف شادی پر مجبور نہیں کیا جائے گا۔ایضاً دفعہ ۱۱ کے تحت اگر کوئی شخص مر جائے جبکہ اس نے یہودیوں سے قرض لے رکھا ہو تو بیوہ حق مہر لینے کی مجاز ہو گی اور اس میں سے قرض کی ادائیگی نہیں کرے گی۔اور دفعہ

toobaa-elibrary.blogspot.com

۵۴ میں ہے کہ کسی عورت کی درخواست پر نہ تو کسی شخص کو گرفتار کیا جائے گا نہ قید، نہ اسے سزائے موت دی جائے گی الا یہ کہ وہ اس کا شوہر ہو۔(۸۵)

عصر جدید میں عالمی منشور حقوق انسانی مجریہ ۱۹۴۸ء کی دستاویز میں دفعہ ۱۶ میں صرف یہ لکھا ہے کہ ہر بالغ مرد و عورت کو بلا امتیاز نسل، شہریت و مذہب شادی کرنے، گھر بسانے کے مجاز ہیں۔ اور دفعہ ۲۵ کی ذیلی دفعہ ۱۱ کے تحت امویت یا مادریت اور شیر خوارگی خصوصی توجہ اور امداد کی مستحق ہے اور تمام بچوں کو خواہ وہ جائز ہو یا ناجائز یکساں سماجی تحفظ حاصل ہو گا۔(۸۶)

معروف سیرت نگار علامہ شبلی نعمانی نے لکھا ہے:

> وہ (خطبہ حجۃ الوداع) پہلا دن تھا جبکہ یہ گروہ مظلوم، یہ صنف لطیف، یہ جوہر نازک قدر دانی کا تاج پہن رہا تھا۔(۸۷)

عورتوں کے علاوہ سماجی ناہمواری اور معاشرتی ظلم و فساد کا ایک اور نمائندہ گروہ، غلاموں کا تھا۔ غلاموں کا طبقہ اس وقت کے نام و نہاد مہذب و متمدن ممالک میں بھی پست ترین حالات کا شکار تھا۔ یہ بات تاریخ کا ایک معمولی طالب علم بھی جانتا ہے کہ ساتویں صدی عیسوی میں لونڈی غلام مال و اسباب کی طرح خریدے اور بیچے جاتے تھے۔ مقام و مرتبے کے اعتبار سے وہ کسی گنتی شمار میں نہ تھے اور انہیں آزادی اور حقوق کے نام کی کوئی چیز حاصل نہ تھی۔ بلکہ وہ پالتو جانوروں سے زیادہ گئے گزرے تھے۔ اس پر وہ ظلم و ستم، زیادتیاں، سختیاں اور ناروا سلوک تھا جو ظالم آقاؤں، جابر سرمایہ داروں اور حق و انصاف کا خون کرنے والے دولت مندوں کی انسانیت سوز حرکات کا نتیجہ تھا۔

اس پس منظر میں جب ہم سیرتِ پیغمبر اسلام کی طرف نظر کرتے ہیں تو ان کی بعثت کا کلی مقصد یہ تھا کہ انسانوں کو انسانوں کی غلامی سے نجات دلائی جائے اور تاریخی طور پر یہ ثابت ہے کہ غلامی کا ادارہ بتدریج کم کرنے کے لئے عہد رسالت میں اور اس کے بعد بھی برابر اقدامات کئے جاتے رہے، یہ پیغمبر اسلام کی تعلیم اور عمل پیہم کا ہی نتیجہ تھا کہ غلاموں کے ساتھ حسن سلوک اور ان کے حقوق کا تحفظ اس عہد، اس معاشرے میں یوں کیا گیا کہ خود غلاموں کی غلامی باعث فخر بن گئی۔(۸۸)

حجۃ الوداع کے خطبے میں پیغمبر اسلام نے طبقہ غلاماں کے حقوق کی نشاندہی ان الفاظ میں کی:

toobaa-elibrary.blogspot.com

''اور ہاں تمہارے غلام، تمہارے غلام! (ان کا خیال رکھنا) جو خود کھاؤ وہی ان کو کھلاؤ، جو خود پہنو، وہی ان کو پہناؤ، اور اگر وہ کوئی ایسی خطا کریں جسے تم معاف نہ کرنا چاہو تو اللہ کے بندو، انہیں فروخت کر دو، انہیں نشانہ ستم نہ بناؤ... خبردار جو کوئی اپنا نسب بدلے گا یا کوئی غلام اپنے آقا کے سوا کسی دوسرے کے ساتھ اپنی نسبت قائم کرے گا، اس پر اللہ کی لعنت، اس کے فرشتوں کی اور تمام انسانوں کی لعنت ہو گی اور قیامت کے دن اس سے کوئی فدیہ قبول نہیں کیا جائے گا۔(۸۹)

پیغمبر اسلام کے کارہائے نمایاں میں سے یہ کارنامہ یقیناً عظیم ترین متصور ہو گا کہ انہی کے کی وجہ سے انسان کو عزت ملی۔ جیسا کہ مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ آپ کے ہی کے سبب انسانی فضیلت و احترام اور تکریم و شرف آدمیت کی قندیل روشن ہوئی اور آپ ہی کے فیض کرم سے دنیا کو حقوق انسانی کی سوغات ملی اور تاریخ میں پہلی مرتبہ انسان کے وقار اور احترام کی حقیقی ضمانت دی گئی۔ انسان کے بحیثیت انسان حقوق و فرائض متعین ہوئے اور تمام انسانوں کو ایک ہی رشتہ مودت و محبت میں یوں پیوست کر دیا گیا کہ تقویٰ کے سوا رنگ و نسل، زبان و وطن، اونچ نیچ، ذات پات، اعلیٰ و ادنیٰ کا ہر امتیاز بے وقعت ٹھہرا اور خون و خاندان، دولت و سامان عہدہ و منصب، قومیت و قبائلیت کا ہر فرق بے معنی قرار پایا اور یہ طے کر دیا گیا کہ سب کے سب انسان بحیثیت انسان برابر ہیں، ایک ہیں کہ سب کے سب آدم کی اولاد ہیں اور ان میں سے ہر ایک برابر کی عزت و وقعت اور اعزاز و احترام کا سزاوار ہے۔

عہدِ پیغمبر اسلام کو یہ خصوصیت بھی حاصل ہے کہ اس دور میں انسان درجہ تذلیل کی انتہائی پستیوں سے نکل کر آبرومندانہ زندگی گزارنے کے قابل بنا اور اسے اس مثالی معاشرہ و ریاست میں وہ تمام سیاسی و سماجی اور قانونی و ثقافتی حقوق عملاً حاصل ہوئے جن کا اس زمانہ میں تصور بھی محال تھا۔ آپ کے عہد میں پاکیزہ الہامی تعلیمات کے ذریعے ذہن و فکر کے سانچے بدلے گئے اور ایسے انتظامات کئے گئے کہ قتل و غارت گری، خونریزی و سفاکی اور عداوت و شقاوت کا ہر دروازہ بند ہو جائے اور معاشرہ کا ہر فرد دوسرے فرد کی جان و مال، عزت و آبرو اور نجی و شخصی زندگی کا محافظ بن جائے۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

یہ پیغمبر اسلام کا کارنامہ اپنے خاص تاریخی پس منظر کے سبب اور زیادہ اہمیت کے حامل اس لئے نظر آتا ہے کہ ساتویں صدی عیسوی کی معلوم دنیا میں انسان ہر شرف سے محروم، پستی و ذلت کی آخری انتہا پر کھڑا تھا، دنیا کے جو علاقے تہذیب و تمدن سے عاری مشہور ہیں ان کی تو بات ہی کیا وہ علاقے بھی جہاں پر تہذیب و تمدن کی ضو فشانیوں کا چرچا ہے۔ اس وقت انسانیت و آدمیت کے لئے موجب ننگ و عار تھے۔ انسانی اخوت انسانیت کے اعتبار سے اور مساوات کا دور دور تک کوئی تصور اس عہد میں نہ تھا۔ دنیا میں ہر جگہ، ہر خطہ ہر علاقے میں انسان طبقوں میں بٹا ہوا تھا۔ سماجی تقسیم کہاں نہیں تھی۔ اونچ نیچ، ذات پات، آقا و غلام، ادنیٰ و اعلیٰ کے پیمانے الگ، ان کی حیثیت و مرتبہ جدا ان سے سلوک مختلف، سب جگہ تھا۔ روم، ہندوستان، ایران و عرب ہر ملک ہر خطہ میں اخوت و مساوات بے معنی الفاظ تھے اور اقتدار و اختیار، دولت و ثروت کے آگے ہر شرف ہیچ تھا۔ پیغمبر اسلام نے اس وقت کے ماحول کو طبقہ اشرافیہ سے نجات دلانے کے لئے فرمایا:

> لوگو! تمہارا رب ایک ہے، تمہارا باپ ایک ہے، تم سب کے سب آدم کی اولاد ہو اور آدم مٹی سے بنے تھے۔ (۹۰)
>
> تم میں سے اللہ کے نزدیک معزز و محترم وہ ہے جو زیادہ تقویٰ شعار ہے۔ پس کسی عربی کو کسی عجمی پر اور کسی عجمی کو کسی عربی پر برتری حاصل نہیں اور کسی کالے کو کسی سرخ پر اور کسی سرخ کو کسی کالے پر کوئی فضیلت حاصل نہیں ہاں مگر تقویٰ کے سبب (فضیلت حاصل ہے) (۹۱)

پیغمبر اسلام نے مزید فرمایا:

> لوگو! تمہارے خون، تمہارے مال اور تمہاری عزت و آبرو، آپس میں ایک دوسرے پر حرام و محترم ہے (جس طرح یہ دن محترم ہے، یہ مہینہ محترم ہے) قیامت تک کے لئے۔ (۹۲)

آگے چل کر آپ نے ظلم و جبر سے اجتناب کرتے ہوئے فرمایا:

toobaa-elibrary.blogspot.com

مجھ سے سن لو! تم زندگی گزارو (رہو، سہو مگر اس طرح) کہ ظلم نہ کرنا، خبردار ظلم نہ کرنا سنو، ظلم نہ کرنا۔(۹۳)

ہاں مجرم اپنے جرم کا آپ ذمہ دار ہے... باپ کے جرم کا ذمہ دار بیٹا نہیں اور بیٹے کے جرم کا ذمہ دار باپ نہیں اور بیٹے کے جرم کا جواب دہ باپ نہیں۔(۹۴)

ان ارشادات پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اُس زمانہ میں جب کہ حقوق و مساواتِ انسانی کا یہ سبق ناپید تھا آپ نے انسانیت کو ایک حقیقی مقصد کی طرف متوجہ کیا۔ مورخین لکھتے ہیں کہ اس منشور انسانیت کا اجراء آج سے چودہ سو سال قبل اس وقت روبہ عمل آرہا تھا جبکہ دنیا میں کہیں حقوقِ انسانی کا کوئی یقین کوئی تصور عملی طور پر موجود نہ تھا۔(۹۵)

یہاں یہ بات قابلِ غور ہے کہ پیغمبر اسلام کے فرامین میں انسانیت کو جن حقوق و تحفظات سے سرفراز کیا جارہا تھا اور احترام آدمیت و انسانیت کے جو اصول آپ کی زبان پر جاری ہوئے، آنے والے دنوں میں انہی کی روشنی و تابانی سے افق تا افق اجالا ہوا اور دنیا میں جہاں کہیں بھی بیداری کی لہر پیدا ہوئی اور انسانی معاشرے میں جہاں کہیں بھی آزادی، مساوات اور حقوق کی آواز بلند ہوئی اس کے پیچھے یہی آواز تھی جو اس وقت وادی فاران کے دشت و جبل میں گونج رہی تھی۔

پیغمبر اسلام نے اپنے اس خطبہ میں جن بنیادی انسانی حقوق اور تحفظات کو معاشرے و مساوات انسانی کے لئے لازم ٹھہرایا، (اور جن میں سرفہرست تحفظ جان، تحفظ مال و ملکیت، تحفظ عزت و آبرو، حق انصاف و مساوات اور فرق و امتیاز کے بغیر انسانوں کے ساتھ یکساں سلوک اور دیگر معاشرتی حقوق شامل ہیں) ان کی نوعیت یہ ہے کہ وہ تمام تر ایجابی اور واقعی حیثیت رکھتے ہیں۔ ان کو عوام کی تسلی کے لئے الفاظ کے ذریعے، تحریر کی صورت میں وقتی حل کے طور پر پیش نہیں کیا گیا۔ بلکہ ان کے پیچھے اسلام کی مستقل تعلیمات، قرآن کی ابدی آفاقی ہدایات اور ریاست نبوی کی عملی تصویر موجود تھی۔ اُن حقوق کو عملاً پرکھ کر دکھایا جاچکا تھا اور ایسے تحفظات اُس ریاست، اس معاشرے میں فراہم کئے جاچکے تھے جو اجرائے حقوق انسانی اور تشریف و تکریم آدمیت کی بجائے خود ضمانت تھے۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

دوسری جنگ عظیم کے خاتمے کے بعد لیگ آف نیشنز اور اقوام متحدہ کا قیام اقوام عالم کی اس آرزو کی طرف پیش رفت ہے جو عالمی سطح پر پائدار اور دیرپا امن کے قیام سے عبارت ہے۔ لیکن تاحال سامنے آنے والے حالات اس امر کے گواہ ہیں کہ ان اقدامات کے باوجود امن عالم کا خواب تاحال نامکمل ہے۔ کمزور اور پسماندہ اقوام اب بھی طاقت ور اور غالب اقوام کی ظلم و ستم کا تختہ مشق بنی ہوئی ہیں۔ سیرت النبی کا عصری اور بین الاقوامی تناظر میں مطالعہ، جس کی تفصیلات گزشتہ صفحات میں گزر چکی ہیں، اس حقیقت کو واضح کرتا ہے کہ انسانیت کے لئے مقامی اور بین الاقوامی سطح پر بقائے باہمی اور قیام امن کا حامل نظام صرف تعلیمات نبوی کی روشنی میں ہی تشکیل دیا جاسکتا ہے۔

آج کے حالات کے تناظر میں اُمت مسلمہ سمیت دنیا کی تمام اقوام پیغمبر اسلام کی طرف سے فراہم کردہ انسانی قوانین سے نہ صرف استفادہ کر سکتی ہیں بلکہ اپنی زندگی کے اصول بھی اس خطبہ میں بیان کئے گئے نکات کے تحت وضع کر سکتی ہے۔ سیرت طیبہ یا پیغمبر اسلام کی زندگی میں انسانی حقوق کو یقینی تحفظ حاصل تھا۔ ہمارا یہ دعویٰ اس لئے بھی قابل گرفت نہیں ہے کہ غیر جانب دار مفکرین بھی اس بات کے قائل نظر آتے ہیں۔ جیسا کہ ہم نے سطور بالا میں ذکر کیا کہ مستشرقین نے اس سلسلے میں جہاں پیغمبر اسلام اور مسلمانوں کے بارے میں اپنی رائے کا کھل کر اظہار کیا ہے وہی پیغمبر اسلام کی شخصیت اور آپ کی طرف سے فراہم کردہ قوانین اور تعلیمات کی تعریف کرتے ہوئے بھی نہیں تھکے ہیں۔ ہم سمجھ سکتے ہیں کہ کوئی تو ایسی بات تھی کہ اسلامی تعلیمات نہ صرف مسلمانوں میں مقبول ہوئیں بلکہ غیر مسلموں نے بھی ان تعلیمات پر عمل پیرا ہونے کو زندگی کی نجات کا باعث قرار دیا۔

سیرتِ طیبہ میں انسانی حقوق اور اس کے متعلقہ موضوعات کی نشاندہی ہم آسانی کے ساتھ کر سکتے ہیں۔ جیسا کہ خطبہ حجۃ الوداع میں بیان کردہ تعلیمات اس بات کی گواہ ہیں کہ ان کے تحت پوری دنیا سے ظلم و ناانصافی کے خاتمے اور نظام مساوات و انصاف کے نفاذ کی عملی جد وجہد کا آغاز ہوا اور جلد ہی اسلام کی اس اُبھرتی ہوئی طاقت نے روم اور فارس کی دونوں عالمی استحصالی طاقتوں کو چیلنج کر دیا اور ان طاقتوں کو شکست سے دوچار ہونا پڑا۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیوں؟ مختصر سی مدت میں اسلام مکہ سے مدینہ پہنچتا ہے اور مدینہ کے دس سال اس قدر کامیاب اور پُراثر ہوتے ہیں کہ پورا عرب اسلام اور پیغمبر اسلام

toobaa-elibrary.blogspot.com

کی تعلیمات کے سامنے سرنگوں نظرآتا ہے۔ اگرچہ اس مختصر سے عرصے میں ۲۷ غزوات ہوئے، ۵۶ سریہ لڑی گئیں۔ لیکن قریب ۱۰۰ بڑے معرکے ہونے کے باوجود جنگوں میں اتنے لوگ نہیں مارے گئے جس قدر بیسویں صدی کی جنگ عظیم اول ودوئم میں مارے گئے، کیاانسانی جان کے تحفظ کا خیال اس سے زیادہ کوئی کر سکتا ہے؟ جنگوں اور معرکوں میں تو بے تحاشہ لوگ مارے جاتے ہیں، جنگ میں سب کچھ جائز کا نعرہ لگایا جاتا ہے خواتین، بزرگوں اور بچوں کا استحصال ہونا معمولی سے بات ہوتی ہے۔ لیکن پیغمبر اسلام کی ذات نے ان تمام رسومات کی مکمل نفی کردی اور ایسا نظام اور قوانین متعارف کروائے جو اُس وقت کی انسانیت کے لئے باعثِ کشش بنے۔ یہی وجہ ہے کہ مختصر سی مدت میں اسلام نہ صرف اپنے قدموں پر کھڑا ہوا بلکہ حدودِ اربعہ کو پھلانگتے ہوئے روم اور فارس کی سرحدوں تک جا پہنچا۔

لوگوں نے جب دیکھا کہ پیغمبر اسلام انسانیت کی قدر کرتے ہیں، خواتین کی عزت افزائی کرتے ہیں، بچوں کو شفقت، محبت اور پیار کرنے کا درس دیتے ہیں، عرب کے اُس معاشرے میں جہاں کئی طرح کی ناپسندیدہ رسومات جاری و ساری تھیں۔ لوگ جبر کے تحت زندگی گزارنے پر مجبور تھے ایسے میں سیرت طیبہ میں اُن کو قوانین کی شکل میں نجات کی صورت نظرآئی۔ اس طرح کی صورت حال کا مشاہدہ اسلام کے ابتدائی ایام میں بھی کیا جاسکتا ہے۔ پیغمبر اسلام نے جب اسلامی تعلیمات کو لوگوں کے سامنے رکھا تو اشرافیہ طبقہ سب سے بڑے مخالف کے طور پر سامنے آیا۔ کیونکہ آپ کی تعلیمات انسانیت کی فلاح کی بات کرتی تھی جبکہ یہ اشرافیہ طبقہ وہی تو تھا جس نے لوگوں کے حقوق غصب کر رکھے تھے۔ لیکن دوسری طرف ایک ایسا طبقہ بھی تھا جو اپنے حقوق کا تحفظ چاہتا تھا۔ چونکہ طبقہ اشرافیہ کی موجودگی میں اُن کو حقوق ملنا محال تھا لہٰذا حقوق سے محروم طبقہ کو پیغمبر اسلام کی ذات ایک اُمید کے طور پر نظرآئی۔ ہم دیکھتے ہیں کہ اسلام کی ابتدائی تعلیمات میں بھی جہاں دین کی تبلیغات کا مکمل طریقہ نظرآتا ہے وہی انسانیت کے لئے ایک دردمند صدا بھی نظرآتی ہے۔ ہم کہہ سکتے ہیں کہ سیرت طیبہ میں انسانی حقوق کا مکمل نمونہ اسلام کے آغاز کے ساتھ ہی نظرآیا اور خطبہ حجۃ الوداع میں یہ تمام حقوق خلاصہ کے طور پر بیان ہوئے۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

حوالہ جات

(۱) Action, Lord, The history of Freedom and other Eassys, old Chelsea, station New York, 1907, Pg: 312

(۲) Britannica encyclopedia of word religions, London, Pg: 430

(۳) ابی جعفر محمد بن جریر الطبری، تاریخ الامم والملوک، ج۲، دارِ ابن کثیر، بیروت، ۱۴۲۸ھ بمطابق ۲۰۰۷ء، ص: ۱۵۷، ۱۵۸

(۴) Muir, William, Life of Mahomet, Smith, Elder and Co., Cornhill London, 1923, Pg: 408

(۵) محمد ناصر الدین البانی، صحیح سنن ابی داؤد، حدیث: ۱۹۰۵، ج۱، مکتبۃ المعارف للنشر والتوزیع، الریاض، ۱۴۱۹ھ بمطابق ۱۹۹۸ء، ص: ۵۳۱تا۵۳۶

اس کے علاوہ مندرجہ ذیل کتب میں بھی خطبہ حجۃ الوداع کی عبارت بعینہ وہی ہے جس کا ذکر ہم نے سطور بالا میں کیا:

- مسلم بن الحجاج القُشیری، صحیح مسلم، المسمیٰ: المسند الصحیح المختصر من السنن بنقل العدل عن العدل الی رسول اللہ، کتاب الحج، باب: حجۃ النبی، حدیث: ۱۲۱۸، ج۱، دار طیبہ للنشر والتوزیع، الریاض، ۱۴۲۷ھ بمطابق ۲۰۰۶ء، ص: ۵۵۶
- ابی عبداللہ محمد بن یزید القزوینی، سنن ابن ماجہ، حدیث: ۳۰۵۵، ج۲، داراحیاء الکتب العربیۃ، بیروت، س ن، ص: ۱۰۱۵

(۶) صحیح بخاری، رقم الحدیث: ۱۷۳۹

(۷) ایضاً، رقم الحدیث: ۱۷۴۰

(۸) الشیخ محمد بن یعقوب الکلینی، اصول الکافی، ج۱، کتاب الحجۃ، باب: ما امر النبی بالنصیحۃ لائمۃ المسلمین واللزوم لجماعتھم ومن ھم، حدیث: ۲، منشورات الفجر، بیروت، ۱۴۲۸ھ بمطابق ۲۰۰۸ء، ص: ۲۵۳

(۹) ابی الحسین مسلم بن الحجاج القشیری، صحیح مسلم المسمیٰ المسند الصحیح المختصر من السنن بنقل العدل عن العدل الی رسول اللہ، کتاب الحج، باب: حَجۃ النبی، حدیث: ۱۴۷، دار طیبہ للنشر والتوزیع، الریاض، ۱۴۲۷ھ بمطابق ۲۰۰۶ء، ص: ۵۵۷

(۱۰) محمد بن عمر بن واقد، کتاب المغازی، ج۳، عالم الکتب، بیروت، ۱۴۰۴ھ بمطابق ۱۹۸۴ء، ص: ۱۱۰۳

toobaa-elibrary.blogspot.com

(۱۱) سیرۃ النبی، لابی محمد عبدالملک بن ہشام، ج:۴، البطعۃ الاولیٰ، دارالصحابہ للتراث، بطنطا،۱۴۱۶ھ بمطابق ۱۹۹۵ء، ص:۲۹۷تا۲۹۸

(۱۲) علی بن برہان الدین الحلبی، انسان العیون فی سیرۃ الامین المامون المعروف بالسیرہ الحلبیۃ، ج۳، الطبعۃ الثالثۃ، طبع بالمطبعۃ الازہریہ بمصر، ۱۳۵۱ھ، بمطابق ۱۹۳۲ء، ص:۲۹۸

(۱۳) ایضاً، ص:۳۰۶

(۱۴) أبوزکریا محی الدین یحیی بن شرف النووی، المنھاج شرح صحیح مسلم بن الحجاج، ج۹، دار إحیاء التراث العربي، بیروت، الطبعۃ الثانیۃ، ۱۳۹۲ھ، ص:۵۷

(۱۵) ابو محمد الحسن بن علی بن الحسین شعبۃ الحرانی، تُحف العقول عن آل الرسول، ج۱، موسسۃ الاعلمی للمطبوعات بیروت، ۱۴۱۷ھ بمطابق ۱۹۹۶ء، ص:۳۰

(۱۶) علی الکورانی العاملی، السیرۃ النبویۃ، ج۳، دارالمرتضیٰ، بیروت، ۱۴۳۰ھ بمطابق ۲۰۰۹ء، ص:۲۲۱، ۲۲۲

(۱۷) ابی جعفر بن جریر الطبری، تاریخ الامم والملوک، ج۲، دار ابن کثیر، بیروت، ۱۴۲۸ھ بمطابق ۲۰۰۷ء، ص:۳۴۴

(۱۸) عزالدین، ابن الاثیر الجزری، الکامل فی التاریخ، ج۲، دارالکتب العلمیۃ، بیروت، ۱۴۰۷ھ بمطابق ۱۹۸۷ء، ص:۱۷۰، ۱۷۱

(۱۹) محمد بن سعد بن منیع الزھری، کتاب الطبقات الکبیر، ج۲، مکتبۃ الخانجی بالقاھرۃ، ۱۴۲۱ھ بمطابق ۲۰۰۱ء، ص:۱۶۷

(۲۰) أبو عمر یوسف بن عبد اللہ بن محمد بن عبد البر، الاستذکار، ج۴، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ۱۴۲۱ھ بمطابق ۲۰۰۰ء، ص:۲۳۹

(۲۱) سورہ مائدہ، آیت:۳

(۲۲) مفتی محمد شفیع، معارف القرآن، ج۳، مکتبہ معارف القرآن، کراچی، ۱۴۲۹ھ بمطابق ۲۰۰۸ء، ص:۴۱

(۲۳) سورہ ہود، آیت:۱۲۰تا۱۲۲

(۲۴) سورہ صف، آیت:۸، ۹

(۲۵) شریف رضی، ابی الحسن محمد بن الحسین، نہج البلاغۃ، خطبہ:۲۶، مرکز الابحاث العقائدیۃ، النجف الاشرف/ قم المقدسہ، ۱۴۱۹ھ، ص:۶۶

(۲۶) سورۂ نحل، آیات۵۸-۵۹

toobaa-elibrary.blogspot.com

(۲۷) قوم عاد بلدیاتی اور شہر سازی کے فن میں مہارت کے اعلیٰ درجے پر تھی۔ قرآن نے اُن کی مہارت کا نقشہ کچھ یوں کھینچا ہے: ''اِرَمَ ذَاتِ الْعِمَادِ، الَّتِیْ لَمْ یُخْلَقْ مِثْلُهَا فِی الْبِلَادِ'' ستونوں والے ارم کے ساتھ، جسکی نظیر کسی ملک میں نہیں بنائی گئی۔

(۲۸) سورہ مائدہ، آیت: ۴۹

(۲۹) اِلامام اُحمد بن حنبل، المسند، رقم الحدیث: ۱۵۴۴۸، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت، الطبعۃ الاولیٰ، ۱۴۱۶ھ، بمطابق ۱۹۹۶ء

(۳۰) سورہ حجرات، آیت: ۱۳

(۳۱) سورہ لہب، آیت: ۱

(۳۲) ایضاً

(۳۳) سورہ التین، آیت: ۴، ۵

(۳۴) بخاری، ابی عبداللہ محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، کتاب: مناقب الانصار، باب: مناقب الانصار، رقم الحدیث: ۳۷۷۷، دار طوق النجاۃ، بیروت، ۱۴۲۲ھ

(۳۵) سورہ بقرہ، آیت: ۲۷۸

(۳۶) ایضاً

(۳۷) علامہ شبلی نعمانی، سیرت النبی، ج ۱، حصہ دوم، ادارہ اسلامیات، لاہور، ۲۰۰۲ء، ص: ۴۰۰

(۳۸) سورہ حزاب، آیت: ۳۷

(۳۹) ایضاً، آیت: ۵

(۴۰) لابی جعفر محمد بن جریر الطبری، تفسیر الطبری جامع البیان عن تاویل آی القرآن، ج ۱۹، مرکز البحوث والدراسات العربیۃ والاسلامیۃ، القاھرۃ، ۱۴۲۲ھ بمطابق ۲۰۰۱ء، ص: ۱۱۸

(۴۱) سورہ نساء، آیت: ۲۳

(۴۲) صحیح بخاری، رقم الحدیث: ۲۴۵۱، محولہ بالا

(۴۳) سنن ابی داؤد، رقم الحدیث: ۱۹۰۴، محولہ بالا

(۴۴) بخاری، رقم الحدیث: ۲۹۹، محولہ بالا

(۴۵) مسند احمد، ۱۵۸۱۳، محولہ بالا

(۴۶) صحیح مسلم، رقم الحدیث: ۳۱۳۵، ۳۱۳۶، محولہ بالا

toobaa-elibrary.blogspot.com

(۴۷) ایضاً، رقم الحدیث: ۲۲۸۷

(۴۸) مسند احمد، رقم الحدیث: ۱۵۴۴۸، محولہ بالا

(۴۹) سورہ آل عمران، آیت: ۳

(۵۰) Ian, Brownlie, Basic Documents on Human Rights, Clarendor Press Oxford, 1971, Pg:106

(۵۱) صلاح الدین، محمد، بنیادی حقوق، ادارہ ترجمان القرآن، لاہور، ۱۹۷۷ء، ص: ۹۶

(۵۲) Brohi, A.K, United Nations and the Human Rights, 1968, Pg:44

(۵۳) المجلسی، الشیخ محمد باقر، بحارالانوارالجامعۃ لدرراخبار الائمۃ الاطھار، ج۷۳، احیاء الکتب الاسلامیۃ، قم المقدس، ۱۴۳۰ق، ص: ۳۴۸، ۳۵۰

(۵۴) احمد بن علی بن حجر العسقلانی، فتح الباری، شرح صحیح البخاری، ج۱۳، دارالریان للتراث، ۱۴۰۷ھ بمطابق ۱۹۹۶ء، ص: ۲۷

↩ احمد بن محمد بن حنبل، مسند الامام احمد، رقم الحدیث: ۸۵۶۸، داراحیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۱۴ھ بمطابق ۱۹۹۳ء

(۵۵) ابی داؤد، سنن ابی داؤد، باب فی الاستئذان، رقم الحدیث: ۵۱۷۴

(۵۶) أحمد بن علي أبو بكر الرازی الجصاص، أحكام القرآن، ج۳، دار إحياء التراث العربي، بيروت، ۱۴۰۵ھ بمطابق ۲۰۱۰ء، ص: ۳۸۵

(۵۷) ابی داؤد، سنن ابی داؤد، محولہ بالا، رقم الحدیث: ۵۶۰۶

(۵۸) أبو عبد الله الحاكم محمد بن عبد الله، المستدرک للحاکم، ج۴، دار الكتب العلمية، بيروت، ۱۴۱۱ھ بمطابق ۱۹۹۰ء ص: ۲۸۰

(۵۹) الہندی، علاء الدین علی المتقی بن حسام الدین، کنز العمال ج ۲، موسسۃ الرسالۃ، بیروت، ۱۴۰۱ھ، بمطابق ۱۹۸۱ء، ص ۱۵۵

(۶۰) احمد بن حنبل، المسند، ج۴، موسسۃ الرسالۃ، بیروت، ۱۴۱۶ھ، ۱۹۹۶ء، ص ۵۱۱

(۶۱) صحیح بخاری، رقم الحدیث: ۲۱۲۲، محولہ بالا

(۶۲) صحیح بخاری، کتاب بدء الخلق، باب ماجاء في سبع أرضين، رقم الحدیث: ۳۰۲۵، محولہ بالا

↩ عبد الرحمن ابن خلدون، تاریخ ابن خلدون، ج۲، دار الفکر، بیروت، ۱۴۲۱ھ، بمطابق ۲۰۰۰ء ص: ۴۸۰

toobaa-elibrary.blogspot.com

(۶۳) صحیح مسلم، کتاب الحج، باب حجۃ النبی، رقم الحدیث: ۱۲۱۸، محولہ بالا

(۶۴) ابی عیسیٰ محمد بن عیسیٰ الترمذی، الجامع الکبیر، کتاب تفسیر القرآن، باب ومن سورۃ التوبۃ، رقم الحدیث: ۳۰۸۷ ،دارالغرب الاسلامی، بیروت، ۱۹۹۶ء

➥ ابن ماجہ، ابی عبداللہ محمد بن یزید القزوینی، السنن، کتاب المناسک، باب الخطبۃ یوم النحر،، رقم الحدیث: ۳۰۵۸، مطبعۃ دار احیاء الکتب العربیۃ، بیروت، س ن

(۶۵) البیھقی، أحمد بن الحسین بن علی، السنن الکبری، ج۵، رقم الحدیث: ۹۵۵۴، دار الکتب العلمیۃ، بیروت ،۱۴۲۴ھ بمطابق ۲۰۰۳ء، ص: ۱۶۵

(66) ترمذی، السنن، کتاب المناقب، باب فضل الشام، رقم الحدیث: ۳۹۵۶، محولہ بالا

(۶۷) تاریخ طبری، ج۲ محولہ بالا، ص: ۱۶۱

(۶۸) نور الدین علی بن ابی بکر الھیثمی، مجمع الزوائد و منبع الفوائد، ج۳، دار المامون للتراث، بیروت، س ن، ص: ۲۶۶

(۶۹) طبری، تاریخ الأمم والملوک، ج۲، محولہ بالا، ص: ۲۰۵

➥ ابن خلدون، تاریخ ابن خلدون، ج۲، محولہ بالا، ص: ۴۸۰

(۷۰) طبری، تاریخ الأمم والملوک، ج۲، محولہ بالا، ص: ۲۰۶

(۷۱) محمد بن سعد بن منیع الزھری، الطبقات الکبری، ج۲، مکتبۃ الخانجی بالقاھرہ، ۱۴۲۱ھ، بمطابق ۲۰۰۱ء، ص: ۱۸۵

➥ سلیمان بن احمد الطبرانی، المعجم الکبیر، ج۲۲، مکتبۃ ابن تیمیہ، بیروت، ۲۰۰۸ء، رقم الحدیث ۶۳۶

(۷۲) شیرویہ بن شھردار بن شیرویہ الدیلمی، الفردوس بمأثور الخطاب، ج۶، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ۱۴۰۶ھ، بمطابق ۱۹۸۶ء، ص: ۳۰۱

(۷۳) ترمذی، الجامع الصحیح، کتاب التفسیر، باب سورۃ الحجرات، رقم الحدیث: ۳۲۷۰

(۷۴) احمد بن حنبل، المسند، ج۴، موسسۃ الرسالۃ، بیروت، ۱۴۱۶ھ، ۱۹۹۶ء، ص ۱۳۳

(۷۵) ابو محمد الحسن بن علی بن الحسین شعبۃ الحرانی، تحف العقول عن آل الرسول، ج۱، محولہ بالا، ص: ۳۰

(۷۶) بخاری، الصحیح، کتاب الأطعمۃ، باب قول اللہ تعالی کلوا من طیبات، رقم الحدیث: ۵۰۵۸، محولہ بالا

(۷۷) أبوداود، السنن، کتاب الزکوۃ، باب فی حقوق المال، رقم الحدیث: ۱۶۶۳، محولہ بالا

toobaa-elibrary.blogspot.com

(۷۸) الطبرانی، سلیمان بن أحمد بن أیوب بن مطیر، المعجم الصغیر، ج۱۱، رقم الحدیث: ۴۵۳، المکتب الإسلامی دار عمار ، بیروت، عمان، ۱۴۰۵ھ بمطابق ۱۹۸۵ء، ص: ۲۷۵

(۷۹) ترمذی، السنن کتاب الزھد: باب ماجاء فی الزھادۃ فی الدنیا، رقم الحدیث: ۲۳۴۱، محولہ بالا

(۸۰) ابن ماجہ، السنن، کتاب النکاح: باب حسن معاشرۃ النساء، رقم حدیث ۱۹۷۷، محولہ بالا

(۸۱) أبو الفضل أحمد بن علي بن محمد بن أحمد بن حجر العسقلاني ، لسان المیزان، ج۶، مؤسسۃ الأعلمي للمطبوعات بیروت، ۱۳۹۰ھ، بمطابق ۱۹۷۱ء، ص: ۱۲۸

(۸۲) لابی محمد عبدالملک بن ہشام، سیرۃ النبی، ج۴، دار الصحابہ للتراث بطنطا، ۱۴۱۶ھ بمطابق ۱۹۹۵ء، ص: ۲۵۱

(۸۳) ایضاً، ص: ۲۵۱

(۸۴) عمادالدین ابن کثیر، البدایۃ والنھایۃ، ج۵، مرکز البحوث والدراسات العربیۃ والاسلامیۃ، بدار ھجر، ص: ۲۰۲

(۸۵) Marsh, Henry, Documents of liberty, Darid and Charles Newton allit England 1971, Pg:42,48

(۸۶) Browlie, lan (Ed) Basic Rights, Clarendon press Oxford Documents of human 1971, Pg:109,111

(۸۷) شبلی نعمانی، سیرت النبی، ج۲، آرزیڈ پبلیکیشنز، لاہور، س ن، ص: ۱۵۷

(۸۸) سعید احمد اکبر آبادی، الزقانی فی الاسلام، ندوۃ المصنفین، دہلی، ۱۹۴۴ء، ص: ۳۰تا۳۸

(۸۹) ابن سعد، طبقات ابن سعد، ج۲، محولہ بالا، ص: ۱۵۹، ۱۸۵

(۹۰) احمد بن ابی یعقوب، تاریخ الیعقوبی، ج۲، شرکۃ الاعلمی للمطبوعات، بیروت، ۱۴۳۱ھ، بمطابق ۲۰۱۰ء، ص: ۱۱

(۹۰) ابن ہشام، ج۴، محولہ بالا، ص: ۲۵۰

(۹۱) علی الکورانی العاملی، السیرۃ النبویۃ، ج۳، دار المرتضیٰ، بیروت، ۱۴۳۰ھ بمطابق ۲۰۰۹ء، ص: ۲۲۱، ۲۲۲

(۹۲) حاکم نیشاپوری، المستدرک علی الصحیحین فی الحدیث، ج۱، دائرۃ المعارف، دکن، ۱۳۴۴ھ، ص: ۴۷۴

(۹۳) ابن کثیر، ج۵، محولہ بالا، ص: ۲۰۱

(۹۴) شبلی نعمانی، ج۲، محولہ بالا، ص: ۱۹۴

(۹۵) ابن ہشام، ج۴، محولہ بالا، ص: ۲۵۰

toobaa-elibrary.blogspot.com

باب پنجم:

سیرت طیبہ کی روشنی میں عصر حاضر کے مسائل کا حل

کسی انسانی سیرت کے دائمی نمونہ عمل ہونے کے لئے ضروری ہے کہ اس کے صحیفہ حیات کے تمام حصے سچائی اور صداقت پر مبنی ہوں۔ اگر اقوام عالم کی تاریخ کا مطالعہ کریں اور شارعین ادیان اور بانیان مذاہب کے سوانح اور سیرتوں کے معیار کو جانچیں تو معلوم ہوگا کہ سیرت نبوی کے علاوہ کسی دوسرے شخص کی زندگی کے واقعات اس معیار پر پورے نہیں اترتے۔ حضرت موسیٰ کی سیرت کے بارے میں صحیح اور درست معلومات مہیا نہیں ہیں۔ علماء یہود نے ان میں تحریف و ترمیم کر دی ہے۔ عرصہ دراز کے بعد انہیں لکھا گیا تھا اور مصنف بھی نامعلوم ہیں۔ صرف یہی بات حضرت موسیٰ کی سیرت کی صحت اور صداقت میں شبہ پیدا کرنے کے لئے کافی ہے۔ یہی کیفیت حضرت عیسیٰ کی سیرت کی ہے۔ کلیسا کے نزدیک سرکاری طور پر جس مجموعے کو انجیل کہا گیا اور تسلیم کیا گیا ہے وہ حضرت عیسیٰ کے صدیوں بعد آخری دور میں ترتیب دیا گیا ہے۔ اناجیل کی اپنی صحت مشکوک ہے سینکڑوں اناجیل کے نسخے مسیحیوں کے درمیان پھیلے ہوئے ہیں۔ بدھ اور کنفیوشس کے حالات میں کاہنوں کی من گھڑت کہانیاں ملتی ہیں۔ صحیح ترین سیرت، مدلل، علمی تواتر کی حد تک درست اور صداقت کے معیار پر مبنی سیرت صرف پیغمبر اسلام کی ہی ہے اور اس دعویٰ میں کوئی مبالغہ نہیں کہ دنیا کی تمام قومی اور علاقائی زبانوں میں پیغمبر اسلام کی سیرت پر کتب لکھی جا چکی ہیں جن کا شمار ممکن نہیں۔ آکسفورڈ یونیورسٹی کے مشہور پروفیسر مارگولیتھ (Margoliouth) نے ''محمد اور ظہورِ اسلام'' کے نام سے پیغمبر اسلام کے حالات پر انگریزی میں ایک کتاب لکھی تو اس کی ابتدا ان الفاظ سے کی:

> The biographers of Prophet Mohammad form a long series which is impossible to end but in which it would be honorable to find a place.(۱)

پیغمبر اسلام کی سیرت طیبہ انسانی زندگی کے تمام گوشوں اور شعبوں پر محیط ہے یعنی آپ کی حیات طیبہ جامع زندگی کا نمونہ ہے جس میں وہ تمام قواعد و اصول بیان ہیں جن سے قوموں کی فلاح اور ترقی

toobaa-elibrary.blogspot.com

وابستہ ہے۔اس میں انفرادی، اجتماعی، گھریلواور معاشرتی زندگی کے ہر پہلو کے متعلق رہنمائی میسر ہے جو دوسرے انسانوں کی سیرتوں میں نظر نہیں آتی جیسا کہ حضرت موسیٰ کی زندگی ایک قومی لیڈر کی زندگی ہے جس میں اپنی قوم کو غلامی کے اس طوق سے نجات دلانا ہے جو مصریوں نے ان کے گلے میں ڈال رکھا تھا۔بقیہ اُمورِ زندگی کے متعلق کوئی رہنمائی میسر نہیں ہے۔ایسے ہی حضرت عیسیٰ ایک عابد، زاہداور داعی کی نمائندگی تو کرتے ہیں مگر دیگر اُمور زندگی سے بالکل بے نیاز ہیں۔ان حالات میں سیرت نبوی ہی ایک ایسی جامع حیات طیبہ ہے جو انسانی زندگی کے تمام پہلوؤں پر محیط ہے جس میں ہر نوع، ہر قسم، ہر گروہ اور ہر صنفِ انسانی کے لئے رہنمائی کی مثالیں موجود ہیں۔

دورِ حاضر کے مسائل کے لئے سیرت طیبہ کی جامع اور آفاقی حکمت عملی کی تشریح سے پہلے لازم ہے کہ عصر حاضر کی اصطلاح کا معنوی معنی کا تعین کیا جائے چنانچہ عصر حاضر سے مراد آج کا ترقی یافتہ دور ہے جس میں معاشی اور سائنسی عوامل نے پوری دنیا کو انسانوں کی ایک بستی میں متشکل کر دیا ہے اور پورا عالم ایک گلوبل ولیج کی صورت اختیار کر چکا ہے۔ذرائع ابلاغ اور مواصلاتی نظام نے جس طریقے سے مختلف خطوں اور ملکوں کو باہم ملا دیا ہے اس کا تقاضا ہے کہ کسی بھی پیغام اور پروگرام کی ترتیب سے پہلے دورِ جدید کے انسانوں کو پیش نظر رکھا جائے جو آج کے عالمی شہر کے عالمی اور آفاقی شہری ہیں اور جس شہر میں فاصلے سمٹ جانے کے باوجود بیشتر غیر فطری سرحدیں تاحال موجود ہیں کہ جنہوں نے قریب رہنے کے باوصف انسانوں میں دوریاں اور فاصلے بڑھا رکھے ہیں جن سے مادی وسائل کا اختلاف تو ہے لیکن ذہنی اور فکری سطح پر انسان باہمی انتشار اور افتراق کا شکار ہے۔

لہٰذا آج اس خطہ ارضی کے اس عالمگیر شہر کو جس میں سائنسی اور معاشی ارتقاء کی بنا پر فاصلے سمٹتے جا رہے ہیں اور دنیا ایک قصبے اور شہر کی صورت اختیار کر چکی ہے، ایک ایسے عالمگیر نظام کی ضرورت ہے جس کی بنیاد ایک خدا اور ایک رسول ایک امت اور ایک آفاقی ہیئتِ اجتماعی پر مشتمل ہو جس کی وحدت کی طرف محض دین اسلام ہی اپنی آفاقی دعوت کے ذریعے بلا رہا ہے۔کیونکہ اسلام کے پیش رو مذاہب میں اور فکر جدید کے موجودہ افکار و نظریات میں ایسا جامع اور عالمی سطح کا نظام کہیں بھی موجود نہیں جیسا کہ پیغمبر اسلام نے اپنی تعلیمات کے ذریعے عالم انسانیت کے لئے تجویز فرمایا ہے۔آپ نے ایک طرف

toobaa-elibrary.blogspot.com

معیشت اور معاشرت میں ہر فرد کو توسط اور اعتدال کی راہ پر گامزن فرمایا اور دوسری طرف سیاست میں لادینی اور بے لگام جمہوریت کی جگہ اسلامی شورائیت کے زریں اصول نافذ فرمائے کہ جس میں انسانی شرافتوں اور عزتوں کو تقویٰ اور خوفِ خدا کے میرٹ پر قائم فرمایا۔ کیونکہ اسلام میں عزت اور اقتدار کا یہ اعلیٰ ترین معیار ہے۔ چنانچہ اپنے خطبہ حجۃ الوداع میں آپ نے واضح اعلان کیا:

"کسی عربی کو عجمی پر کسی احمر کو اسود پر کوئی برتری حاصل نہیں صرف تقویٰ کی بنیاد پر ہی ہر کوئی شخص عزت اور شرافت کے حصول کا اہل ہے۔"(۲)

محض رنگ و نسل، خطے، ملک اور عقیدے کو اسلام میں شرافت کا معیار قرار نہیں دیا جاسکتا۔ حالانکہ آج نسلی تفریقات کا یہ حال ہے ہے کہ سفید فام اقوام اپنے رنگ اور دیگر خصوصیات کو وجہ تفاخر و عزت سمجھتی ہیں اور امریکہ جیسے ترقی یافتہ معاشرے میں آج بھی نسلی امتیاز اور کالے اور گورے کی تفریق شدت سے موجود ہے جو کہ ننگِ انسانیت ہے اور جس سے انسانوں کے سر شرم کے مارے جھک جاتے ہیں۔ اس کے بر خلاف پیغمبر اسلام نے اپنی زندگی میں اسلامی معاشرتی انصاف اور عدل اجتماعی کا ایک ایسا عملی نمونہ پیش کیا کہ آج کا معاشرہ جو نسلی امتیاز اور تفریقات کی آماجگاہ بنا ہوا ہے اس سے رہنمائی حاصل کر کے نفرتوں اور اذیتوں سے نجات پاسکتا ہے۔ خطبہ حجۃ الوداع میں کئے گئے اعلان عظیم میں وحدت نسل انسانی کا جو تصور پائیدار طریقے سے پیغمبر اسلام نے پیش کیا وہ ایک ایسا بین الاقوامی ہیئتِ اجتماعی کا عظیم چارٹر ہے جو پورے عالم کی واحد عالمی ریاست کی نشاندہی کر رہا ہے۔ جبکہ یہ عالمی اجتماعی نظام اور دنیا بھر کی انسانی ریاست کا عملی نقشہ یقینی طور پر پیغمبر اسلام کی تعلیمات اور آپ کی سیرت طیبہ کے دستور العمل میں ہی میسر ہے کیونکہ جہاں پر آپ کافۃ للناس اور رحمۃ للعالمین بن کر تشریف لائے وہاں پر آپ کو بھیجنے والے رب کریم بھی رب الناس اور رب العالمین ہے کہ جس پر ایمان و یقین کی بنیاد پر ہی عالمی ریاست اور بین الاقوامی آفاقی اقتدار اعلیٰ کی پہچان ہو سکتی ہے۔ فوز و فلاح کی منزل تک پہنچنے کے لئے نکتہ وری کا یہ وہ عظیم مقام تھا جسے پیغمبر اسلام نے اپنے دور میں دنیا والوں کو نافذ کر کے دکھا دیا کہ اسلام تفریقات کو قائم کرنے نہیں بلکہ مٹانے کے لئے آیا ہے۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

چنانچہ یہ ثابت ہو گیا کہ عالمی ریاست کے عالمی معاشرے میں صہیب روم سے آئے ہیں، ابو ہریرہ یمن سے، سلمان فارس سے اور بلال حبشہ سے، پھر ہر رنگ و نسل کے ساتھی آپ کے ارد گرد جمع ہوتے ہیں کہ کسی کو بھی کسی پر معاشی اور معاشرتی فوقیت اور برتری کا احساس ہونے نہیں پاتا اس لئے پورے وثوق سے کہا جا سکتا ہے کہ وہ عالمگیر خوف اور عدم تحفظ کا بین الاقوامی احساس جس نے عصر حاضر کو انفرادی اور اجتماعی رقابتوں اور محاذ آرائیوں کا مرکز بنا رکھا ہے اس سے نجات پانے کے لئے پیغمبر اسلام کی دعوت سیرت میں ایک پائیدار عالمی دستور العمل موجود ہے۔ جس دن دنیا والوں نے اسے عملی زندگی میں نافذ کر لیا تمام تر معاشرتی، معاشی، سماجی اور سیاسی زاویئے خود بخود خدا پرستی، توسط و اعتدال اور اقتصاد کے اصولوں پر چلنے لگیں گے اور زمین اللہ کی حاکمیت کا اور انسانوں کے لئے امن و عافیت کا گہوارہ بن جائے گی۔

پیغمبر اسلام کا یہی وہ پیغامِ سیرت ہے جو عصر حاضر کے مسائل کے حل کے لئے دنیا والوں کو دیا جا رہا ہے اور جس میں ایک طرف عالم اسلام کو اتحاد و عمل کی تلقین ہے اور دوسری طرف عالم انسانیت کو توحید و رسالت اور آخرت کے اصولِ ثلاثہ پر مبنی ایمان کی طرف بلایا جا رہا ہے اور یہی دو چیزیں وقت کا اہم ترین تقاضا ہیں۔ چنانچہ پیغمبر اسلام کے آفاقی اور ابدی پیغام کی وسعت اور عمومیت کو بیان کرتے ہوئے قرآن نے اعلان فرمایا:

وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلاَّ كَافَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيرًا وَنَذِيرًا وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لاَ يَعْلَمُونَ(۳)

ہم نے آپ کو تمام لوگوں کے واسطے خوشخبری سنانے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے، لیکن لوگوں کی اکثریت اس بات سے بے خبر ہے۔

سیرت طیبہ تمام بنی نوع انسان کے لئے رہنمائی مہیا کرتی ہے جس میں نہ تو رنگ نسل کی کوئی قید ہے اور نہ ہی علاقہ اور زبان کی۔ جب ہم دوسرے انبیاء کی سیرتوں کا مطالعہ کرتے ہیں تو واضح ہوتا ہے کہ ان کی تعلیمات صرف اسی قبیلے یا علاقے کے لئے تھیں اور صرف اسی دور کے لئے تھی جس میں وہ نبی تھے

toobaa-elibrary.blogspot.com

لیکن پیغمبر اسلام کی سیرت طیبہ آنے والے تمام ادوار اور بنی نوع انسان کے لئے ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے:

قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي رَسُولُ اللهِ إِلَيْكُمْ جَمِيعًا...(۴)

کہہ دیجئے کہ اے لوگو! بے شک میں تمہاری طرف اللہ کا رسول ہوں۔

پیغمبر اسلام سے پہلے انبیاء کسی خاص علاقے یا خاص قوم کے لئے مبعوث ہوتے تھے۔ ان کی تعلیمات صرف انہیں لوگوں کے لئے نمونہ تھیں مگر پیغمبر اسلام کی سیرت عمومی اور عالمگیر حیثیت رکھتی ہے۔ اس کا اظہار خود پیغمبر اسلام کے اس قول سے بھی ہوتا ہے:

بعثت الی کل احمر و اسود(۵)

میں ہر ایک سرخ اور سیاہ کی طرف بھیجا گیا ہوں۔

ایک اور جگہ آپ نے فرمایا: "وکان النبی یبعث الی قومه و بعثت الی الناس عامة "(۶)

نبی کو اس کی قوم کی طرف مبعوث کیا جاتا تھا، میں تمام لوگوں کی طرف مبعوث کیا گیا ہوں۔

عصر حاضر کے انسان کو پیغمبر اسلام کی سیرت کا مطالعہ اس نقطہ نظر سے کرنا چاہیے کہ آپ ایک انسانِ کامل کی حیثیت سے پوری دنیا کی رہنمائی کے لئے آئے جو حکم کسی دوسرے کو دیا سب سے پہلے خود عمل کر کے دکھایا اور کوئی ایسا حکم اُمت کو نہیں دیا کہ جس کے کرنے سے قاصر رہی ہو۔ اللہ تعالیٰ نے اس بارے میں ارشاد فرمایا ہے:

"وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا"(۷)

جو کچھ رسول تمہیں دے اس پر عمل پیرا ہو جاؤ اور جس چیز سے وہ تمہیں روکے رُک جاؤ۔

اس لئے کہ پیغمبر اسلام اپنے طور پر نہ کسی بات کا حکم دیتے ہیں اور نہ اس سے روکتے ہیں وہ تو پیغام خداوندی پہنچاتے ہیں جیسا کہ سورہ نجم میں ارشاد ہوا: "وَمَا يَنطِقُ عَنِ الْهَوَى، إِنْ هُوَ إِلاَّ وَحْيٌ يُوحَى"(۸) وہ اپنی خواہش سے گفتگو نہیں کرتے وہ تو وحی ہے جو ان کی طرف کی جاتی ہے۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

اس لئے آج کے انسان کے لئے ضروری ٹھہرا کہ وہ آپ کی سیرت طیبہ کے مطالعہ کے بعد اس پر عمل پیرا ہو۔ آپ کا اسوہ حسنہ باعث نجات بھی ہے اور اکمال ایمان بھی ہے۔ ایک عام آدمی سیرت طیبہ کا مطالعہ اس لئے کرے کہ اسے انسانیت کا پتہ چلے کہ انسان کیا ہے، اس کا مقصدِ تخلیق کیا ہے، جو آسائشیں اور سہولتیں زندگی میں ملی ہیں ان کا مصرف کیا ہے اور اس کے بارے میں اسے کس کے سامنے جوابدہ ہونا ہے۔ جب اس نہج پر ایک عام آدمی مطالعہ کرے گا تو اس کی زندگی میں ایک بہت بڑا انقلاب پیدا ہو گا۔ پھر وہ بے مقصد زندگی کو بامقصد بنائے گا۔ مال دولت کا حصول ہی مقصدِ زندگی نہ ہو گا بلکہ انفاق فی سبیل اللہ کا جذبہ بھی پیدا ہو گا۔ زندگی کا وہ راستہ منتخب کرے گا جو فلاح اور کامیابی کا راستہ ہے۔ ایک سیاست دان جب آپ کی سیرت طیبہ کا مطالعہ کرے گا تو یقیناً اسے ریاست اور اہلیان ریاست کے حقوق اور ان قواعد وضوابط کا پتہ چلے گا کہ جس پر ریاست کی فلاح کا انحصار ہے۔ وہ تدبیر منزل کو ذاتی مفادات پر اہمیت دے گا۔ ایک سپہ سالار اور مجاہد جب آپ کی سیرت کا مطالعہ کرے گا تو اس بات کا سبق ملے گا کہ عزم واستقلال کی پختگی بڑے سے بڑے اور طاقت ور دشمن کے سامنے ایک آہنی دیوار ثابت ہو سکتی ہے۔ عرب کی تاریخ میں آپ نے خندق کھود کر جنگ لڑی طائف کے محاصرے میں دبابہ (ٹینک) استعمال کیا گیا۔ یہ تمام حربی تدابیر میدانِ جنگ میں دشمن کا مقابلہ کرنے کے لئے جدید سے جدید جنگی تدابیر کا سبق دیتی ہیں۔ اس طرح دشمن پر غالب آنے کے بعد اُن سے حسن سلوک کی تعلیم بھی ہمیں ملتی ہے۔ جیسا کہ پیغمبر اسلام نے فتح مکہ کے موقع پر ارشاد فرمایا:

من دخل دار ابی سفیان فھو آمن، و من اغلق بابہ فھو آمن و من دخل المسجد فھو آمن(۹)

جو ابوسفیان کے گھر میں داخل ہو گیا وہ امن میں ہو گا، جس نے اپنا دروازہ بند کر لیا وہ امن میں ہو گا، وہ جو مسجد (حرام) میں داخل ہو گیا وہ امن میں ہو گا۔

ایک تاجر یا دکاندار کو آپ کی سیرت کے مطالعہ سے یہ درس ملے گا کہ تجارت نہ صرف حصول معاش کا ذریعہ ہے بلکہ دین اور دنیا کی کامیابی اور بھلائی کا راز اس میں پوشیدہ ہے۔ پھر نہ تو وہ اس میں ملاوٹ کرے گا نہ ناپ تول میں کمی کرے گا، نہ سودا فروخت کرتے وقت اس کے عیب چھپائے گا اور نہ ہی ذخیرہ

toobaa-elibrary.blogspot.com

اندوزی کرے گا تاکہ لوگوں کی مجبوری سے فائدہ اٹھائے۔آپ نے جھوٹی قسمیں کھا کر مال فروخت کرنے سے بھی منع کیا ہے:

عن ابی ذر عن النبی قال: ثلاثة لا یکلمهم الله یوم القیامة ولا ینظر الیهم ولا یزکیهم ولهم عذاب الیم، قال ابوذر: خابوا و خسروا، من هم یارسول الله؟ قال: المسبل، والمنان، والمنفق سلعته بالحلف الکاذب(۱۰)

حضرت ابوذر سے روایت ہے کہ پیغمبر اسلام نے فرمایا: تین قسم کے لوگوں سے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن نہ کلام کرے گا اور نہ ہی ان کی طرف دیکھے گا اور نہ ان کو پاک کرے گا۔ ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔ حضرت ابوذر نے فرمایا: وہ نقصان میں رہے، اللہ کے رسول وہ کون ہیں؟آپ نے فرمایا: چادر ٹکانے والا، احسان جتانے والا اور جھوٹی قسم سے مال فروخت کرنے والا۔

پیغمبر اسلام خود تجارت میں کبھی دھوکہ نہ کرتے تھے۔ دیانت داری سے کام لیتے، جس کی گواہی میسرہ نے دی۔اس وجہ سے حضرت خدیجہ نے شادی کا پیغام بھیجا۔ایک شوہر اور باپ جب سیرت طیبہ کا مطالعہ کرے گا تو اسے اپنی زندگی کو عدل و انصاف اور مساوات سے گزارنے کا موقع ملے گا۔آپ نے عورتوں کی عزت و وقار میں جس قدر اضافہ فرمایا اس سے قبل کی عورت اس کا تصور بھی نہیں کر سکتی۔ پیغمبر اسلام کے ارشادات کے مطابق انسان کے اخلاق و کردار اس کے اہل خانہ کے ساتھ سلوک سے ظاہر ہوتے ہیں:

خیرکم خیرکم لاهله و انا خیرکم لاهلی(۱۱)

تم میں سے بہتر وہ ہے جو اپنے گھر والوں کے لئے بہتر ہو۔ میں تم میں سے اپنے گھر والوں کے لئے بہتر ہوں۔

ایک حکمران یا سربراہ ادارہ کی حیثیت سے جب آپ کی سیرت طیبہ کا مطالعہ کیا جائے تو اوصافِ حمیدہ سے تعمیر کردار کا سبق ملتا ہے۔ جوابدہی کے پیش نظر حکمرانِ وقت من مانی نہیں کرتا بلکہ مخلوق کی فلاح چاہتا ہے اور فرائض نیابت ادا کرتا ہے کیونکہ حقیقی ملکیت صرف اللہ کی ہے۔ پیغمبر اسلام نے فرمایا:

toobaa-elibrary.blogspot.com

من جعل قاضیاً بین الناس فقد ذبح بغیر سکین (۱۲)

جس کو لوگوں کے درمیان جج بنایا گیا ہے وہ چھری کے بغیر ذبح ہو گیا۔

یعنی اس پر بہت بڑی ذمہ داری پڑ گئی جس میں اس کو ہر حال میں انصاف کرنا ہو گا۔ انبیاء کرام دنیا میں اصلاح عقیدہ کے لئے تشریف لاتے ہیں۔ پیغمبر اسلام نے اصلاح عقیدہ میں اہم کردار انجام دیا اور ان کا تزکیہ کیا۔

عصرِ جدید کے مسائل اور اُن کا حل:

آج کا انسان بے شمار مسائل میں گھرا ہوا ہے۔ یہ مسائل معاشی بھی ہیں، سیاسی بھی اور اخلاقی بھی۔ کہیں انفرادی مسائل ہیں تو کہیں اجتماعی قومی بھی اور بین الاقوامی بھی۔ آج ان مسائل کا کوئی حل بھی ہے؟ مسلمان مفکرین کے دعویٰ کے مطابق یقیناً عصرِ جدید کے ان تمام مسائل کا حل سیرت طیبہ میں موجود ہے۔ آپ کی سیرت ایک مکمل دستور حیات ہے۔ اس لئے فرمایا گیا:

"لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ" (۱۳)

تمہارے لئے رسول اللہ کی زندگی میں بہترین نمونہ ہے۔

اس دستورِ حیات میں عصر حاضر کے طور اطوار کی اصلاح موجود ہے۔ آج کے اس ترقی یافتہ دور کا انسان ستاروں پر کمند اور چاند پر اپنا قدم جمانے کے باوجود گوناگوں مسائل میں گھرا ہوا ہے۔ معاشی اور معاشرتی مسائل میں بڑھتی ہوئی آبادی، غربت، ناخواندگی اور جہالت، بیروزگاری، بیماری، مہنگائی، معاشی بدحالی اور معاشی ناہمواریاں قابل ذکر ہیں۔ طبقاتی کشمکش، نسلی امتیاز، آزادی نسواں کا مسئلہ، عائلی نظام میں شکست و ریخت کا عمل، منشیات کا استعمال، شراب نوشی، لاقانونیت، ناجائز ذرائع سے دولت کمانے کا جنون، مذہب سے دوری و معاشرتی بے راہ روی، الحاد و دہریت، معاشرتی بدحالی اور بدامنی، بین الاقوامی بدنظمی، بے حیائی اور مغرب کی اندھی تقلید قابل توجہ مسائل ہیں۔ طوالت کے پیش نظر ذیل میں چند مسائل کو زیر بحث لایا جائے گا:

- عالمی امن کا مسئلہ
- سیاسی مسائل

toobaa-elibrary.blogspot.com

- اقتصادی مسائل
- سماجی مسائل
- اخلاقی، روحانی اور فکری مسائل
- سمٹتی ہوئی عصری دنیا میں اطلاعات وذرائع ابلاغ کا کردار
- غربت وافلاس میں گرفتار انسان کی ضرورتیں
- پُرسکون زندگی کا حصول
- جاگیردارانہ اور سرمایہ دارانہ نظام
- آزادی نسواں
- نسلی تفریقات
- شدت پسندی
- ناخواندگی اور جہالت
- اخلاقی پستی
- خود غرضی
- عدل وانصاف کا فقدان
- عدمِ تحفظ

عالم امن کا مسئلہ:

آج ہماری یہ زخم وخوف زدہ دنیا جس امن کے لئے بے قراری سے کوشاں ہے اور صبح وشام جس کے لئے ترس رہی ہے وہ کسی وضاحت یا تفصیلی بیان کی محتاج نہیں اور ''عیاں راچہ بیان'' کے ضمن میں آتا ہے۔ ہر طرف روایتی اسلحے کے انبار لگے ہوئے ہیں اور مختلف گوشوں میں ایٹمی اسلحے کے جہنم دہک رہے ہیں، جرائم اور فسادات کے شعلے آسمان کو چھو رہے ہیں۔ بے کس اور کمزور کے لئے زندگی عذاب اور دنیا تنگ ہو چکی ہے۔ مظلوموں کی فلک شگاف آہوں سے دنیا ایک ماتم کدہ نظر آتی ہے مگر ظالموں کو پھر بھی ظلم پر اصرار ہے۔ قیام امن کے علمبردار دعویدار دوڑتے پھرتے ہیں مگر امن کی فاختہ ہاتھ نہیں آرہی

toobaa-elibrary.blogspot.com

ہے۔اسی کیفیت اور صورت حال کا نقشہ قرآن مجید کی یہ آیت پیش کرتی ہے جو نبوت محمد کا زندہ و جاوید معجزہ ہے:

"ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ أَيْدِي النَّاسِ لِيُذِيقَهُم بَعْضَ الَّذِي عَمِلُوا لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ"(۱۴)

خشک و تر میں ہر طرف انسانوں کے اپنے کرتوتوں کے باعث فساد برپا ہے یہ انہیں ان کی بداعمالیوں کا کچھ مزہ چکھانے کے لئے ہے تاکہ یہ باز آجائیں۔

آج انسانوں کے ہاتھوں انسانیت کا دم گھٹ رہا ہے اور انسان انسان کا شکاری بنا پھرتا ہے۔آج کے انسان کو سیرت و تعلیمات نبوی کے پیغام حیات آفرین کی بھی ضرورت ہے اور مسلمانوں کے عملی کردار کی بھی۔ بالکل ایسے ہی جیسے ساتویں صدی عیسوی کے انسان کو پیغمبر اسلام کے پیغام حق اور روشن عملی مثال کی ضرورت تھی اور اس ضرورت کو آپ کے فیض علم و عمل کی تربیت یافتہ جماعت نے پورا کر دکھایا تھا۔

پیغمبر اسلام کی سیرت و تعلیمات کی اصل روح رحمۃ للعالمین ہے۔ انسان کو آج یہی "رحمۃ للعالمین" درکار ہے۔ تمام جہانوں کے لئے سراپا رحمت و شفقت بن کر آنے والی نبوت و رسالت کا حقیقی پیغام بھی امن و سلامتی ہے۔اسلام کے لفظی معنی اور اشتقاق بھی دنیا کو سر جھکانے اور گہوارہ امن میں لینے پر دلالت کرتے ہیں۔آج بھی عربی زبان میں امن و امان کے لئے سلم اور سلام کے الفاظ مروج و مستعمل ہیں۔قرآن مجید کی عربی زبان میں بھی سلم، سلام اور اسلام کا مفہوم و معنی یہی ہے۔اسلام کا اصل مقصد اور ہدف امن و سلامتی کی فضا میں سکھ چین کی زندگی کا پیغام ہے۔ جہاد و قتال تو حسب موقع اور حسب ضرورت ہے جس کے لئے اہل ایمان کو ہر وقت آمادہ و تیار رہنے کی تلقین ہے مگر دورانِ جہاد و قتال بھی اگر دشمن امن و سلامتی کے طالب ہو اور اسلام کی اس اصل راہ کی طرف مائل ہو جائے تو حکم ربانی یہی ہے کہ اہل ایمان کو بھی اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرتے ہوئے امن و سلامتی کا پیغام قبول کر لینا چاہیے:

"وَإِن جَنَحُوا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا وَتَوَكَّلْ عَلَى اللهِ إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ"(۱۵)

toobaa-elibrary.blogspot.com

اگر وہ امن کی طرف مائل ہو جائیں تو آپ بھی امن کی طرف مائل ہو جائیں اور توکل اپنے اللہ پر ہی کیجئے۔ بے شک وہ سب سے زیادہ سننے والا ہے۔

حد تو یہ ہے کہ اہل ایمان تو چلتے پھرتے اُٹھتے بیٹھتے اور پانچ وقت کی نماز پڑھتے وقت بھی امن و سلامتی کو ہی اپنا ورد زبان بناتے ہیں۔ بیدار ہو تو دوسروں کو "السلام علیکم" (تم پر امن و سلامتی ہو) کہے، آئے تو سلام کہے، جائے تو سلام کی دعا کرے، پانچ وقت کی نماز کے بعد تو ہر مسلمان کی زبان پر یہی پیغام امن و سلامتی رواں ہو جاتا ہے۔ پیغمبر اسلام نے امن و سلامتی کی خاطر عمرہ اور زیارت بیت اللہ کئے بغیر لوٹ جانا بھی قبول کر لیا تھا اور حدیبیہ کے مقام پر معاہدہ صلح ہو جانے کے بعد عمرے کے احرام کھولنے اور مدینہ لوٹ جانے کا حکم دے دیا تھا۔ حدیبیہ کا یہی معاہدہ امن تھا جو پر امن طور پر فتح مکہ پر منتج ہوا تھا اور خون کا ایک قطرہ بہائے بغیر پورا جزیرہ عرب اسلام کے زیر نگیں آگیا تھا۔ سیرت طیبہ کا یہ تاریخی واقعہ دنیا کو یہ پیغام دیتا ہے کہ جو بات امن و سلامتی میں ہے وہ جنگ و جدل میں نہیں ہو سکتی۔ اس دنیا کو جنگ سے نہیں بلکہ پیغام امن و سلامتی اور پر امن جدوجہد سے سنوارا اور راہِ راست پر لایا جا سکتا ہے۔

سیرت طیبہ کے حوالے سے حلف الفضول یعنی فضیلت والوں کا عہد نامہ بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ دراصل یہ معاہدہ امن و انصاف تھا جو طلوع اسلام سے پہلے دو مرتبہ عمل میں آیا تھا۔ قبیلہ جرہم جو حضرت ہاجرہ اور حضرت اسماعیل کی آمد کے بعد اور قریش کی آمد سے پہلے وادی بطحا میں آباد ہو گئے تھے۔ اس قبیلے کے چند سرداروں نے یہ عہد کیا تھا کہ وہ امن و سلامتی کی خاطر ظالم کا پنجہ مروڑیں گے۔ مظلوم کا ساتھ دیں گے اور ظلم کا خاتمہ کریں گے۔ اتفاق سے ان سب سرداروں کے نام فضل یا فضیل تھے۔ فضل کی جمع فضول آتی ہے۔ یوں یہ معاہدہ "حلف الفضول" قرار پایا اور مشہور ہوا۔ پھر کئی صدیوں بعد اور پیغمبر اسلام کے مبعوث ہونے سے تقریباً بیس سال قبل اس معاہدہ کی تجدید ہوئی۔ تجدید کے محرک اول اور سرگرم رہنما پیغمبر اسلام کے چچا زبیر بن عبدالمطلب تھے۔ یہ معاہدہ بھی جب مظلوم کی مدد و حمایت اور ظالم کا ہاتھ روکنے کے لئے تھا۔ لہٰذا اسے بھی پرانے معاہدہ یعنی حلف الفضول کے مماثل و مترادف ہونے کے باعث یہی نام دیا گیا۔ اس معاہدہ کے طفیل وادی بطحا امن کا گہوارہ بن گئی۔ اس معاہدہ کی مجلس میں پیغمبر اسلام نے بھی بصد خوشی شرکت فرمائی تھی اور اس پر فخر کیا تھا:

toobaa-elibrary.blogspot.com

لقد شهدت في دار عبد الله بن جدعان حلفا لو دعيت به في الإسلام لأجبت تحالفوا أن يردوا الفضول على أهلها، وألا يعز ظالم مظلوما قالوا(۱۶)

میں عبداللہ بن جدعان کے ہاں ایک معاہدہ میں حاضر ہوا تھا اگر یہ حلف برداری زمانہ اسلام میں ہوتی تو میں اس میں سب سے پہلے شریک ہوتا، اُس (معاہدے میں) کہا گیا تھا کہ آج کے بعد مکہ میں کسی ظلم کو برداشت نہیں کیا جائے گا اور ہر مظلوم کی دادرسی اور ظالم کو سزا دی جائے گی۔

سیرت نبوی کا پیغام یہ ہے کہ ظلم بھی ہو اور امن بھی قائم ہو جائے یہ ممکن نہیں ہے۔ مگر یہ دنیا ممکن سے اعراض کرتے ہوئے ناممکن کے پیچھے بھاگ رہی ہے یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ دنیا زخموں سے نڈھال ہو۔ سینے ظلم سے چھلنی ہوں، قلب و جگر میں خنجر چھپے ہوں اور خون کی ندیاں بہہ رہی ہوں اور مظلوموں سے کہا جائے کہ وہ ظالموں اور انسان دشمن انسانوں سے امن کے لئے معاہدہ صلح بھی کر لیں۔ پیغمبر اسلام نے ایسی جعلی و مصنوعی مصلحت کو "هدنة على دخن و جماعة على اقذاء" قرار دیا ہے۔

اعتدال کا لفظ بھی عدل سے نکلا ہے جس طرح یہ نظام کائنات اعتدال اور توازن سے قائم اور دائم ہے جس دن اس اعتدال میں خلل پڑا اس دن کی شام قیامت کی شام ہوئی۔ اسی طرح پر سکون انسانی زندگی اور قیام امن کا دار و مدار بھی عدل و انصاف پر ہے۔ نظام عدل میں خلل واقع ہونے سے امن و سکون کا قیام ناممکن ہے۔ روئے زمین پر انسانیت تو خون کے آنسو رو رہی ہو اور مظلوموں کی آہوں نے آسمان سروں پر اٹھا رکھا ہو اور یہاں امن کی فاختہ پکڑنے کی فکر کی جائے۔ سیرت النبی کا پیغام یہ ہے کہ تم عدل و انصاف کا نظام قائم کرو، دنیا میں امن و امان اور سکون و سلامتی خود بخود قائم ہو جائے گی۔

سیاسی مسائل:

سیاسی مسائل میں اس وقت دنیا میں بدامنی بہت بڑا مسئلہ ہے۔ بڑی حکومتیں چھوٹی حکومتوں پر ہر قسم کے ظلم روا رکھتی ہیں۔ عدل و انصاف کا حصول بھی ناممکن ہے۔ پیغمبر اسلام نے حجۃ الوداع کے موقع پر ارشاد فرمایا اگر اس کو سامنے رکھا جائے تو اس سے عزت، جان و مال کی حفاظت اور امن و امان کے معاملے میں بہت رہنمائی ملتی ہے۔ آپ نے فرمایا:

toobaa-elibrary.blogspot.com

ان دماء کم و اموالکم علیکم حرام کحرمة یومکم هذا فی شهرکم هذا فی بلدکم هذا(۱۷)

بلاشہ تمہارا خون تمہارا مال ایک دوسرے پر اسی طرح حرام ہیں جس طرح اس دن، اس مہینہ اور اس شہر کی حرمت ہے۔

اس دور میں انسانی قتل کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ پیغمبر اسلام نے بے گناہ قتل کرنا ناجائز قرار دیا بلکہ قرآن نے تو قصاص لینے کو زندگی قرار دیا ہے۔ اس وقت دنیا کی بدامنی پیغمبر اسلام کی سیرت سے دوری کا نتیجہ ہے۔ طاقت ور کمزور کو اپنے ظلم کا نشانہ بناتے ہیں بڑی حکومتیں چھوٹی حکومتوں پر جو چاہیں ظلم کرتی ہیں۔ اسلام صاحبِ اقتدار لوگوں پر ظلم نہیں کرتا بلکہ ان کے معاملات کا ذمہ دار ہوتا ہے۔ حکمران اسی صورت میں کامیاب ہو سکتے ہیں جب وہ پیغمبر اسلام کی زندگی کو مشعلِ راہ بنائیں گے۔ آپ نے حکمرانوں کو امن وامان کا ذمہ دار قرار دیا اور ارشاد فرمایا:

کلکم راع و کلکم مسئول عن رعیته....من جعل قاضیا فقد ذبح بغیر سکین(۱۸)

تم میں سے ہر ایک اپنی رعایا کے معاملے میں جواب دہ ہے... جو قاضی بن گیا وہ بغیر چاقو کے ذبح ہو گیا۔

پیغمبر اسلام اس بات کا خیال رکھتے کہ امن وامان کی کیا صورت حال ہے۔ آپ نے ایسے لوگ مقرر کئے جو چل پھر کر لوگوں کے حالات کا پتہ چلاتے اور مجرموں کے متعلق معلومات بہم پہنچاتے۔ پیغمبر اسلام روزانہ خود بھی معلوم کر کے فیصلہ کرتے۔ عدل وانصاف کا نظام قائم کیا۔ قریش کی عورت فاطمہ کے چوری کرنے کا واقعہ معروف ہے۔ آپ کو سفارش کی گئی تو آپ نے فرمایا:

اما بعد فإنما اهلك الناس قبلكم انهم كانوا إذا سرق فيهم الشريف تركوه وإذا سرق فيهم الضعيف اقاموا عليه الحد والذی نفس محمد بيده لو ان فاطمة بنت محمد سرقت لقطعت يدها(۱۹)

toobaa-elibrary.blogspot.com

تم میں سے پہلے لوگ اس لیے ہلاک ہوگئے کہ اگر ان میں سے کوئی معزز شخص چوری کرتا تو اسے چھوڑ دیتے لیکن اگر کوئی کمزور چوری کر لیتا تو اس پر حد قائم کرتے اور اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں محمد کی جان ہے اگر فاطمہ بنت محمد بھی چوری کرلے تو میں اس کا ہاتھ کاٹوں گا۔

عصری دنیا میں ہم سیاسی مسائل کو تین الگ الگ زاویوں سے بیان کرتے ہیں:

اول: تمام ریاستوں کے داخلی مسائل

دوم: مختلف ممالک کے باہمی تعلقات

سوم: تمام ریاستوں کے خارجی مسائل

اول: اکیسویں صدی کے تناظر میں جدید فلاحی ریاستوں کا قیام ناگزیر ہے۔ پیغمبر اسلام نے ایک قلیل مدت میں انسانیت کے بشری تقاضوں کے عین مطابق ایک جدید فلاحی انقلابی ریاست قائم کی اور پورے عرب کو اس کے زیر سایہ لانے میں کامیاب ہوگئے کیونکہ افراد کی سیرت کی تشکیل معاشرے اور ریاست سے باہر ممکن نہیں۔ آج کی ریاستوں کے داخلی سیاسی مسائل کے حل کے لئے تین چیزیں بنیادی اہمیت رکھتی ہیں:

i) سیرت النبی کے مطابق سیاسی نظام کی تشکیل نو

ii) امن وامان کا قیام

iii) ریاستی اداروں کی اصلاح

اس وقت قریب دنیا کی تمام ریاستوں میں ملوکیت، جاگیرداری، سرمایہ داری یا مغربی جمہوریت کے ذریعے حکومتیں بنتی اور بدلتی ہیں۔ جبکہ پیغمبر اسلام کی سیرت کے تحت معرضِ وجود میں آنے والے سیاسی نظام میں ان عوامل کا سرے سے کوئی دخل ہی نہیں بلکہ آپ کی سیرت کا تو پیغام ہی طبقاتی امتیاز کا خاتمہ تھا۔ بقول ایک مسلم مفکر کے:

کوئی جمہوریت جو اسلامی ہونے کی دعویدار ہو وہ نہ برطانوی نمونے کی ہوگی اور نہ روسی ان میں پہلی تو دو یا زائد جماعتوں کے تصادم پر مبنی ہے اور دوسری صرف ایک جماعت کے اقتدار کی اجارہ داری ہے جو کسی اختلاف کو برداشت نہیں کر سکتی۔ اگر کوئی اسلامی حکومت اسلامی اصول پر اسمبلی یا کسی پارلیمنٹ کو تشکیل دے تو اس کے مذہبی پیشواؤں

toobaa-elibrary.blogspot.com

کی انجمن بن جانے کا خطرہ نہیں۔ اسلامی معاشرہ ایک غیر طبقاتی معاشرہ ہے کیونکہ یہاں کوئی مذہبی انجمن اور طبقات خاص رعایت اور مفادت کے ساتھ نہیں ہیں لیکن اصحاب علم اور اہل دانش میں ارکان مجلس کے انتخاب کا کوئی طریقہ ہونا چاہیے۔ سیاسیات میں مال و دولت کو کوئی دخل نہیں ہونا چاہیے۔ ورنہ برائے نام جمہوریت اور عملی طور پر اہل ثروت کی ریاست ہو گی۔(۲۰)

داخلی سیاسی مسائل کے ضمن میں درپیش دوسرا اہم مسئلہ امن وامان کے قیام سے متعلق ہے۔ پیغمبر اسلام نے اسلامی ریاست کی بنیاد رکھتے ہی داخلی امن کی طرف توجہ دی۔ فساد پھیلانے والوں کے خلاف سخت کارروائی کی اور آپ کا یہ قول سچ ہو کر رہا:

وَاللّٰهِ لَيُتِمَّنَّ هَذَا الْأَمْرَ حَتَّى يَسِيرَ الرَّاكِبُ مِنْ صَنْعَاءَ إِلَى حَضْرَمَوْتَ لَا يَخَافُ إِلَّا اللّٰهَ أَوِ الذِّئْبَ عَلَى غَنَمِهِ وَلَكِنَّكُمْ تَسْتَعْجِلُونَ(۲۱)

اللہ کی قسم یہ امر (اسلام) بھی کمال کو پہنچے گا اور ایک زمانہ آئے گا کہ ایک سوار مقام صنعاء سے حضر موت تک سفر کرے گا، لیکن راستوں کے پرامن ہونے کی وجہ سے اسے اللہ کے سوا اور کسی کا ڈر نہیں ہو گا۔ یا صرف بھیڑیئے کا خوف ہو گا کہ کہیں اس کی بکریوں کو نہ کھا جائے لیکن تم لوگ جلدی کرتے ہو۔

داخلی سیاسی مسائل کے ضمن میں تیسرا اہم مسئلہ ریاستی اداروں کا استحکام اور اصلاح ہے۔ پیغمبر اسلام نے ریاست میں قائم کردہ تمام شعبوں کے استحکام پر خصوصی توجہ دی۔ اس ضمن میں سیرت النبی کی رہنمائی حسب ذیل ہے:

- سرکاری ملازمین کا تقرر اہلیت اور استحقاق کی بنیاد پر کیا جائے۔
- سفارش اور اقرباء پروری کے عناصر کا قلع قمع کیا جائے۔
- تمام حکام اور ذمہ دار افسران و ملازمین کے طرزِ عمل اور کردار کی کڑی نگرانی کی جائے۔
- افسران و ملازمین کے اثاثوں کا جائزہ لیتے رہنا چاہیے۔
- افسران و ملازمین کے خلاف عوام کی شکایات کا فوراً ازالہ کیا جائے۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

- سرکاری خزانے میں کسی بھی قسم کی لاپرواہی، کوتاہی اور خورد برد کرنے والے ذمہ داران کو سزا کا مستحق سمجھا جائے۔
- انصاف واحتساب کے معاملے میں حاکم و محکوم، امیر و غریب اور افسر ماتحت سب کے ساتھ ایک جیسا اور مساوی سلوک کیا جائے۔
- حکام، افسران اور ملازمین سب کو سیرت پیغمبر اسلام کے طرزِ، بود و باش، سادی میانہ روی اور سرکاری خزانے کے بے تحاشا استعمال سے گریز کرے، جیسے اقدامات کو اپنانا چاہیے۔

دوم: اکیسویں صدی کے تناظر میں سب سے اہم مسئلہ موجودہ دُنیا کے باہمی تعلقات کا ہے۔ اس وقت کی دنیا نے جن بنیادوں پر خود کو تقسیم کیا ہوا ہے وہ سراسر غیر مناسب ہے۔ یورپ سے لے کر ایشیاء تک، عرب سے لے کر افریقہ تک اور آسٹریلیا سے لے کر چین تک عام طور پر باہمی بے تعلقی کا عالم ہے۔ لہٰذا قدرتی طور پر پیغمبر اسلام کی سیرت میں آج بھی وہی نظر آئے گا جو آپ نے عربوں سے کہا تھا اور اتحاد کی نعمت کی بشارت دے کر افتراق سے بچنے کی تلقین کی تھی۔ جس طرح پیغمبر اسلام کے زمانے میں اتحاد واقعی ایک نعمت عظمیٰ ثابت ہوا تھا اور آپ کی اُمت دیکھتے ہی دیکھتے ساری دنیا پر چھا گئی تھی۔ آج بھی اتحاد واتفاق اپنے اندر ویسے ہی روشن احکامات رکھتی ہے۔

سوم: دنیا کی دوسری بڑی طاقت کی شکست وریخت کے بعد طاقت اور استعمال کے تمام وسائل ایک ہی عالمی طاقت کے پاس جمع ہو گئے ہیں۔ اس تناظر میں دُنیا کے خارجی مسائل کے حل کے لئے بھی سیرت النبی کو مشعلِ راہ بنانا ہو گا۔ اس ضمن میں ہر ریاست کو اپنی حفاظت اور مدافعت کے لئے خود کفیل ہونا ضروری ہے اور یہ حقیقت ہے کہ امن کی راہیں میدانِ جنگ سے ہو کر گزرتی ہیں۔ تمام ریاستوں کو فنونِ حرب اور عسکری قوت میں اس قدر طاقتور اور خود کفیل ہونا چاہیے کہ کسی ایک ریاست کو مطلق العنانیت کا غلبہ نہ ہو۔ خاص طور پر اسلامی ریاستوں کو اس ضمن میں پیغمبر اسلام کی سیرت کو اوڑھنا بچھونا بنانا چاہیے تاکہ وہ دنیا کی دیگر ریاستوں کی برابری کر سکیں۔ ڈاکٹر منظور احمد اس ضمن میں لکھتے ہیں:

> ”اسلامی معاشرہ پچھلے پانچ سو سال سے ظاہری سیاسی حرکت کے باوجود معنوی حرکت سے محروم ہو چکا ہے اور جمود کا شکار ہے۔ اس نے فکر کی نئی جہتوں کو دریافت نہیں کیا

toobaa-elibrary.blogspot.com

اور زمانہ جدید میں جو تخلیقی قوتیں کارفرما ہیں اور فکر نے جو نئے نئے راستے نکالے ہیں ان کا کوئی ردِ عمل اسلامی مفکرین کے ہاں نہیں پایا جاتا۔"(۲۲)

پیغمبر اسلام کی سیرت طیبہ اور تعلیمات کی رو سے ریاستی اُمور کی اصلاح کے طریقے کچھ یوں ہیں:

⇦ پیغمبر اسلام کی طرف سے فراہم کردہ تعلیمات کی روشنی میں ایک ریاست کے اندر مذہب اور خیالات کی مکمل آزادی ہوتی ہے اور کسی کو دوسرے کے معاملات میں دخل اندازی کا کوئی حق نہیں۔

⇦ ایک فلاحی ریاست کے قیام کی صورت میں ہر فرد کو اپنے مذہب کی پوری آزادی ہو گی اور ان کے حقوق میں ان کے مذہب کی بنیاد پر کوئی فرق نہیں پڑے گا۔

⇦ سیرت طیبہ کی روشنی میں معرض وجود میں آنے والی ریاست جمہوری اور سوشلسٹ ہو گی۔

⇦ عورتوں کے بنیادی حقوق میں جنس کی بنیاد پر کوئی امتیازی سلوک نہیں ہو گا۔

⇦ ریاست معاشی نظام کو اس طرح منظم کرے گی کہ سرمایہ داری اور بغیر محنت کی کمائی معاشرے میں جگہ نہ پائے اور دولت چند ہاتھوں میں مرتکز نہ ہو جائے۔ اسی طرح معاشرے میں اشیاء کی گردش کے قانون بنائے جائیں گے۔ جائیداد اور املاک کو مشترکہ ملکیت میں رکھنے کی اور ان کو آپس میں تقسیم کرنے کی اجازت نہ ہو گی۔

⇦ کسی گروہ کو یہ حق حاصل نہ ہو گا کہ وہ حکومت وقت کے خلاف مسلح بغاوت کرے۔ اس لئے کہ معاشرے میں افراتفری اور شورش کی بہ نسبت امن وامان زیادہ قیمتی ہے۔(۲۳)

آج کی ریاستوں کو اپنے داخلی سیاسی مسائل اور امن وامان کے قیام کے لئے بھی سیرت النبی پر عمل پیرا ہونا ہو گا جس میں دو چیزیں بڑی واضح ہیں:

اول: بے لاگ عدل وانصاف اور عدلیہ کی بالادستی

دوم: اداروں کے استحکام اور اصلاح کے لئے احتساب کے عمل کو جامع اور ہمہ گیر شکل دینی ہو گی۔ پیغمبر اسلام کا یہی طریقہ عمل تھا۔

اگرچہ دنیائے عالم کے اتحاد کا کوئی عملی نمونہ ابھی سامنے نہیں آیا، سوائے یو این او (اقوام متحدہ) کے نام پر ایک مفلوک الحال تنظیم قائم کی گئی ہے جس کی تمام تر بھاگ دوڑ پانچ بڑی عالمی طاقتوں کے پاس

toobaa-elibrary.blogspot.com

ہے اور ان کی منشا کے بغیر کوئی فیصلہ یا حکم نافذ کرنا اقوام متحدہ کے لئے ناممکن ہے۔ البتہ دنیا کے باضمیر افراد میں یہ رجحان بڑی تیزی سے اُبھر رہا ہے کہ تمام تر اختلافات کو پس پشت ڈال کر اتحاد کی طرف قدم بڑھایا جائے۔ اس سلسلے میں بین المذاہب مکالمے موثر ترین کردار ادا کر سکتے ہیں اور کر رہے ہیں۔ انسانیت کے شیدائی افراد اس مقصد کی طرف بھی متوجہ ہونا چاہتے ہیں کہ دنیا باہمی تعاون کا راستہ اختیار کرے کہ جس سے دنیا میں ایک ایسا خطہ قائم ہو جہاں دنیا کے تمام تر انسان مکمل اطمینان اور سکون سے رہ سکیں۔

اقتصادی مسائل:

پیغمبر اسلام جس معاشرہ میں مبعوث ہوئے اس میں تعلیم تقریباً ناپید تھی لیکن آپ کا علم کی مجالس میں بیٹھ کر لوگوں کو حصولِ علم کی ترغیب دلانا صفہ ادارہ قائم کرنا، ہر مسلمان (مرد عورت) کو علم حاصل کرنے کی تلقین کرنا اور خود کو معلم کہلوا کر معلم کی تعظیم و توقیر میں اضافہ کرنا، آپ کی ایسی تعلیمات ہیں جن سے سیرت النبی میں حصول علم اور تعلیم و تعلم کی اہمیت اور افادیت کو بخوبی سمجھا جا سکتا ہے۔ پھر قرآن مجید کی کتنی ہی آیات ہیں جن سے علوم و فنون کی جانب راہنمائی ملتی ہے۔ تسخیر کائنات اور مظاہر فطرت کی بو قلمونیوں کی جانب توجہ مبذول ہوتی ہے اور یہ بات بلاخوف و تردید کی جا سکتی ہے کہ:

> قرآن پاک تمام علوم کا سرچشمہ ہے جو اس سے ہدایت لے گا یہ اسے تمام علوم کے حصول کی طرف رہنمائی کرے گا۔(۲۴)

اقتصادی میدان میں اگر پیغمبر اسلام کے اقدامات کا جائزہ لیا جائے تو ہم دیکھتے ہیں کہ مدینہ کی اسلامی ریاست ابتدا میں معاشی پس ماندگی کا شکار تھی۔ مہاجرین مکہ کی تجارت منقطع ہو چکی تھی۔ علاوہ ازیں انصار مدینہ پر پہلے سے یہودیوں کی معاشی بالادستی قائم تھی۔ اس طرح ایک طرف تو مشرکین مکہ سے واسطہ تھا تو دوسری طرف یہودِ مدینہ سے جو مدینہ کی تجارت پر چھائے ہوئے تھے اور سودی کاروبار کرتے تھے۔(۲۵)

پیغمبر اسلام نے ان استحصالی قوتوں کے معاشی چنگل سے نکلنے کے لئے مدینہ میں اسلامی تجارت کو فروغ دیا۔ زرعی پیداوار میں اضافے کا رجحان پیدا اور سودی کاروبار کا خاتمہ کیا۔ اس کے علاوہ مشرکین اور

toobaa-elibrary.blogspot.com

یہود کی تجارتی اجارہ داری کے خاتمے کے لئے تجارتی راستے پر آباد قبائل سے امن معاہدے کئے۔ تجارت اور صنعت و حرفت کی طرف مسلمانوں کو ترغیب دلائی۔ صنعت و حرفت کو پاک ترین روزی اور تجارت کو بہترین معاش قرار دیا، آپ نے فرمایا:

''جو شخص تجارت کرتا ہے اس کے یہاں خیر و برکت اور بھلائی پیدا ہوتی ہے۔''(۲۶)

آپ نے بازاروں اور منڈیوں پر چند افراد کی اجارہ داری کا سد باب فرمایا۔ تجارتی بد عنوانیوں کی روک تھام کے لئے مختلف افراد کو بازاروں پر نگران مقرر کیا۔ آپ نے ذرائع نقل و حمل کو آسان بنایا۔ اس سلسلے میں معاہدات فرمائے اور ذرائع نقل و حمل میں مشکلات ڈالنے والوں کے خلاف کاروائی کی۔ آپ کے ان اقدامات کا یہ نتیجہ نکلا کہ مسلمانوں نے تجارتی میدان میں خوب ترقی کی اور اس طرح اسلامی ریاست کی معیشت مستحکم ہوئی۔ آپ نے ملاوٹ، ذخیرہ اندوزی، رشوت خوری، ناپ تول میں کمی، رِبا، اسراف، تبذیر، کام چوری اور گداگری وغیرہ جیسے قبیح افعال کو ممنوع قرار دیا۔ دینے والے ہاتھ کو لینے والے ہاتھ سے افضل قرار دیا۔ رزق حرام اور حُبِ دنیا کی مذمت کی۔ رزق حلال اور کسب معیشت کے لئے ترغیب دی۔ کفالت عامہ اور عوام کی فلاح و بہبود کے لئے خود کو لاوارث کا وارث قرار دیا۔

پیغمبر اسلام کے عہد میں ریاست کی آمدنی غریبوں، اپاہجوں، بیواؤں، ناداروں کے علاوہ رفاہِ عامہ کے کاموں پر بھی خرچ کی جاتی تھی۔ امیروں سے زکوٰۃ لے کر غریبوں پر خرچ کی جاتی تھی۔ لیکن اگر اس سے کفالت عامہ ہو تو آپ نے یہ بھی فرمایا کہ غرباء اور مساکین زکوٰۃ و صدقات کے علاوہ بھی دولت مندوں کی دولت پر حق رکھتے ہیں۔

ان تعلیمات و اقدامات سے بخوبی اندازہ ہو سکتا ہے کہ آج کی دنیا کے لئے اقتصادی مسائل کے حل کا منہاج کیا ہونا چاہیے۔ ڈاکٹر منظور احمد کا یہ خیال کسی طور پر درست معلوم ہوتا ہے۔ اکیسوی صدی میں بھی سیاسی حاکمیت اور سیاسی غلبہ معاشی ترقی کے سائے میں آگے بڑھے گا۔ جن قوموں، تہذیبوں اور ملکوں کے پاس معاشی ترقی کا کوئی قابل عمل اور واضح نقشہ موجود نہ ہو گا ان کا مستقبل درخشاں نظر نہیں آتا۔(۲۷)

toobaa-elibrary.blogspot.com

سماجی و ثقافتی مسائل:

سماجی و ثقافتی مسائل میں خاندانی نظام کی شکست و ریخت، عالمی میڈیا کی ثقافتی یلغار، لسانی اور گروہی اختلافات، قوم پرستی، مادہ پرستی، نام ونہاد ترقی پسندی، مغرب زدگی اور مغرب سے محاذ آرائی سر فہرست ہیں۔ جدیدیت سے انکار نہیں، اکیسویں صدی کے تقاضوں کا بہر حال ساتھ دینا ہے لیکن عالمی انسانی سماجی ڈھانچے کو محفوظ رکھنا ہے اور ثقافتی اقدار کا تحفظ بھی کرنا ہے۔ ان حالات میں ہمیں سیرت طیبہ کو ایک نئے انداز سے اپنانے کی ضرورت ہے۔

پیغمبر اسلام کی بعثت ایک ایسے معاشرے میں ہوئی تھی جس کی حالت ہر اعتبار سے ابتر تھی۔ آپ نے مکی زندگی میں بالخصوص اور مدنی زندگی میں بالعموم سماجی اور ثقافتی اصلاح کی طرف خصوصی توجہ دی۔ آپ نے اس امر کی طرف خصوصی توجہ دی کہ افراد ذہنی اور اخلاقی طور پر اتنے پاکباز ہوں کہ ریاست اور قانون کی کم سے کم مداخلت کے باوجود بھی وہ صحیح راستے پر چلیں۔

اسی طرح آپ کا طریق تربیت یہ بھی تھا کہ لوگ ایمانی قوت سے مالا مال ہوں اور مادہ پرستی سے متنفر ہوں۔ پھر باہمی ہمدردی، احسان وایثار، شجاعت و حمیت، صبر و استقامت، عفوودرگزر، حلم و بردباری، سخاوت وفیاضی، حسن اخلاق، صدق و توکل، رواداری اور حسن ظن جیسے اخلاقی اوصاف سے متصف ہوں۔ لوگوں کا رخ ایسی تعلیمات کی طرف موڑا جائے جس سے یہ صفات ان میں بدرجہ اتم پیدا ہو جائیں۔

فرقہ پرستی، گروہی اور لسانی اختلافات نے آج کی دنیا کا اتحاد پارہ پارہ کر دیا ہے۔ ان اختلافات کے باعث آپس کا لین دین اور محبت واخوت کے عنصر کو ملیامٹ کر دیا ہے۔ پیغمبر اسلام نے تمام اختلافات کو مٹا کر آفاقیت اور انسان دوستی کا درس دیا۔ آپ نے فرمایا:

> ساری مخلوق اللہ کا کنبہ ہے، ان میں سے اللہ کی نظر میں سب سے زیادہ عزیز وہ شخص ہے جو اس کے کنبے کے لیے سب سے زیادہ مفید ہو۔ (۲۸)

پیغمبر اسلام نے تعصب پر جان دینے تعصب کی طرف بلانے اور تعصب پر جنگ کرنے والوں کے بارے میں فرمایا کہ وہ ہم میں سے نہیں۔ (۲۹) آپ نے مومن کی جان ومال اور آبرو کو ایک دوسرے

toobaa-elibrary.blogspot.com

کے لئے حرام قرار دیا۔ (۳۰) تعلیم و تربیت کی طرف پیغمبر اسلام کا یہ عالم تھا کہ آپ نے "انما بعثت معلما" (۳۱) فرما کر تمام عمالِ حکومت اور علماء کو تعلیم، تبلیغ اور تزکیہ و تربیت کی طرف خصوصی توجہ دلائی اور سب کو عوام کی تعلیم و تربیت کے لئے یکساں ذمہ دار قرار دیا۔ جیسا کہ پیغمبر اسلام کا مشہور قول ہے:

فضل العلم خیر من فضل العبادۃ، و ملاك لادین الورع (۳۲)

علم کی تفضیل بہتر ہے عبادت کی تفضیل سے اور دین کی متاع تقویٰ ہے۔

غربت عصر حاضر کے سماج میں سب سے بڑا مسئلہ ہے، اس دور میں دنیا میں خاص کر پاکستان میں امیر امیر تر اور غریب غریب تر ہوتا جارہا ہے۔ پیغمبر اسلام کا قول ہے:

"کادالفقر ان یکون کفراً" (۳۳)

قریب تھا کہ غربت کفر تک لے جاتی۔

پیغمبر اسلام نے اپنی زندگی میں غربت کو ختم کرنے کی ہر ممکن کوشش کی۔ زکوٰۃ کے نظام کو نافذ کیا اور فرمایا کہ زکوٰۃ امراء سے لے کر غرباء کو دی جائے۔ ایک آدمی کو بھیک مانگتے ہوئے دیکھ کر اس کو لکڑی اکھٹی کر کے بیچنے کا حکم دیا اس کے اس طرح کرنے سے اس کے گھریلو حالات بہتر ہو گئے۔ (۳۴)

آج ہمیں اپنے سماجی اور ثقافتی مسائل کے حل کے لئے پیغمبر اسلام کے ان اقدامات پر بھرپور عمل کی ضرورت ہے۔ اس مقصد کے حصول کے لئے جدید آلات سے ہی فلاح اور اصلاح کا کام لیا جاسکتا ہے۔ مختلف پروگرام، اخلاقیات پر مبنی ڈرامے اور فلمیں، نصاب تعلیم کی تشکیل نو، اساتذہ کی تربیت، حکمرانوں کا طرز عمل، رشوت، سفارش، اقرباء پروری کا خاتمہ، عدل و انصاف کی ترویج، میرٹ کا تقدس اور پولیس کی اصلاح ایسے اقدامات ہو سکتے ہیں جن سے ہمارے سماجی اور ثقافتی مسائل کو حل کرنے میں کماحقہ مدد مل سکتی ہے۔

اخلاقی، روحانی اور فکری مسائل:

فکری حوالے سے اکیسویں صدی کے تناظر میں سب سے اہم بات یہ ہے کہ اپنے فقہی اور گروہی اختلافات کو فراموش کر کے اسلامی افکار کا وہی رویہ اختیار کیا جائے جو خود پیغمبر اسلام نے اختیار کیا

toobaa-elibrary.blogspot.com

تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ پیغمبر اسلام کے دور میں پیش آمدہ مسائل کا حل قرآن اور آپ کے فرامین کی روشنی میں مصالح اُمت اور مصالح وقت کو مد نظر رکھ کر تلاش کیا جاتا تھا۔

آج اکیسویں صدی کے تناظر میں ہماری یہ بنیادی ذمہ داری ہے کہ پیش آمدہ مسائل کا حل قرآن و سنت و سیرت النبی کی روشنی میں اس طرح تلاش کیا جائے کہ تمام اُمت مسلمہ کے مفکرین اپنے اختلافات سے بالاتر ہو کر اپنے اقتصادی، سماجی اور سیاسی مسائل حل کر سکیں۔

جہاں تک ہماری اخلاقی صورت حال کا تعلق ہے تو اجتماعی معاملات میں بالخصوص ہمارا شمار کرپٹ اقوام میں ہوتا ہے۔ یہ دراصل وہ دورنگی ہے جو سیرت النبی پر عمل پیرا نہ ہونے سے ہم میں رائج ہو گئی ہے۔ پیغمبر اسلام کی سیرت طیبہ پر نظر ڈالیں تو آپ کا سب سے بڑا وصف قرآن پاک یہ بیان کرتا ہے کہ: ''وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيمٍ''(۳۵) مجھے مکارم اخلاق کی تکمیل کے لئے بھیجا گیا ہے۔ ایک اور آیت میں ارشاد ہوتا ہے:

لَقَدْ مَنَّ اللَّهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ إِذْ بَعَثَ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْ أَنفُسِهِمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَإِن كَانُوا مِن قَبْلُ لَفِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ(۳۶)

خدا نے مومنوں پر بڑا احسان کیا ہے کہ ان میں انہیں میں سے ایک پیغمبر بھیجے۔ جو ان کو خدا کی آیتیں پڑھ پڑھ کر سناتے اور ان کو پاک کرتے اور (خدا کی) کتاب اور دانائی سکھاتے ہیں اور پہلے تو یہ لوگ صریح گمراہی میں تھے۔

وَالْمِيزَانَ لِيَقُومَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ (۳۷)

ہم نے رسول واضح نشانیاں دے کر بھیجے اور ان کے ساتھ قرآن اور میزانِ عدل اتاری تاکہ انسانوں میں انصاف قائم کریں۔

پیغمبر اسلام کے انہی اخلاقی اوصاف کی برتری تھی کہ آپ کو دیگر انبیاء پر فضیلت دی گئی ہے اور اس کا واضح ثبوت یہ ہے کہ ایک قلیل مدت میں آپ کو وہ کامیابی عطا ہوئی کہ آپ سے قبل کسی اور نبی کے حصے میں نہیں آئیں۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

اب سوال یہ ہے کہ عصر حاضر میں کس طرح دو عملی کو ختم کر کے انسانیت کو دیگر مخلوقات سے نمایاں ہونے کا احساس دلایا جاسکتا ہے۔ سیرت النبی کی روشنی میں یہ بات بلاخوفِ تردید کہی جاسکتی ہے کہ یہ مقصد اس وقت تک حاصل نہیں ہو سکتا جب تک ایک جدید فلاحی ریاست کا قیام عمل میں نہ لائی جائے۔ اس ریاست میں انسانیت کو مقدم جانتے ہوئے باہمی احترام واُخوت کا رشتہ قائم نہ کیا جائے اُس وقت تک امن وسکون قائم نہ ہو گا۔ یہاں پر افلاطون اور ارسطو کے اُن نظریات سے متفق ہونا پڑے گا جو انہوں نے ایک متعدل ریاست کے قیام کے لئے بیان کئے تھے۔ اُن کے بقول:

''ایک عادل ریاست کا قیام اجتماعی عدل اور فرد کی خوشحال زندگی اور تکمیل ذات کے لئے ناگزیر شرط ہے۔''(۳۸)

ہماری اخلاقی ژولیدگی کے پس پردہ ہمارے روحانی عوامل بھی ہیں۔ ارشادِ نبوی ہے کہ:

الا وإن فی الجسد مضغة إذا صلحت صلح الجسد کله وإذا فسدت فسد الجسد کله الا وهی القلب۔(۳۹)

آگاہ رہو جسم میں گوشت کا ایک لوتھڑا ہے جس وقت وہ درست ہوتا ہے سارا جسم درست ہوتا ہے اگر وہ بگڑ جائے تو سارا بدن بگڑ جاتا ہے۔ آگاہ رہو، وہ دل ہے۔

غرض یہ کہ فکری، اخلاقی اور روحانی مسائل کا حل تعلیمات نبوی پر عمل پیرا ہونے میں ہے مگر اس کی عملی تعبیر کے لئے موجودہ دنیا کے نظام تعلیم، نظام معیشت، نظام معاشرت اور نظام ریاست بدلنا ہو گا۔ یہ درست ہے کہ یہ عمل خاصا دشوار اور طویل ہے مگر چودہ سو سال کے اثرات کی اصلاح کے لئے اکیسویں صدی کے آغاز سے ہی اگر تطہیر و تعمیر کا مصمم ارادہ کر لیا جائے تو کوئی وجہ نہیں کہ اس تیز ترین دور میں دُنیا اپنا مقصد حاصل نہ کر سکے۔

سمٹتی ہوئی عصری دنیا میں ذرائع ابلاغ کا کردار:

انسان جو کچھ دیکھتا ہے سنتا ہے یا پڑھتا ہے اس سے متاثر بھی ہوتا ہے اور یہ سب کچھ اس کے عملی کردار کو اپنے رنگ میں ڈھالتا رہتا ہے۔ عالمی میڈیا آج کے دور میں یہی کردار ادا کر رہا ہے۔ گویا عالمی میڈیا یا عالمی ذرائع ابلاغ کو بیک وقت معلم، مرشد اور کتاب کا کردار مل گیا ہے۔ پرنٹ میڈیا (مطبوعہ صحافت)

toobaa-elibrary.blogspot.com

کا کردار اگرچہ محدود ہے مگر موثر دیرپا اور آسان یہی ہے۔ الیکٹرانک میڈیا (برقی صحافت) بہت وسعت پذیر، زوردار اور بے حد متاثر کرنے والا ہے مگر کمپیوٹر نے تو سب کو مات کر دیا ہے۔ یہ درست ہے کہ ہمارا تمدنی دور حقیقت میں ذرائع ابلاغ یا میڈیا کا دور ہے۔ اس کے توسط سے ایک قوم دوسری قوم کو اس کے گھروں بلکہ سونے کے کمروں میں بلا روک ٹوک گھس کر ذہنوں کو متاثر کر سکتی ہے لہٰذا اس حوالے سے بھی آج کے انسان کو سیرت نبوی سے رہنمائی لینے کی ضرورت ہے تاکہ عصر حاضر کے اس سلگتے ہوئے مسئلے کا بہترین حل ہمارے سامنے آسکے۔

انسان کے لئے سیرت و تعلیمات نبوی کا پیغام یہ ہے کہ علم و حکمت ایک ایسی دولت ہے جو مومن کی گمشدہ میراث کی حیثیت رکھتی ہے۔ دانائی اور معلومات کی دولت اسے جہاں سے میسر آئے اسے اپنی گم شدہ چیز سمجھ کر لے لینی چاہیے البتہ چھان پھٹک سے کام لینا ضروری ہوگا اور "خذ ما صفا و دع ما کدر" (جو صاف ستھرا ہے وہ پکڑ لو اور جو کدورت سے ملوث ہے اسے جانے دو) کے حکم نبوی پر عمل کرنا ہوگا۔ یہ خبر رسانی اور پرچہ نویسی جس نے آج کے ترقی یافتہ دور میں میڈیا ابلاغیات یا ذرائع ابلاغ کی متنوع شکل اختیار کر لی ہے دراصل ایجاد ہی مسلمانوں کی ہے۔ مسلمان خلفاء نے دور دراز کے شہروں اور مقامی آبادی کے ساتھ ساتھ حکومت کے احوال سے مکمل آگاہی کو ضروری سمجھا تھا اور مصدقہ خبر رسانی پر زور دیا تھا۔ آگے چل کر یہی سلسلہ کی انواع و اقسام بھی تبدیل ہو گئیں۔ میڈیا یا ذرائع ابلاغ نے جو ترقی کی ہے وہ حیرت انگیز بھی ہے مگر ساتھ ہی خطرناک اور نازک بھی ہے۔ اس سلسل کے طفیل ہماری اس وسیع دنیا نے ایک گلوبل ویلیج کی شکل اختیار کر لی ہے۔

بنیادی طور پر سیرت و تعلیمات نبوی کسی بھی انسانی معاشرے کی تخریب کے حق میں نہیں بلکہ تعمیری کردار کو اولیت حاصل ہے تاہم اگر معاملہ ہو جنگ یا دشمنی کا تو اس کا منہ توڑ جواب دینے کی تاکید ہے۔ چونکہ عالمی میڈیا یا ذرائع ابلاغ نے ایک تباہ کن اسلحے کی شکل بھی اختیار کر لی ہے جس سے دشمنوں کے گھروں میں پہنچ کر ان کے قلب و دماغ کو مسخر کیا جا سکتا ہے اس لئے اس کا توڑ کرنا بھی واجب ہو چکا ہے۔ دشمن کے حالات کا سراغ لگانا اور خبر رسانی کرنا اسلام میں کتنا ضروری اور اہم ہے اس کا اندازہ اس حقیقت سے ہو سکتا ہے کہ غزوات و مہمات کے دوران بعض مواقع پر پیغمبر اسلام نے اپنے اصحاب کی

toobaa-elibrary.blogspot.com

معیت میں یہ کام خود بھی بڑی احتیاط اور ہنر مندی سے انجام دیا۔ ابلاغیات یا میڈیا کے ضمن میں سیرت نبوی سے حاصل ہونے والی رہنمائی مختصراً یوں ہے کہ :

❶ خبر کی صحت اور تصدیق کو بنیادی حیثیت حاصل ہے۔ قرآن کریم میں کئی ایک جگہ اس کی تاکید فرمائی گئی ہے۔ جیسا کہ سورہ حجرات آیت ۶ میں ارشاد ہوتا ہے: ''يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِن جَاءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَإٍ فَتَبَيَّنُوا أَن تُصِيبُوا قَوْمًا بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوا عَلَىٰ مَا فَعَلْتُمْ نَادِمِينَ، اے ایمان والو! جب کوئی نامعلوم یا غیر معتبر شخص کوئی خبر لائے تو اس کی اچھی طرح چھان بین کر لیا کرو کہیں بعد میں نادم نہ ہونا پڑے۔'' اگر کسی عام آدمی کو کوئی خبر ملے تو اسے عام کرنے کے بجائے اپنے سے زیادہ صاحب علم و حکمت اور زیادہ سمجھدار لوگوں تک پہنچا دینا چاہیے تاکہ اس کی چھان پھٹک کر کے کسی نتیجہ پر پہنچ سکیں۔

❷ معلومات دینے والا ذریعہ یا خبر رساں آدمی ثقہ و معتبر ہو۔ اس کی ثقاہت و معتبری کی ہر پہلو سے آزمائش اور چھان بین لازم ہے۔ مسلمان علماء نے روایت حدیث کرنے والوں کی آزمائش اور چھان پھٹک کے ضمن میں جو محنت کی ہے اور اصول دیئے ہیں وہ عصر حاضر کے لئے مشعلِ راہ ہیں۔

❸ تخریبی میڈیا اور ذرائع ابلاغ کی معاندانہ روش کا توڑ ضروری ہے۔ اسی طرح مسلم کمیونٹی کا تحفظ بھی لازم ہے۔ غزوات و مہمات کے ضمن میں پیغمبر اسلام نے ہر قسم کی تخریبی اطلاعات کے تبادلے کی موثر روک تھام کی ہے اور اس کا حکم بھی دیا ہے۔

❹ ذمہ دارانہ اور مکمل طور پر آزادانہ اظہار رائے جس سے تعمیر و اصلاح مقصود ہو، اس کی نہ صرف اجازت ہے بلکہ اس کی تاکید بھی فرمائی گئی ہے۔ تعمیری تنقید بہترین رہنمائی کا کام دیتی ہے۔

❺ ذرائع ابلاغ سے جو گمراہی اور تخریبی مقاصد کے لئے جو فحاشی پھیلائی جا رہی ہے اس کی روک تھام کے لئے قرآنی احکام موجود ہیں ان پر عمل کرتے ہوئے گمراہی اور فحاشی کے سیلاب کا تدراک کیا جا سکتا ہے۔

غربت و افلاس:

ہمیشہ کی طرح آج کے انسان کا بھی ایک اہم مسئلہ اور بنیادی ضرورت بھوک اور افلاس سے نجات ہے اور اس بھوک اور افلاس کا بنیادی سبب ہمیشہ کی طرح آج بھی ایک ہی ہے اور وہ ہے وسائلِ

toobaa-elibrary.blogspot.com

رزق تک ہر انسان کی آزادانہ و یکساں رسائی میں رکاوٹ جو ایک محدود طبقہ کی اجارہ داری میں رہتے ہیں۔ سرمایہ دارانہ نظام کا فلسفہ یہ ہے کہ وسائل پیداوار تک رسائی کو محدود سے محدود تر کیا جائے۔ دولت کو اس طرح سمیٹا جائے کہ دوسروں کے لئے کچھ نہ بچے اور پھر اس دولت پر سانپ بن کر بیٹھ جائیں۔ اس کے برعکس کمیونزم کہتا ہے کہ سرمایہ دار سے سرمایہ چھین کر سب میں برابر تقسیم کر دیا جائے۔ کوئی مالک نہ ہو سب کی ضرورت پوری ہو، بے رحم سرمایہ داری یہ نہیں بتاتی کہ اس کے پاس غریب اکثریت کو بھوکوں مارتے ہوئے اپنی خود غرضی اور سنگدلانہ استحصال کا قانونی جواز کیا ہے جبکہ کمیونزم یہ بتانے سے قاصر ہے کہ اس کے پاس سرمایہ دار سے سرمایہ چھین لینے کا لائسنس کہاں سے آیا؟ایک مرتبہ تو سرمایہ چھین کر بانٹ دیا مگر پھر حسب ضرورت چھیننے اور بانٹنے کے لئے سرمایہ کہاں سے آئے گا۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ دولت چند ہاتھوں میں آجاتی ہے اور ایک جگہ جم جاتی ہے۔ باقی محروم اکثریت جانوروں سے بھی بدتر ہو جاتی ہے۔ اسی طرح کمیونزم میں بظاہر بیکاری تو ختم ہو جاتی ہے مگر بے عملی کا دور دورہ ہو جاتا ہے۔ کمیونزم کی ناکامی کا سب سے بڑا سبب یہی ہے کہ دل لگا کر محنت و جانفشانی سے کام مریڈ صاحب کو دلچسپی نہیں رہتی بلکہ کام سے بھی بے نیاز ہو جاتا ہے۔

اس کے مقابلے میں سیرت و تعلیمات نبوی کا پیش کردہ نظام اقتصادیات اعتدال اور انسانی ہمدردی (جسے ایثار و انفاق کا نام دیا گیا ہے) کے اصول پر قائم ہے۔ وسائل رزق تک رسائی سب کا مساویانہ حق ہے اور اتھارٹی کا فرض ہے کہ وسائل تک رسائی کے مساویانہ حق کو یقینی بنائے۔ قرآن کریم وسائل رزق اور دولت کو اللہ تعالیٰ کی نعمت اور فضل قرار دیتا ہے جس کی تلاش سب کا حق بھی ہے اور فرض بھی ہے۔ اس پر اجارہ داری یا رکاوٹ قانون اور اخلاق سے ماوراء ہے۔ دولت مند اپنی دولت کو اللہ تعالیٰ اور اس کی مخلوق کی امانت سمجھ کر اس میں بخل نہ کریں اور اسراف سے بچیں اس کے ساتھ ہی دولت کو وراثت، زکوٰۃ، صدقات، خیرات اور ٹیکسز کے ذریعے تقسیم ہو کر معاشرے میں گردش کرتے رہنا چاہیے۔ اسے جمنے نہ دیا جائے۔ اسی تنگ دست اور محروم کو شریک کیا جائے۔ مثلاً محروم اور نادار کو یہ حکم ہے کہ اپنے خون پسینے کی کمائی ہی بہترین رزق ہے۔ کمائی کرنے والا اللہ تعالیٰ کا محبوب ہے، لینے والے ہاتھ سے دینے والا ہاتھ افضل ہے۔ بہر حال دو باتیں ضروری ہیں ایک تو یہ کہ ہر فرد کو مفید شہری اور رکن

toobaa-elibrary.blogspot.com

معاشرہ بنانے کے لئے اسے وسائل رزق میں شرکت کے مواقع فراہم کئے جائیں۔ ہر شہری جانفشانی سے محنت کرے اور حسن عمل میں اپنا خون جگر صرف کردے۔ دوسری بات یہ ہے کہ معاشرہ کا کوئی فرد بھی بھوکا نہ سوئے۔ ورنہ تمام معاشرہ گناہگار ہے۔ پیغمبر اسلام کا یہی حکم ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کو اپنے لئے ابنائے جنس کے حوالے سے جو مشن اور فریضہ سونپا ہے وہ یہ ہے کہ انسانیت کو بھوک اور غلامی سے تحفظ فراہم کیا جائے۔ ہر فرد کا یہ مشن ہے کہ وہ دوسرے کی آزادی اور افلاس کا علاج کرے۔ اپنے بھائی کا لقمہ چھیننا نہیں بلکہ اپنا لقمہ بھی اسے دے دینا ہے، یہی ہے اسلام کا جذبہ ایثار اور فریضہ انفاق، ہر انسان اگر مان لے تو یہ دنیا بھی جنت بن سکتی ہے۔

اللہ تعالیٰ کی یہ وسیع و عریض سرزمین جو اب گلوبل ولیج بھی ہے اور جو بحر و بر کے بے حد و حساب وسائل رزق پر مشتمل ہے۔ اس میں قادر و رازق نے اپنے تمام بندوں کے لئے رزق کی گنجائش رکھی ہے۔ مصادر و وسائل رزق کی کمی نہیں اصل بیماری حرص اور خود غرضی ہے۔ وسائل رزق پر چند افراد اور مخصوص اقوام قبضہ کرکے اسے اپنے لئے مختص کئے ہوئے ہیں۔ خود بد ہضمی سے مر رہے ہیں اور دوسروں کو بھوک سے مار رہے ہیں۔ امیر امیر تر اور غریب غریب تر ہوتا جارہا ہے۔ یہ بے انصافی ختم کرنے کے لئے پیغمبر اسلام کا منصفانہ و معتدل اقتصادی لائحہ عمل اپنانے کی ضرورت ہے، یہی اس مسئلے کا صحیح حل ہے۔

پُر سکون زندگی کا حصول:

عزت و آرام کی پر سکون زندگی ہر انسان کی آرزو ہی نہیں ضرورت بھی ہے۔ اگر قیام عدل سے دنیا میں امن قائم ہو جائے، اظہار رائے کی مکمل آزادی کے ساتھ علم و معلومات پر ہر انسان کا حق مان لیا جائے، ذرائع ابلاغ تخریب کے بجائے تعمیر کو اپنا شعار بنالیں اور فقر و افلاس سے انسانیت کو نجات مل جائے تو عزت و آرام کے ساتھ پر سکون زندگی کا مسئلہ کافی حد تک حل ہو جاتا ہے۔ جہاں انسان اللہ تعالیٰ کے منشاء کے مطابق زندگی بسر کرتے ہوئے اپنی دنیا کے ساتھ ساتھ اپنی آخرت بھی سنوار سکتا ہے۔ لیکن اس ضمن میں جو اہم اور مناسب سوال سامنے آتا ہے وہ یہ ہے کہ جس پُر سکون زندگی کے ہم متلاشی ہیں اس زندگی کا حقیقی مقصد کیا ہے؟ کیا انسان اس لئے پیدا ہوا ہے کہ زندگی بھر تفکرات اور پریشانیوں میں

toobaa-elibrary.blogspot.com

مبتلا رہے اور وقت کی گردشوں کے تھپیڑے کھاتا پھرے، مصائب کے پہاڑ برداشت کرے اور غم والم کی بھٹی میں خود کو پگھلاتا رہے؟ یا کیا ہم دنیا میں صرف عیش وآرام کے لئے آتے ہیں۔ زندگی میں خوشیاں ہی خوشیاں ہونی چاہیئں، غم کا نام ونشان نہ ہو۔ بس کھانا پینا، ہنسنا کھیلنا، سونا اور بس آرام کرنا ہے؟ انسان یہاں اجنبی ہے اور عارضی زندگی گزار رہا ہے۔ یہ دنیا تو اس کے لئے ایک عارضی پڑاؤ کی جگہ اور وقتی سامان ہے۔ ظاہر ہے کہ جو نقل کو اصل اور غربت کدے کو مستقل وطن سمجھ بیٹھے گا اس کا تو یہی حشر ہوگا۔ اسی لئے تو قرآن کریم دنیا کی خوشی اور غم دونوں کو بے حقیقت قرار دیتے ہوئے یکسر مسترد کر دیتا ہے۔

"لِّكَيْلَا تَأْسَوْا عَلَىٰ مَا فَاتَكُمْ وَلَا تَفْرَحُوا بِمَا آتَاكُمْ" (۴۰)

تاکہ تم کچھ کھو جانے پر غم سے نڈھال نہ ہو اور جو کچھ اللہ کی طرف سے مل جائے اس پر خوشی سے اترانے اور اکڑانے کی ضرورت نہیں۔

تو پھر اس زندگی کا کیا مقصد ہے اس کا جواب سیرت نبوی سے ملتا ہے۔ آپ نے فرمایا: **الدنیا مزرعة الاخرة** دنیا آخرت کی کھیتی ہے اور اللہ تعالیٰ نے زندگی اور موت کا یہ سلسلہ اس لئے بنایا ہے کہ وہ یہ دیکھنا چاہتا ہے کہ تم میں سے کون ہے جو اس آزمائش کے میدان میں حسنِ عمل کا مظاہرہ کرتا ہے: "الَّذِي خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيَاةَ لِيَبْلُوَكُمْ أَيُّكُمْ أَحْسَنُ عَمَلًا" (۴۱) وہ خدا ہے جس نے موت اور زندگی کو خلق کیا تاکہ وہ یہ دیکھ سکے کہ تم میں کون بہترین عمل کرتا ہے۔

یہ دنیا تو میدانِ عمل اور مقام آزمائش ہے۔ دنیا اور آخرت کے درمیان توازن اور اعتدال کی زندگی جہاں اصل کام حسن عمل کا مظاہرہ کرنا ہے وہی ایک اعتدال پر زندگی گزارنا ہے۔

جاگیر دارانہ اور سرمایہ دارانہ نظام:

عصر حاضر کا ایک اہم مسئلہ جاگیر دارانہ اور سرمایہ دارانہ نظام ہے۔ یہ طبقہ ہر ملک کی سیاست اور وسائل پر قابض ہے۔ غریب محنت کش اور مزدور پیٹ بھر کی روٹی کے لئے بھی محتاج ہے۔ اس سرمایہ دارانہ نظام اور جاگیر دارانہ نظام نے تمام دنیا کو شکنجے میں قابو کر رکھا ہے۔ پیغمبر اسلام نے جس فلاحی ریاست کی بنیاد رکھی اس میں سرمایہ داری کی کوئی گنجائش نہیں۔ آپ نے کسبِ حلال کا حکم دیا، سود کی

toobaa-elibrary.blogspot.com

ممانعت فرمائی۔ جوئے اور سٹے کو حرام قرار دیا۔ ذخیرہ اندوزی، ناپ تول میں کمی، ناجائز منافع خوری کو حرام قرار دیا۔ رزق حلال کمانے کی ترغیب قرآن نے یوں دی ہے:

"يَا أَيُّهَا النَّاسُ كُلُوا مِمَّا فِي الْأَرْضِ حَلَالًا طَيِّبًا وَلَا تَتَّبِعُوا خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِينٌ" (۴۲)

اے لوگو! جو چیزیں زمین میں حلال طیب ہیں وہ کھاؤ۔ اور شیطان کے قدموں پر نہ چلو۔ وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔

اور وہ تمام راستے اسلام نے بند کر دیئے ہیں جو ناجائز ذرائع آمدن میں شامل ہیں۔ ارشاد ہوتا ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا الرِّبَا أَضْعَافًا مُّضَاعَفَةً وَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ (۴۳)

اے ایمان والو! کئی گنا کر کے سود نہ کھاؤ اللہ سے ڈرو تاکہ تم فلاح پاجاؤ۔

زکوٰۃ کا فلسفہ پیغمبر اسلام نے یوں ارشاد فرمایا: "توخذ من اغنیائھم و ترد الی فقراء ھم" (۴۴) پیغمبر اسلام نے خود کبھی کسی سائل کو خالی ہاتھ نہیں لوٹائے۔ مسند احمد میں حدیث ہے۔ پیغمبر اسلام ایک دفعہ اہل مجلس سے دولت مندی اور دنیاوی خوشحالی کا کچھ تذکرہ کرنے لگے کہ یہ چیز اچھی ہے یا بری اور دین اور آخرت کے لئے مضر ہے یا مفید تو آپ نے اس سلسلہ میں ارشاد فرمایا کہ جو شخص اللہ تعالیٰ سے ڈرے اور اس کے احکام کی پابندی کرے اس کے لئے مالداری میں کوئی مضائقہ نہیں اور کوئی حرج نہیں اور صحت مندی صاحبِ تقویٰ کے لئے دولت مندی سے بھی بہتر ہے اور خوش دلی بھی اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں سے ہے۔ (۴۵)

آزادی نسواں:

موجودہ تہذیب کا ایک نعرہ عورت کی آزادی، مساوات اور ترقی کا ہے۔ اس کے متعلق یہ کہا جاتا ہے کہ اسلام نے عورت کے ان پہلوؤں کو نظر انداز کر کے اس کے ساتھ زیادتی کی ہے اور مغرب میں مساوات مرد و زن اور ترقی نسواں کے فریب میں عورت کو گرفتار کر کے اسے زندگی کے ہر میدان میں مردوں کے برابر بلکہ ان سے بھی آگے نکال دیا ہے۔ اسلام نے بحیثیت انسان مرد و عورت کو برابر قرار دیا

toobaa-elibrary.blogspot.com

ہے۔ عقائد کے لحاظ سے بھی دونوں میں مساوات ہے نیکی اور بدی کے بدلے کے لحاظ سے دونوں یکساں ہیں۔ جرائم کی سزا کے لحاظ سے بھی دونوں میں مساوات ہے۔ ملکیت رکھنے کے لحاظ سے بھی ہر ایک کو اپنی ملکیت میں تصرف کی اجازت ہے۔ اسلام مرد و عورت میں فطری صلاحیتوں اور جسمانی ساخت کی وجہ سے ذمہ داریوں کے لحاظ سے فرق سمجھتا ہے۔ گھر کے باہر کے تمام کام مرد کے ذمہ ہیں۔ نسل کی پرورش عورت کی ذمہ داری ہے۔ گھر کے اندورنی معاملات کی عورت ذمہ دار ہے جہاں تک عورت کی آزادی کا تعلق ہے پیغمبر اسلام کے زمانہ میں بھی عورت کو اپنی بات کہنے کی آزادی تھی۔(۴۶) چنانچہ قرآن مجید نے حضرت خولہ بنت ثعلبہ کے واقعہ کو واضح طور پر بیان کیا ہے۔ ارشاد الٰہی ہے:

قَدْ سَمِعَ اللّٰہ قَوْلَ الَّتِی تُجَادِلُكَ فِی زَوْجِها وَتَشْتَكِی إِلَی اللّٰہ وَاللّٰہ یَسْمَعُ تَحَاوُرَكُمَا إِنَّ اللّٰہ سَمِیعٌ بَصِیرٌ(۴۷)

اللہ نے سن لی اس عورت کی بات جو اپنے شوہر کے معاملے میں تم سے تکرار کر رہی ہے اور اللہ سے فریاد کئے جاتی ہے۔ اللہ تم دونوں کی گفتگو سن رہا ہے وہ سب کچھ سننے اور دیکھنے والا ہے۔

پیغمبر اسلام تشریف فرما تھے کہ حضرت اسماء خدمت میں حاضر ہوئیں اور کہا: ”یا رسول اللہ میں مسلمان عورتوں کی طرف سے یہ پیغام لے کر آئی ہوں کہ اللہ نے آپ کو مرد و زن کی ہدایت کے لئے بھیجا۔ ہم سب آپ کے متبع ہیں اور آپ پر ایمان لاتے ہیں مگر ہم میں اور مردوں میں بڑا فرق ہے۔ ہم گھروں میں محصور ہیں۔ ہم آپ لوگوں کی اولاد کو پالتی ہیں آپ لوگ مرد ہو، نماز جمعہ اور نماز جنازہ میں شرکت کرتے ہیں، حج کرتے ہیں اور سب سے زیادہ یہ کہ راہِ خدا میں جہاد کرتے ہیں۔ ہم ان تمام معاملات میں آپ لوگوں کے ساتھ نہیں ہیں۔ آپ کے مال کی حفاظت کرتے ہیں، لباس کے لئے چرخہ کاتتے ہیں تو کیا ہم اجر و ثواب میں آپ کے ساتھ شریک نہ ہوں گے؟ ان کی تقریر سن کر پیغمبر اسلام اپنے اصحاب کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا کیا تم لوگوں نے مذہب کے بارے میں کبھی کسی عورت سے ایسی گفتگو سنی۔ صحابہ نے عرض کیا ہمیں تو کبھی اس بات کا خیال تک نہ آیا کہ کوئی عورت ایسا سوال کر سکتی

toobaa-elibrary.blogspot.com

ہے۔ پیغمبر اسلام نے فرمایا اگر کوئی عورت اپنے شوہر کی رضامندی، فرمابرداری اور موافقت کرتی ہے اور زوجیت کے فرائض ادا کرتی ہے تو اسے بھی مردوں کے برابر ثواب ملے گا۔(۴۸)

خواتین کی تعلیم و تربیت کا مقام چونکہ اس کا اپنا گھر ہے لہٰذا اس کے گھر والوں کو حکم دیا گیا کہ اس کی بہترین پرورش کریں حتی کہ پیغمبر اسلام نے نوکرانی تک کو علم و ادب سکھانے کا حکم دیا ہے۔ آپ کا یہ قول معروف ہے:

جس کے پاس کوئی نوکرانی (لونڈی) ہو وہ اس کو خوب تعلیم دے اور عمدہ تہذیب و شائستگی سکھائے، پھر اس کو آزاد کرے، اس کی شادی کرے تو اس کے لئے دوگنا اجر ہوگا۔(۴۹)

یہ سیرت طیبہ کی توجیہات اور تعلیمات کا ہی نتیجہ تھا کہ اس عہد کی خواتین مردوں کے شانہ بشانہ آگئیں۔ ازدواج مطہرات براہِ راست پیغمبر اسلام سے تعلیم یافتہ تھیں لہٰذا دیگر خواتین کے لئے وہ مدرسہ ثابت ہوئیں۔ چونکہ ساری تعلیمات کا مقصد ہی اخلاق و تقویٰ کے لحاظ سے عورت کو بلند مقام عطا کرنا تھا اس لئے پیغمبر اسلام نے فکری اصلاح کے ساتھ عملی اصلاح پر بہت دھیان دیا اور بار بار اس پر زور دیا اور خواتین کو وہ تمام احکام سکھائے جو ایک اسلامی معاشرے کے بہترین فرد بننے کے لئے ضروری ہیں۔ خواتین کو بالخصوص یہ ہدایت کی گئی کہ وہ عزت و حیاء کی زندگی گزاریں۔ پیغمبر اسلام نے ان تمام اُمور کی نشاندہی کی ہے جس سے احتراز کرنا ضروری ہے۔ جیسا کہ آپ سے منسوب ایک روایت ہے:

> ”وہ عورتیں جو لباس پہننے کے باوجود عریاں رہتی ہیں جو مٹک مٹک کر چلتی ہیں اور جو اونٹ کے کوہان کی طرح اپنے کندھوں کو ہلا کر ناز و ادا کا اظہار کرتی ہیں وہ جنت میں داخل نہیں ہوں گی۔“(۵۰)

یعنی سیرت طیبہ میں خواتین کے حقوق و فرائض کا جو تعین کیا گیا ہے اور ان کے لئے جو دائرہ کار مخصوص کیا گیا ہے وہ اس قدر جامع ہے کہ آج کی خواتین اُس دائرہ کار میں رہ کر معاشرے کی خدمت سرانجام دے سکتی ہیں۔ اگرچہ عورت کے لئے بہترین مقام اس کے گھر کو قرار دیا گیا ہے اور اس کی اسی نماز کو بہتر قرار دیا گیا ہے جو گھر کے آخری گوشے میں ادا کی گئی ہو۔ دراصل اس طرح کی جداگانہ شناخت بیان کرنے کا مقصد خواتین کو ذمہ داری کے فرض کا احساس دلانا ہے۔ دوسری طرف مردوں کو بھی اس

toobaa-elibrary.blogspot.com

بات کا پابند کیا گیا ہے کہ وہ خواتین پر ظلم نہ کریں اور اُن کے ساتھ حسن سلوک کریں۔ اور انہیں اس معاملے میں آخرت کے عذاب کے حوالے سے بتایا گیا ہے کہ مردوں سے خواتین کے حقوق کے متعلق پوچھ گچھ ہو گی۔ سیرت تعلیمات میں متعدد گوشوں کی نشاندہی کی گئی ہے۔ اگرچہ چند محدود فرائض اور ذمہ داری اُن کے کاندھوں پر ڈالی گئی ہے لیکن اس سے بڑھ کر سیرت طیبہ میں آزادی نسواں کا تصور زیادہ ملتا ہے۔ جیسا کہ پیغمبر اسلام سے منسوب یہ قول بہترین نشاندہی ہے:

> ''ایک زمانہ میں میری اُمت پر ایسا وقت آئے گا کہ ایک تنہا خاتون شام سے حجاز تک کا سفر کرے گی اور ہاتھوں میں سونا اچھالتی آئے گی لیکن اسے پوچھنے والا (ڈاکہ ڈالنے والا) کوئی نہ ہو گا۔''(۵۱)

اس قول میں آج کی عورت کے تمام تر حقوق اجمالاً بیان کئے گئے ہیں۔ شام سے حجاز تک کا سفر بطور مستعار بیان کیا گیا ہے وگرنہ اس جملہ کی وسعت تمام تر ممالک کی سرحدوں تک ہے۔ چونکہ اُس زمانے میں شام اور عرب کے درمیان تجارتی تعلقات تھے اور عرب کے لوگ اکثر اپنا مال لے کر شام کا سفر کرتے تھے اس لئے آسانی کے لئے یہ مثال دی گئی ہے۔ اس کے علاوہ اس حدیث میں یہ بات بھی اخذ کی جاسکتی ہے کہ آج کی خواتین تجارت سمیت زندگی کے ہر میدان میں خدمات انجام دے سکتی ہیں۔ سونا ہاتھ میں لے کر جانے کا مقصد یہ نہیں کہ عورت سونا ہی لے کر جائے بلکہ تجارتی مال و متاع بھی لے کر جاسکتی ہے۔ گویا سیرت طیبہ نے آج سے چودہ سو سال قبل ہی خواتین کے لئے معیار زندگی کا تعین کر دیا تھا۔ چاہے وہ نجی زندگی ہو، خانگی زندگی ہو یا سماجی زندگی ہو ہر ہر پہلو کی خوبصورت نشاندہی کی گئی ہے۔ اس قول میں یہ بھی ہمیں ملتا ہے کہ جب عورت تنہا تجارتی سفر کر سکتی ہے تو اس کا مطلب ہے کہ نظامِ حکومت میں بھی اس کا بڑا دخل ہو گا۔ شرط اولین یہ ہے کہ عورت تمام تر انسانی و اخلاقی اقدار کا خیال رکھے۔

آزادی نسواں کے سلسلے میں مندرجہ بالا مثال سے بڑھ کر اور کیا مثال ہو سکتی ہے۔ معاشیات کا میدان ہو یا سیاسیات، عورت کو آزادی ہے کہ وہ اپنے مقرر کردہ دائرہ کار میں رہتے ہوئے اپنے فرائض ادا کرے۔ اپنا حق طلب کرے۔ سیرت طیبہ کے زیر سایہ خواتین نے میدانِ جنگ میں بھی فرائض

toobaa-elibrary.blogspot.com

سرانجام دیئے۔ نرسنگ کی، پانی پلایااور سب سے بڑھ کر یہ کہ انہوں نے شمشیر وسناں سے زیادہ پُرجوش خطابت و تقریر کے ذریعے جذبہ جہاد کواُبھارا۔

اسی طرح سیرت طیبہ میں خواتین کے نہایت دقیق ازدواجی مسائل اور اس کے متعلق وضاحتیں بیان کرکے یہ نشاندہی کی گئی ہے کہ عورت چاہے آج سے چودہ سوسال قبل کی ہو یاآج کے زمانے کی، تمام تر حقوق و فرائض اور ان کے مسائل کا بھرپور خیال رکھا گیا ہے۔ خاص طور پر ازدواجی زندگی کے تمام تر مسائل سیرت طیبہ میں بآسانی مل جاتے ہیں۔ میاں بیوی کے تعلقات ہوں، شادی بیاہ کا مسئلہ ہو، رشتے کا طے ہونا ہو، طلاق کی نوبت آجائے تو، اگر بہتان لگایا جائے تو، اگر خواتین غلطی کی مرتکب ہوں تو مرد کیا کرے اور اگر خواتین کو مرد سے شکایات ہوں تو کیا صورت ہونی چاہیے۔ ایک طلاق کے بعد رجوع، غصے کی حالت، زبان پر قابو، روپے پیسے کے خرچ کے معاملات، بلااجازت کوئی کام کرلینا، اس کا کفارہ کیسے ادا کرنا ہوگا۔ خواتین کو خاوند کی جائیداد میں سے کتنا حصہ ملے گا اور اس کی جائیداد کیسے تقسیم ہوگی۔ شادی کی صورت میں اس کے نان و نفقے کا بندوبست شوہر کے ذمے ہوگا اور اولاد کی تربیت اور رضاعت بیوی کے ذمے ہوگی۔ یعنی اتنے بہترین انداز میں پیغمبر اسلام نے تعلیماتِ قرآن کو عملی شکل میں ڈھالا ہے کہ دنیا کا کوئی بڑے سے بڑا مبلغ، رہنما اور مفسر ایسا نہیں کرسکتا ہے۔ اس کی ایک بڑی وجہ یہ ہے کہ آپ نے بچپن میں ماں کی شفقت بہت کم دیکھی، مگر حلیمہ سعدیہ جب تک زندہ رہیں انہیں ماں کا درجہ واحترام دیا۔ رضاعی بہن شیما کا از حد احترام کیا اور مثال پیش کی۔ بیوی کی صورت میں حضرت خدیجہ ملی تواُس کی دنیا ہی بدل ڈالی۔ وہ آپ کی غم گسار، ہمدرد ہی نہیں معاشی و مالی طور پر بھی وہ معاون بنیں۔

لیکن وقت کے ساتھ ساتھ سیرت طیبہ کی مثالیں اور تعلیمات یکسر ماند پڑ گئیں اور لوگوں نے ان سے غلط مطالب نکال لئے۔ جیسا کہ قرآن مجید کی اس آیت کو "الرِّجَالُ قَوَّامُونَ عَلَى النِّسَاءِ بِمَا فَضَّلَ اللَّهُ بَعْضَهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ وَبِمَا أَنفَقُوا مِنْ أَمْوَالِهِمْ "(۵۲) کو اس طرح سے عجیب تشریحات کے ساتھ پیش کیا ہے کہ وقت کے ساتھ خواتین اور مردوں کے درمیان خلیج آنا شروع ہوگئی۔ مرد نے اپنے آپ کو برتر جاننا شروع کردیا اور عورت کا استحصال ہونے لگا۔ حالانکہ اس آیت میں عورتوں پر مردوں کے

toobaa-elibrary.blogspot.com

تسلط، زور، زبردستی اور بالادستی کے معنی میں نہیں ہے، بلکہ جیسا کہ اہل لغت اور ان کی پیروی میں اکثر مفسرین نے کہا ہے کہ لفظ "قَوَّامُ" سرپرستی، رسدات کے انچارج اور نگرانی کے معنی میں ہے۔ کیونکہ خاندان معاشرے کا ایک چھوٹا یونٹ ہوتا ہے، اس لئے قدرتی بات ہے کہ اس کو ایک بڑے معاشرے کے مانند ایک رہبری و سرپرستی کی ضرورت ہوتی ہے، اس لئے بعض وجوہات اور مردوں میں موجود خصوصیات کی بناپر یہ ذمہ داری مردوں کو ہی سونپی گئی ہے، مردوں کی یہ خصوصیات حسب ذیل ہیں:

۱۔ فکری توانائی کے جذبات، لطف اور احساسات پر غلبہ۔

۲۔ خاندان کی عزت و آبرو، اور تقدس کا دفاع کرنے کی جسمانی طاقت۔

۳۔ بیوی بچوں کی پرورش کے لئے مالی اخراجات برداشت کرنے کی ذمہ داری مرد پر عائد کی گئی ہے۔

قرآن مجید، حاکمیت اور سرپرستی کو صرف عدل و انصاف، اور خداوند متعال کی رضامندی کے دائرہ میں جائز جانتا ہے، اور خداوند متعال کے سامنے صرف تقوی اور پرہیزگاری کی برتری معیار ہے، نہ کہ جنسیت۔ قرآن مجید کے تہذیبی آداب کے مطابق مرد کی حکمرانی اور بالادستی میں تسلط، ظلم و زیادتی کی کوئی گنجائش نہیں ہے، مذکورہ آیہ شریفہ سے جو مردوں کے عورتوں پر تسلط کا توہم پیدا ہوا ہے شاید قرآن کے محققین کی طرف سے لفظ "قَوَّامُ" کے صحیح معنی بیان نہ کئے جانے کی وجہ سے ہے۔

آج کی دنیا میں مغرب نے جو مرد و عورت کے درمیان مساوات کا تصور سمجھ لیا ہے وہ قرآن اور سیرت طیبہ سے بالکل بھی مختلف ہے۔ مردوں کے درمیان مساوات ایک تسلیم شدہ نظریہ ہے جس میں کوئی اختلاف نہیں۔ لیکن اگر ایک مرد اور دوسرے مرد کے درمیان مساوات کا مطلب یہ ہو کہ ہر میدان میں ہر مرد دوسرے مرد کا مقابلہ کر سکتا ہے تو یہ نظریہ سراسر بے معنی ہو جائے گا۔ انسانی مساوات کا مطلب اگر کچھ لوگ یہ سمجھ لیں کہ ہر آدمی کو ہر شعبہ میں کام کرنا چاہئے تو اس کا کیا نتیجہ نکلے گا؟ اس قسم کی غیر فطری مساوات کا کوئی علم بردار آئن اسٹائن کو ایک ایسی آبادی میں لے جائے گا جہاں صرف باکسرز (Boxers) بستے ہوں اور وہاں وہ آئن اسٹائن کو باکسروں کے ساتھ "عمل" میں لگادے گا۔ ظاہر ہے اس قسم کی مساوات کا نتیجہ صرف غیر مساوات کی صورت میں برآمد ہوگا۔ یونیورسٹی یا سائنس کانفرنس میں جو آئن اسٹائن ٹاپ پر نظر آرہا تھا وہ باکسروں کی مقابلہ گاہ میں کم تر درجے کا انسان بن

toobaa-elibrary.blogspot.com

کر رہ جائے گا۔اس سے معلوم ہوا کہ مساوات کا مطلب عمل میں مساوات نہیں بلکہ حیثیت میں مساوات ہے۔

مساواتِ انسانی یہ نہیں ہے کہ ہر آدمی وہی کام کرے جو کام دوسرا آدمی کر رہا ہے۔اس کا مطلب صرف یہ ہے کہ ہر آدمی کو یکساں عزت ملے، ہر ایک کو یکساں احترام کی نظر سے دیکھا جائے۔ہر ایک کے ساتھ یکساں اخلاقی سلوک کیا جائے۔

مرد اور عورت کے معاملے میں مغرب کی غلطی یہی ہے کہ اس نے دو جنسوں کے درمیان مذکورہ بالا قسم کی غیر فطری مساوات قائم کرنے کی کوشش کی۔اس کا نتیجہ وہی ہوا جو ہونا چاہئے تھا۔ مرد اور عورت کے درمیان تاریخ کی سب سے بڑی عدم مساوات قائم ہو گئی۔مرد اور عورت دو الگ الگ جنسیں ہیں۔اور دونوں کی تخلیق الگ الگ مقاصد کے تحت ہوئی ہے۔دونوں کو اگر ان کی تخلیق کے اعتبار سے ان کے اپنے میدان میں رکھا جائے تو دونوں اپنے اپنے میدان میں مساوی طور پر کامیاب رہیں گے۔اور اگر مرد اور عورت دونوں کو ایک ہی میدان میں ڈال دیا جائے تو عورت وہ کام نہ کر سکے گی جو مرد اپنی تخلیقی صلاحیت کے اعتبار سے زیادہ بہتر طور پر کر سکتا ہے۔اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ عورت مرد کے مقابلے میں کم تر درجے کی جنس بن کر رہ جائے گی۔یہی حال بڑے پیمانے پر مغربی عورت کا ہوا ہے۔ مغرب نے اپنی عورتوں میں یہ مزاج بنایا کہ وہ باہر آکر مردوں کی طرح کمائیں۔ مگر عورت جب گھر سے نکل کر باہر آئی تو اس کو معلوم ہوا کہ موجودہ شعبوں میں وہ مرد کی طرح کام کر کے اپنی قیمت حاصل نہیں کر سکتی۔اب کمائی اور آزاد زندگی حاصل کرنے کی خاطر اس کے پاس دوسرا راستہ صرف ایک تھا: یعنی، اس کا اپنا نسوانی بدن! اپنے جسم کو بازار کا سودا بنانے کے غیر فطری اور غیر اخلاقی عمل سے عورت کو نام نہاد برابری کا درجہ تو نہیں ملا البتہ اس کے نتیجے میں بیشمار نئے نئے مسائل پیدا ہو گئے۔ایک مسئلہ وہ ہے جسے عریانیت (Pornography) کہا جاتا ہے۔عریانیت کوئی علٰحدہ مسئلہ نہیں، بلکہ یہ بے قید آزادی کا وہ لازمی نتیجہ ہے جس کو اس سے جدا نہیں کیا جا سکتا۔

مغربی معاشرے کا یہ نظریہ آج پوری دنیا میں عام ہے کہ مادر پدر آزادی ہونی چاہیے اور خواتین بھی آزادی نسواں اور حقوق نسواں کے فلک شگاف نعرے لگاتی ہوئی سڑکوں پر نکل آتی ہیں۔حالانکہ اسلام

toobaa-elibrary.blogspot.com

تو دین فطرت ہے۔ اللہ ہمارا خالق ہے اور سیرت طیبہ اسی لئے عین فطری ہے۔ تخلیق کار خوب جانتا ہے کہ آزادانہ اور مخلوط معاشرے کا کیا انجام ہو سکتا ہے۔ اسی لئے تو بہت پہلے ایسا نظام وضع کیا گیا کہ مرد اور عورت کی شناخت الگ الگ رہے اور معاشرے کو کسی قسم کے تصادم کا خطرہ نہ ہو۔ مگر آج کی انسانی طبع اس نظام سے کوسوں دور ہو چکی ہے۔ عالمی سطح پر خواتین کے دن منائے جا رہے ہیں۔ سیمینارز ہو رہے ہیں، خطبات ہیں کہ تھمتے ہی نہیں، خیالات ہیں کہ مسلسل پروان چڑھ رہے ہیں۔ مردوں کے خلاف ایک نفرت کی لہر ہے اور اینٹ کا جواب پتھر سے دیتے ہوئے مرد نے بھی کم نہیں کیا بلکہ شاید اسی کی طف سے حقوق کی پامالی اور فرائض کی طلبی نے ایسا ماحول پیدا کیا کہ بنت حوا گھر بھی سنبھالتی ہے اور نوکری بھی کرتی ہے، بچے بھی پیدا کرتی ہے اور طعنے بھی سنتی ہے۔ نہ اس سے شادی کے بارے میں پوچھا جاتا ہے، نہ مشورہ لیا جاتا ہے۔ جائیداد میں حصہ داری کی خاطر زبردستی انگوٹھے لگوائے جاتے ہیں یا پھر قرآن سے نکاح کر دیا جاتا ہے۔ کاروکاری کی قبیح رسم عام ہے، اسی پاؤں میں کھنگرو بندھوا کر اس سے اس کے بلند مقام سے گرا دیا گیا۔ حالانکہ سیرت طیبہ ہمارے سامنے روشن چراغوں کی طرح ہے۔ تعلیماتِ نبوی خواتین کو وہ تمام حقوق دیتی ہیں جس کا تقاضا آج کی عورت کرتی ہے۔ ان تعلیمات کی روشنی میں اسے عمل کی آزادی ہے۔ پسند کی اجازت ہے، تعلیم حاصل کرنے پر کوئی پابندی نہیں ہے۔ وہ تفریح کر سکتی ہے، وہ بن سنور سکتی ہے۔ وہ تجارت کر سکتی ہے، وہ سفر کر سکتی ہے۔ وہ ماں، بہن، بیوی اور بیٹی کے روپ میں قابلِ احترام ہے۔ اس کو اتنے حقوق دیئے گئے ہیں کہ آج کی دنیا تصور بھی نہیں کر سکتی۔ اسے سیاست کا حق ہے، اسے انتخاب کا حق ہے۔ یہ نامناسب حالات میں خلع کا دعویٰ کر سکتی ہے۔ حق مہر کا مطالبہ کر سکتی ہے، ظلم وجبر کے خلاف آواز بلند کر سکتی ہے۔

خواتین کو سیرت طیبہ کی جانب سے جو حقوق ملتے ہیں وہ محض خام خیال پر مبنی نہیں ہیں۔ شاعر کا تخیل یا فلسفی کی بڑ نہیں ہے بلکہ نہایت ہی زیرک انسان کی زندگی کے عملی نمونے ہیں۔ اسی لئے آج بھی خلوت ہو چاہے جلوت، رزم ہو یا بزم ہو، رفتار ہو یا گفتار ہو، معاشیات ہو یا سیاسیات، مرد ہوں یا خواتین پوری انسانی برادری بالعموم اور ملت اسلامیہ بالخصوص پیغمبر اسلام کے نقشِ قدم پر چل کر نجات کی راہ پر گامزن ہو سکتی ہے کیونکہ پیغمبر اسلام کا پیغام لافانی اور ابدی ہے۔ ہر دور کے تقاضوں کو پورا کرتا ہے۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

نسلی تفاخر:

آج نسلی تفریقات کا یہ حال ہے کہ سفید فام اقوام اپنے رنگ اور دیگر خصوصیات کو وجہ تفاخر و عزت سمجھتی ہیں اور امریکہ جیسے ترقی یافتہ معاشرے میں آج بھی نسلی امتیاز اور کالے اور گورے کی تفریق شدت سے موجود ہے جو کہ ننگ انسانیت ہے اور جس سے انسانوں کے سر شرم کے مارے جھک جاتے ہیں۔اس کے بر خلاف سیرت طیبہ میں معاشرتی انصاف اور عدل اجتماعی کا ایک ایسا عملی نمونہ ہمیں نظر آتا ہے کہ آج کا معاشرہ جو نسلی امتیاز اور تفریقات کی آماجگاہ بنا ہوا ہے اس سے رہنمائی حاصل کر کے نفرتوں اور اذیتوں سے نجات پا سکتا ہے۔ خطبہ حجۃ الوداع میں کئے گئے اعلان میں وحدتِ نسل انسانی کا جو تصور پائیدار طریقے سے پیغمبر اسلام نے پیش کیا وہ ایک ایسا بین الاقوامی ہیئت اجتماعی کا موثر چارٹر ے جو پورے عالم کی واحد عالمی ریاست کی نشاندہی کر رہا ہے جبکہ یہ عالمی اجتماعی نظام اور دنیا بھر کی انسانی ریاست کا عملی نقشہ یقینی طور پر پیغمبر اسلام کی تعلیمات اور آپ کی سیرت طیبہ کے دستور العمل میں ہی میسر ہے کیونکہ آپ ''کافۃ للناس'' اور ''رحمۃ للعالمین'' بن کر تشریف لائے وہاں پر آپ کو بھیجنے والے رب کریم بھی ''رب الناس'' اور ''رب العالمین'' ہے کہ جس پر ایمان و یقین کی بنیاد پر ہی عالمی ریاست اور بین الاقوامی آفاقی اقتدارِ اعلیٰ کی پہچان ہو سکتی ہے۔

شدت پسندی:

انتہا پسندی اور بنیاد پرستی ایک عالمگیر حقیقت ہے اور ہر طبقہ فکر ہر مذہب اور ہر علاقے میں موجود ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ بعض چیزیں میڈیا کے اس دور میں سامنے آگئی ہیں یا انہیں بعض مقاصد کے تحت سامنے لایا جا رہا ہے۔ جبکہ بعض دوسری ان سے بڑے حقائق مناسب کوریج نہ ملنے کے سبب پس منظر چلے گئے ہیں اور بد قسمتی سے آج اسلام اس حوالے سے خصوصی ہدف بنا ہوا ہے جس کے اسباب ہمیں اسلام میں نہیں آج کی مخصوص بین الاقوامی اور عالمی سیاست میں تلاش کرنے ہوں گے۔ دوسری اہم بات یہ ہے کہ انتہا پسندی خود اہل مذہب کے ساتھ خاص نہیں در حقیقت جس طرح یہ انتہا پسندی خدا کو ماننے والے اہل مذہب (آسمانی مذہب) کے ہاں پائی جاتی ہے اسی طرح لا مذہبیت کے دعویدار اور

toobaa-elibrary.blogspot.com

سیکولرزم کے علمبردار بھی اس سے بری نہیں بلکہ بعض صورتوں میں تو وہ اہل مذہب سے زیادہ انتہا پسند نظر آتے ہیں۔

دیکھا جائے تو اس وقت صورتحال یہ ہے کہ اسلام خود انتہا پسندی کے نرغے میں ہے اور مسلمانوں کو مذہبی بنیادوں پر دنیا کے بہت سے ممالک میں بنیادی انسانی حقوق کے حصول میں دشواری اور مشکلات کا سامنا ہے اور انہیں مختلف حوالوں سے ہراساں کیا جارہا ہے۔ یہ صورت حال پوری دنیا میں ہے۔اسلام کی رو سے انتہا پسند وہ ہے جو اسلام کی طے کردہ اور تعلیم فرمودہ حدود سے تجاوز کرتا ہے۔نہ کہ وہ جو اس کی ہدایت اور تعلیمات پر دل و جان سے عمل پیرا ہوتا ہے۔اسلام کا انتہا پسندی، بنیاد پرستی، شدت پسندی یا اس طرح کی دیگر اصطلاحات سے کوئی تعلق نہیں۔اسلام ایک ہے اور وہ وہی ہے جو قرآن و سنت سے ثابت ہے اور اس میں نہ کوئی شخص کمی کر سکتا ہے نہ کسی کو اس میں اضافے کا حق حاصل ہے۔اگر اسلامی تعلیمات کے خلاف کسی شخص یا گروہ کا کوئی عمل پایا جائے تو اسے اسلام کی ہدایات کی روشنی میں پرکھا جائے گا نہ یہ کہ کسی شخص کے عمل پر اسلام کی بنیاد رکھی جائے۔ دہشت گردی کے حوالے سے اسلام کا موقف بالکل واضح ہے اور دنیا کے مختلف حصوں میں جاری مسلم تحریکوں پر دہشت گردی کی کوئی تعریف صادق نہیں آتی کیونکہ اسلام نے فطری تقاضوں کا ہر موقعے پر پورا پورا لحاظ رکھا ہے۔ یہ تمام تحریکیں ردِ عمل کی تحریکیں ہیں اور ردِ عمل کا قانون ہمیشہ عمل سے مختلف ہوتا ہے اور جس بات کی عام حالت میں اجازت نہیں ہوتی ردِ عمل کے موقع پر اسے گوارا کر لیا جاتا ہے۔ کیونکہ انسانی فطرت کا مطالعہ ہمیں بتاتا ہے کہ انسان کے جذبات دونوں مواقع پر یکساں نہیں ہوتے، اسی لئے قرآن حکیم میں فرمایا گیا:

لَا يُحِبُّ اللّٰهُ الْجَهْرَ بِالسُّوءِ مِنَ الْقَوْلِ إِلَّا مَن ظُلِمَ (۵۳)

اللہ کو پسند نہیں کہ کوئی شخص کسی کی بری بات کو ظاہر کرے ہاں مگر جس پر ظلم ہوا ہو۔

دنیا بھر میں جاری اسلامی تحریکات اور عسکری سرگرمیوں کو اسی قانون کی روشنی میں دیکھنا ہوگا ورنہ ہم حقائق تک کبھی رسائی حاصل نہیں کر سکیں گے۔ پیغمبر اسلام کی سیرت میں دفاع کا نمونہ ملتا ہے۔ پہل کرنے یا جبر کرنے کی روش بالکل بھی نہیں ملتی۔آپ نے تو دشمن سے مڈبھیڑ کی تمنا کرنے سے بھی منع کیا ہے:

toobaa-elibrary.blogspot.com

ایھاالناس: لا تتمنوا لقاء العدو وسلوا اللہ العافیۃ(۵۴)

اے لوگو! دشمن سے مڈ بھیڑ کی تمنا نہ کرو اور اللہ سے عافیت مانگو۔

اور اسی لئے دورانِ جہاد بوڑھوں، بچوں اور عورتوں کو قتل کرنے سے بھی منع کیا گیا ہے۔ پیغمبر اسلام نے فرمایا:

"اللہ کے نام اور اس کی امداد اور رسولِ خدا کی ملت میں رہتے ہوئے روانہ ہو جاؤ کسی بوڑھے شخص، چھوٹے بچے اور عورت کو قتل نہ کرو، مالِ غنیمت میں خیانت نہ کرو اور تمام مالِ غنیمت کو اکھٹا کرو، اصلاح کرو اور احسان کرو کیونکہ اللہ احسان کرنے والوں کو پسند فرماتا ہے۔"(۵۵)

اس وقت مذہبی انتہا پسندی کے دو بنیادی رجحان پوری دنیا میں نظر آرہے ہیں۔ ایک داخلی رجحان ہے جس میں ہر مذہب کے اپنے مختلف مسالک اور فرقوں کے مابین اختلافات شامل ہیں جبکہ دوسرا خارجی رجحان ہے جسے ہم انتہا پسندی بین المذاہب بھی کہہ سکتے ہیں۔ اسلام بیک وقت دونوں رجحانات کے خلاف ہے۔ شدت پسندی یا تکفیریت میں ہر فرقہ یہ تصور کر لیتا ہے کہ اسے اپنے عقائد یا عزائم دوسروں پر بزور اور بہ جبر مسلط کرنے کا حق ہے اور وہ اس عمل میں پوری طاقت صرف کر دیتا ہے اور اپنے مقاصد کے حصول کے لئے تشدد اور قتل و غارت گری سے بھی دریغ نہیں کرتا۔ وہ اس تعصب میں حق و انصاف کی بجائے اپنے مخصوص گروہ کے مفادات کو اولیت دیتا ہے اور ہر معاملے کو ایک خاص نظر سے دیکھتا ہے۔ یہ زہر آہستہ آہستہ اپنا اثر دکھاتا ہے اور بالآخر اس قدر تناور درخت کی شکل اختیار کر لیتا ہے کہ اس سے چھٹکارا پانا سخت مشکل ہو جاتا ہے۔ اسلام اس کی سنگینی کی وجہ سے اس تصور کی پوری قوت سے سرکوبی کرتا ہے اور اسے کسی صورت میں سر اٹھانے کا موقع دینا گوارا نہیں کرتا۔ قرآنی تعلیمات اور پیغمبر اسلام کی سیرت میں اس حوالے سے واضح موقف اپنایا گیا ہے۔ حضرت اسامہ کہتے ہیں کہ پیغمبر اسلام نے ہمیں الحرقات نامی ایک علاقے کی طرف حملہ کرنے کے لئے بھیجا۔ ہم نے صبح سویرے دشمن پر حملہ کیا اور انہیں شکست دی۔ اسی دوران میں نے ایک شخص کو قابو کر لیا تو اس نے فوراً لا الہ الا اللہ پڑھ لیا لیکن اس کے باوجود میں نے اسے قتل کر دیا۔ جب ہم جنگ کے بعد مدینہ واپس آئے اور آپ کو اس واقعہ کی اطلاع ملی تو آپ نے

toobaa-elibrary.blogspot.com

فرمایا کیا تو نے اسے لا الہ الا اللہ کہنے کے باوجود بھی قتل کر دیا؟ اسامہ کہتے ہیں کہ میں نے کہا کہ یا رسول اللہ وہ تو صرف اپنا بچاؤ کر رہا تھا، لیکن پیغمبر اسلام نے فرمایا: ''فھلا شققت عن قلبہ'' تم نے اس کا دل چیر کر کیوں نہیں دیکھ لیا تھا؟ آپ نے اپنی بات کو اتنی مرتبہ دہرایا کہ میں نے یہ آرزو کی کہ کاش آج کے دن سے پہلے میں مسلمان ہی نہ ہوا ہوتا۔(۵۶)

شدت پسندی اور تفرقہ بازی کے حوالے سے پیغمبر اسلام کی سیرت میں اس قدر حساسیت نظر آتی ہے کہ اسلام کو نقصان پہنچانے والے ہر سبب کو ختم کرنے کے لئے تلوار تک بے نیام کرنے کی اجازت ملتی ہے۔ جیسا کہ پیغمبر اسلام نے ارشاد فرمایا:

فمن اراد ان یفرق امر ھذہ الامۃ و ھی جمیع فاضربوہ بالسیف کائنا من کان(۵۷)

جو شخص اس جماعت کو جب تک کہ وہ متحدہ ہو پراگندہ کرنا چاہے تو اسے تلوار پر رکھ لو خواہ وہ کوئی بھی ہو۔

یہ بات ہمارے پیش نظر رہنی چاہیے کہ خوارج اپنے وقت کا طاقت ور ترین فرقہ تھا جو علانیہ طور پر اسلامی حکومت کے خلاف رائے رکھتا تھا اور بزور شمشیر اسے ختم کرنے کا عزم رکھتا تھا اور ان کے خیالات و عقائد بہت سی باتوں میں مسلمانوں کے یکسر خلاف تھے اس کے باوجود حضرت علی نے از خود ان پر تلوار اٹھانے سے انکار کیا۔

مذکورہ بالا بحث سے یہ واضح ہوتا ہے کہ آج دنیا کو ایک ایسے نظام اجتماع و تمدن کی ضرورت ہے کہ جس میں مندرجہ ذیل خصوصیتیں موجود ہوں:

- ایک عالمگیر تصورِ زندگی جو احترام آدمیت پر مبنی ہو اور مختلف شعبہ ہائے زندگی میں اعتدال قائم رکھ سکتا ہو۔
- اس کا نظام سیاست ہر انسان کو اس کے بنیادی حقوق عطا کرتا ہو۔
- اس کا نظامِ معیشت طبقات انسانی کی معاشی عدم مساوات اور اس کے نزاع و اختلاف کو مٹا سکتا ہو۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

- اس کا بین الاقوامی قانون ہمہ گیر اصول انسانیت اور جذبہ احترام انسانیت پر مبنی ہو۔
- اس کا نظام عدل شاہ و گدا، امیر و غریب، اعلیٰ و ادنیٰ سے یکساں سلوک کرتا ہو۔
- اس میں معاشرتی زندگی کے لئے ایسے قوانین موجود ہوں جن کی بنیاد اخوت و مساوات پر رکھی گئی ہو۔

ان تقاضوں کو پیش نظر رکھ کر انسانی تاریخ پر حقیقت پسندانہ نگاہ ڈالنی چاہیے کہ ماضی و حال کی تاریخ میں کوئی ایسی شخصیت ملتی ہے جس نے ایسے پاکیزہ اور مقدس نظام اجتماع کو عملاً نافذ کیا۔ جب ہم ماضی کی طرف نگاہ اٹھا کر دیکھتے ہیں تو بڑی بڑی مقدس اور اولوالعزم شخصیتوں پر ہماری نگاہ پڑتی ہے۔ ان میں سے بعض نے جابر حکمرانوں اور ظالموں کے خلاف مسلسل جہاد کیا۔ تقویٰ و طہارت، عفت پاکدامنی، حلم و بردباری، زہد و ریاضت، ترک علائق اور پاکیزہ اخلاق و سیرت کا سبق دیا۔

ایسے باہمت اور فاتح اور ذہین سیاست کار بھی ہیں جنہوں نے بڑی بڑی آبادیوں کو تہہ و بالا کیا اور بڑی بڑی سلطنتیں قائم کیں اور کچھ ایسے نکتہ بین اور بالغ النظر علماء و مفکرین ہیں جنہوں نے اپنی زندگی کا ایک ایک لمحہ مسائل زندگی کو حل کرنے اور سیاسی انقلاب بپا کرنے کے لئے فضا پیدا کی۔

پہلی قسم کی مقدس شخصیتوں میں سے حضرت عیسیٰ اور مہاتما بدھ جیسے بلند پایہ پیغمبر اور مصلح شامل ہیں۔ اسی طرح دوسرے گروہ یعنی (جن میں سکندر اعظم اور نپولین جیسے جلیل القدر حکمران، روسو، والیٹر، کارل مارکس اور اینجلز ایسے انقلابی مفکر) کی علمی و عملی جدوجہد کو اگر اپنے لئے مشعل راہ بنالیں تو اسے ہمیں کیا ملے گا؟ لادینی سیاست کا جبر و استعداد، انسانیت کش چنگیزیت، قیامت خیز معرکہ ہائے جنگ، خطرناک اور مہلک اسلحہ، زہریلی گیس، دھویں کے محیط بادل، انسانی لاشوں کے انبار، بستیوں کی عالمگیر تباہی و ویرانی، انسانی خون کا سیلاب، اخلاق و شرافت کی پامالی اور عالمگیر شورش و بدامنی، پھر دیکھنا یہ ہے کہ کیا ہمیں آج ان چیزوں کی ضرورت ہے یا ان چیزوں کے ہاتھوں زخموں سے چور کراہ رہے ہیں۔ جب یہ تمام ہستیاں ہماری حقیقی زندگی کے مطالبات کی تکمیل سے قاصر ہیں تو پھر انسانی تاریخ میں صرف ایک ہی مقدس ہستی ہے جس کی طرف نگاہیں اٹھتی ہیں اور جو کارِ حیثیت سے جامع الصفات ہے اور جس کی ذات میں بیک وقت تمام فضائل اخلاق علمی و عملی کمالات اور فقر و شاہی کے واردات بدرجہ اتم موجود

toobaa-elibrary.blogspot.com

ہیں۔ جو لوگ اعلیٰ اخلاق، بلند سیرت اور پاکیزہ کردار کا نمونہ دیکھنا چاہتے ہیں انہیں سیرت النبی کا مطالعہ کرنا چاہیے کہ مکارم اخلاق کے لئے پیغمبر اسلام کی زندگی سے زیادہ درخشندہ مثال ان کو پوری انسانی تاریخ میں نہیں ملے گی۔

ناخواندگی اور جہالت:

جہالت کا خاتمہ اور تعلیم کا فروغ عصر حاضر کی ایک اہم ضرورت ہے کیونکہ آج بھی دنیا کی اکثریت سائنسی و علمی میدان میں ترقی یافتہ اقوام کی نسبت بہت پیچھے ہے۔ اس وقت ضرورت اس امر کی ہے کہ سیرت طیبہ کی روشنی میں ہم ناخواندگی کو علم کی روشنی میں کیسے تبدیل کریں تاکہ علم سے نابلد اقوام بھی دیگر اقوام کی برابری کر سکیں۔ پہلی وحی کے الفاظ سے ہی علم کی اہمیت کا پتہ چلتا ہے۔ پھر سورہ قلم میں اللہ تعالیٰ نے قلم اور لکھنے کی قسم کھائی ہے۔ پیغمبر اسلام نے فروغِ تعلیم کے متعلق ارشاد فرمایا:

"خیرکم من تعلم القرآن و علمه"(۵۸)

تم میں بہتر وہ ہے جو قرآن سیکھے اور سکھائے۔

پھر آپ نے فرمایا:

"انما بعثت معلما"(۵۹)

بے شک مجھے معلم بنایا گیا ہے۔

پیغمبر اسلام نے حضرت خدیجہ کے گھر میں پھر دار ارقم اور شعب ابی طالب میں یہ سلسلہ قائم رکھا۔ مدینہ سے عقبہ ثانیہ کے بعد حضرت مصعب بن عمیر کو معلم بنا کر روانہ کیا تاکہ وہ قرآن مجید کی تعلیم دیں۔ (۶۰) مدینہ میں مسجد نبوی کے اندر صفہ کی درسگاہ تھی۔ اس طرح دیگر مساجد میں تعلیم و تعلم کا سلسلہ مسجد قبا میں بھی تھا جس کا ابن عبدالبر نے ذکر کیا ہے:

"حدثنی عشر من اصحاب رسول قالوا کنا نتدارس العلم فی مسجد قبا اذ خرج علینا رسول الله فقال: تعلموا ما شئتم ان تعلموا فلن یاجرکم الله حتی تعلموا"(۶۱)

toobaa-elibrary.blogspot.com

پیغمبر اسلام کے دسیوں صحابہ نے مجھ سے بیان کیا کہ ہم لوگ مسجد قبا میں علم دین سیکھتے، پڑھتے پڑھاتے تھے۔ اس حال میں کہ پیغمبر اسلام ہمارے پاس آئے اور فرمایا کہ جو چاہو تم لوگ پڑھو جب تک عمل نہیں کروگے اللہ اجر و ثواب نہیں دے گا۔

آپ ان کو قرآن، حدیث، فقہ اور دین کی تعلیم دیتے تھے۔ یہ مسجد نبوی کا وہ ستون تھا جس سے حضرت ابولبابہ نے غزوہ تبوک میں شرکت نہ کرنے کی وجہ سے اپنے آپ کو باندھ لیا تھا یہاں تک کہ اللہ نے ان کی توبہ قبول کرلی تھی۔ پیغمبر اسلام اس کے پاس اکثر نوافل پڑھا کرتے تھے اور یہیں صبح کی تعلیمی مجالس قائم کرتے تھے۔

حضرت ابو موسیٰ اشعری کا بیان ہے کہ پیغمبر اسلام نماز فجر ادا کرتے تو ہم لوگ آپ کے پاس بیٹھ جاتے اور ہم میں سے کوئی آپ سے قرآن کے بارے میں سوال کرتا کوئی فرائض کے بارے میں دریافت کرتا اور کوئی خواب کی تعبیر معلوم کرتا تھا۔ (۶۲)

عہد نبوی میں گھر گھر قرآن حکیم کی تعلیم کا رواج عام ہو گیا۔ گھریلو مکاتب جاری ہو گئے۔ صحابہ، ان کے بچے، ان کے پوتے اور بیویاں تک قرآن کی تعلیم سے استفادہ کرنے والوں میں سے ہو گئیں۔ پیغمبر اسلام نے تعلیم و تعلم کا اہتمام اگرچہ مکہ میں بھی کیا تھا لیکن مدینہ پہنچ کر تعلیمی و تبلیغی سرگرمیوں میں اضافہ کر دیا تھا۔ حضرت مصعب بن عمیر نے ایک مکان میں تدریس کا سلسلہ شروع کیا یہی سلسلہ پیغمبر اسلام کی تشریف آوری پر اصحاب صفہ کی اقامتی یونیورسٹی بن گیا۔ جس میں دور دور سے طالب علم آکر قیام کرتے اور علم حاصل کرتے رہتے تھے۔ مسلمانوں میں اس کے باوجود عربی لکھنے والوں کی تعداد بہت کم تھی۔ اس زمانہ میں عربی رسم الخط اپنی ابتدائی حالت میں تھا اسی وجہ سے اس کا سیکھنا بے حد مشکل تھا۔ جنگ بدر میں جب قریش کے ستر سرکردہ افراد گرفتار ہو کر آئے تو پتہ چلا کہ ان میں سے چند ایسے قیدی بھی ہیں جو لکھنا پڑھنا جانتے ہیں۔ پیغمبر اسلام نے موقع غنیمت جانتے ہوئے ان کے لئے شرط مقرر کی کہ اگر ان میں سے ہر قیدی مدینہ منورہ کے دس بچوں کو لکھنا پڑھنا سکھادے گا تو انہیں رہا کر دیا جائے گا اور یہ تعلیمی خدمت ہی ان کی رہائی کا سبب بن جائے گی۔ (۶۳) پیغمبر اسلام کے نظام تعلیم کی یہ خصوصیت

toobaa-elibrary.blogspot.com

ہے کہ اس پر کسی کی اجارہ داری نہیں ہے اور اس کا ایک خاص پہلو تعلیم کے ساتھ تربیت و تزکیہ ہے جو دیگر نظام تعلیم کے نظریات میں نہیں ہے۔

اخلاقی پستی:

کردار کی پستی اور اخلاقی گراوٹ آج کی دنیا کی ترقی میں بہت بڑی رکاوٹ ہے، اس کی وجہ سے بے شمار دوسرے معاشرتی، معاشی اور سیاسی مسائل پیدا ہوتے ہیں جو پوری انسانی زندگی کو الجھنوں کا گورکھ دھندا بنادیتے ہیں۔ اخلاق انسانیت کا زیور اور سماج کی زینت ہی نہیں بلکہ اس کی حیثیت جسد زندگی میں قلب کی ہے جس کے لئے کہا جاتا ہے کہ اگر وہ بگڑ جائے تو پورا جسم بگڑ جاتا ہے اور اگر وہ ٹھیک رہے تو پورا جسم ٹھیک رہتا ہے لیکن کتنی عجیب بات ہے کہ دنیا کے دساتیر حیات میں اخلاقی تعلیم و تربیت کا کوئی بات نہیں اور اگر اس نام کی کوئی چیز ہے تو اس کا مسمی کچھ اور ہے ان کا اخلاق اغراض و مصالح کے تابع ہوتا ہے۔ اخلاق کا ان کے ہاں کوئی تصور نہیں۔ اخلاق کو ایک مقصود بالذات کی حیثیت سے کسی دنیوی نظام نے اپنے اندر جگہ نہیں دی یہ صرف آسمانی مذہب جس کی تکمیلی شکل پیغمبر اسلام کے پیغام دین اسلام میں ہے، وہ ایک مستقل حیثیت سے موجود ہے۔ آپ نے اپنے ایک فرمان میں اخلاق عالیہ کو اپنی بعثت کا مقصد قرار دیا ہے۔ آپ نے فرمایا:

"بعثت لاتمم حسن الاخلاق" (۶۴)

میں اچھے اخلاق کی تکمیل کے لئے بھیجا گیا ہوں۔

آپ نے اخلاق و حسن سیرت کو ایمانی زندگی کا کمال قرار دیا اور فرمایا:

"اکمل الومنین ایماناً احسنھم خلقا" (۶۵)

مومنوں میں کامل ایمان والا وہ ہے جس کا اخلاق سب سے اچھا ہے۔

پیغمبر اسلام نے اخلاق کا سر اعبادات سے جوڑ کر اس کی قدر و قیمت بڑھادی تاکہ لوگ دین کی اس جانب کسی غفلت یا تساہل کا شکار نہ ہوں اور اخلاق پر بھی اتنی ہی توجہ دیں جتنی وہ دین کے دوسرے اُمور عبادات وغیرہ پر دیتے ہیں۔ آپ کا ارشاد ہے:

toobaa-elibrary.blogspot.com

”ما من شیئ یوضع فی المیزان اثقل من حسن الخلق، و ان صاحب حسن الخلق لیبلغ بہ درجۃ صاحب الصوم والصلاۃ“(٦٦)

میزان اعمال میں حسن اخلاق سے زیادہ بھاری کوئی چیز نہیں اور اچھے اخلاق والا آدمی حسن اخلاق سے ہمیشہ روزہ رکھنے والے اور ہمیشہ نماز پڑھنے والے کا درجہ حاصل کر لیتا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ عقائد اور عبادات کے بعد سیرت طیبہ کی تعلیمات کا تیسرا باب اخلاق ہے۔ اخلاق سے مراد لوگوں سے شائستگی سے پیش آنا ان سے اچھے طریقہ سے معاملات کرنا اور ان کے حقوق کو ادا کرنا ہے۔ انسان جب اس دنیا میں آتا ہے تو ہر چیز سے اس کا تھوڑا بہت تعلق ضرور ہو جاتا ہے۔ اس تعلق کی بنا پر جو ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں ان کو بحسن و خوبی انجام دینے کا نام اخلاق ہے۔

سیرت طیبہ میں صرف اعلیٰ اخلاق کی تعلیم نظر نہیں آتی بلکہ جیسا کہ قرآن گواہ ہے خود اس تعلیم کا عملی نمونہ بھی نظر آتا ہے۔ اخلاق سے گرے ہوئے اس معاشرے میں پیغمبر اسلام کے بلند اخلاق سے تاریخ بھری پڑی ہے۔ آپ کا بہتر اخلاق ہی تھا جس نے بالآخر مخالفین کو جھکنے پر مجبور کر دیا۔ آپ کی زندگی میں بارہا ایسے مواقع آئے جب آپ کے مخالفین نے آپ کے اخلاقی رعب کے سامنے ہتھیار ڈال دیئے اور آہستہ آہستہ پورے معاشرے پر آپ کے اعلیٰ اخلاق کا رنگ غالب آگیا جس کی نظیر دنیا آج تک پیش کرنے سے قاصر ہے۔ آج پھر سے معاشرے کو مثالی بنانے کے لئے اخلاقی پستی سے نکال کر اس رنگ میں رنگنے کی ضرورت ہے اور اس کے لئے سیرت طیبہ پر عمل پیرا ہونا شرطِ اول ہے۔

خود غرضی:

آج کی دنیا کی ایک خرابی خود غرضی بھی ہے۔ ہر ملک اور قوم سب کچھ اپنی ذات کے لئے کر رہی ہے جو دراصل مادیت کی دوڑ میں شریک ہونے کا نتیجہ ہے۔ ہر ملک اور قوم کو اپنے سوا کچھ دکھائی ہی نہیں دیتا۔ مثالی معاشرے کے افراد تو اپنے آپ کو ایک دوسرے سے مربوط تصور کرتے ہیں اور ایک دوسرے کی خوشی اور غمی میں شریک ہوتے ہیں۔ پیغمبر اسلام نے اپنی زندگی میں جو معاشرہ تشکیل دیا تھا اس کے اندر یہ صفت بدرجہ اتم موجود تھی جسے آپ نے اپنے الفاظ میں بھی یوں بیان کیا ہے:

toobaa-elibrary.blogspot.com

''لا یومن احد کم حتی یحب لاخیہ ما یحب لنفسہ''(٦٧)

تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مسلمان نہیں ہو سکتا جب تک اپنے بھائی کے لئے وہی چیز پسند نہ کرے جسے وہ خود اپنے لئے پسند کرتا ہے۔

اس قول کو بغور دیکھا جائے تو آج کی دنیا کی عملی تصویر کی حقیقت عیاں ہو جائے گی۔ اگر کسی انسان میں خود غرضی آجاتی ہے تو وہ اس کے ایمان کی نفی کرتی ہے اور انسان کو اپنے اخلاق، اقدار اور تعلیمات ہر وقت ہر چیز سے زیادہ عزیز ہونی چاہیے۔

پیغمبر اسلام نے اپنے پیروکاروں کو دوسروں کی مدد کرنے کی تلقین پر ہی اکتفا نہیں کیا بلکہ خود کو اس میدان میں سب سے آگے رکھا جس سے آپ کے اس مثالی معاشرے میں جس سے آپ نے مدنی زندگی میں تشکیل دیا تھا، خود غرضی کا بالکل خاتمہ ہو گیا۔ ایک سیرت نگار کے بقول:

''خود آپ کا عمل یہ رہا کہ جو کچھ آیا خدا کی راہ میں خرچ ہو گیا۔ غزوات اور فتوحات کی وجہ سے مال و اسباب کی کمی نہ تھی مگر وہ سب غیروں کے لئے تھا اپنے لئے کچھ نہ تھا۔ فتح خیبر کے بعد یہ معمول تھا کہ سال بھر کے خرچ کے لئے تمام ازدواج مطہرات کو غلہ تقسیم کر دیا جاتا تھا مگر سال تمام بھی نہیں ہونے پاتا تھا کہ غلہ تمام ہو جاتا تھا اور فاقہ شروع ہو جاتا تھا کیونکہ غلہ کا بڑا حصہ اہل حاجت کی نذر کر دیا جاتا تھا۔ آپ تمام لوگوں سے زیادہ سخی تھے۔ تمام عمر کسی سائل کے سوال کے جواب میں ''نہیں'' کا لفظ استعمال نہیں کیا۔ کبھی کوئی چیز تنہا نہ کھاتے تھے۔ کتنی ہی تھوڑی چیز کیوں نہ ہوتی آپ سب حاضرین کو اس میں شریک کر لیتے تھے۔(٦٨)

اگر آج بھی پیغمبر اسلام کی سیرت کی اس وصف کی پیروی کر لی جائے تو مثالی معاشرہ خود بخود وجود میں آجائے گا۔

عدل و انصاف کا فقدان:

عدل و انصاف کا فقدان بھی آج کی دنیا کا سب سے اہم مسئلہ ہے۔ عدل کے قائم کئے بغیر کبھی کوئی معاشرہ مثالی نہیں بن سکتا۔ اس لئے مصلحین نے ہمیشہ عدل کو قائم کیا۔ جب بھی معاشرے سے عدل غائب ہوا تو اس میں ابتری پھیل گئی۔ آج دنیا میں پھیلی ہوئی ابتری کا ایک سبب یہ بھی ہے۔ یہ صرف عدل و

toobaa-elibrary.blogspot.com

انصاف سے قیام سے ہی ختم ہو سکتا ہے۔ پیغمبر اسلام کی بعثت کے وقت بھی عالم انسانیت ظلم و جور، قتل و غارت اور وحشت و بربریت کا شکار تھا۔ آپ نے عدل و انصاف قائم کر کے معاشرے کو تمام برائیوں سے پاک کر دیا۔ وحی ربانی کے ذریعہ آپ نے اعلان فرمایا:

''يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا قَوَّامِينَ بِالْقِسْطِ شُهَدَاءَ لِلَّهِ وَلَوْ عَلَى أَنفُسِكُمْ أَوِ الْوَالِدَيْنِ وَالْأَقْرَبِينَ إِن يَكُنْ غَنِيًّا أَوْ فَقِيرًا فَاللَّهُ أَوْلَى بِهِمَا فَلَا تَتَّبِعُوا الْهَوَى أَن تَعْدِلُوا وَإِن تَلْوُوا أَوْ تُعْرِضُوا فَإِنَّ اللَّهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرًا''(٦٩)

اے لوگو! جو ایمان لائے ہو انصاف کے علمبردار اور خدا کے واسطے گواہ بنو اگرچہ تمہارے انصاف کی زد خود تمہاری ذات پر یا تمہارے والدین اور رشتہ داروں پر ہی کیوں نہ پڑتی ہو۔ فریق معاملہ خواہ مالدار ہو یا غریب اللہ تمام سے زیادہ ان کا خیر خواہ ہے لہٰذا اپنی خواہش نفس کی پیروی میں عدل سے باز نہ رہو اور اگر تم سے لگی لپٹی بات کہی یا سچائی سے پہلو بچایا تو جان رکھو جو کچھ تم کرتے ہو اللہ کو اس کی خبر ہے۔

پیغمبر اسلام کی پوری زندگی عدل و انصاف کی آئینہ دار تھی۔ زندگی کے ہر شعبہ میں آپ عدل و انصاف پر عمل پیرا تھے۔ سیرت رسول میں ہمیں بکثرت اس کی مثالیں ملتی ہیں۔ آپ قانونِ الٰہی کے نفاذ میں بہت سختی فرماتے تھے اور اسے نافذ کئے بغیر چین سے نہ بیٹھتے تھے۔ ایک دفعہ ایک عورت نے جو خاندانِ بنی مخزوم سے تھی چوری کی۔ عزت کے لحاظ سے لوگ چاہتے تھے کہ سزا سے بچ جائے اور معاملہ دب جائے۔ حضرت اُسامہ پیغمبر اسلام کے محبوبِ خاص تھے، لوگوں نے ان سے کہا کہ آپ سفارش کریں۔ انہوں نے آپ سے معافی کی درخواست کی تو آپ نے غضب آلودہ ہو کر فرمایا کہ بنی اسرائیل اسی کی بدولت تباہ ہوئے کہ وہ غرباء پر حد جاری کرتے تھے اور امراء سے درگزر کرتے تھے۔ آپ نے فرمایا:

''تعارضوا الحدود بينك فما بلغني من حد فقد وجب''(٧٠)

toobaa-elibrary.blogspot.com

آپس میں ایسے گناہوں کو معاف کر دیا کرو جن سے حد لازم آتی ہے لیکن مجھ تک جو واقعہ پہنچے گا تو اس کی سزا ضرور دی جائے گی۔

آج بھی دنیا کو مثالی بنانے کے لئے اس عدل و انصاف کو واپس لانے کی ضرورت ہے اور اس کے لئے سیرت نبوی پر عمل کے بغیر چارہ نہیں۔

عدم تحفظ:

مثالی دنیا کی راہ میں رکاوٹ اس کے افراد کے اندر پایا جانے والا عدم تحفظ کا احساس بھی ہے۔آج دنیا میں کوئی بھی شخص محفوظ نہیں ہے۔اس کو قتل کیا جاسکتا ہے، لوٹا جاسکتا ہے، اس کی بے عزتی کی جاسکتی ہے، وہ کسی بھی تخریب کاری کا نشانہ بن سکتا ہے۔غرض یہ کہ کسی بھی وقت کچھ بھی ہو سکتا ہے۔یہ حالت اس وقت کسی ایک ملک کی نہیں ہے دنیا کے اکثر ممالک اس دلدل میں پھنسے ہوئے ہیں۔آج دنیا کو ایک پر امن معاشرے کی ضرورت ہے جس میں ہر فرد کو اس کا حق ملے اور اس کی زندگی کو کوئی خطرہ نہ ہو بلکہ وہ اپنے آپ کو محفوظ پائے۔امن و سلامتی کی اسی فضا کو پیغمبر اسلام نے مدینہ منورہ میں لوگوں کو مہیا کیا تھا۔مدینہ کا ہر شخص اپنے آپ کو مدنی معاشرے میں محفوظ سمجھتا تھا۔کسی کو بھی نہ تو اپنے بارے میں کوئی فکر تھی اور نہ اپنے اہل و عیال اور عزیز و اقارب کے بارے میں۔عبداللہ بن سلام کہتے ہیں کہ پیغمبر اسلام کی مدینہ تشریف آوری پر میں نے آپ کی پہلی تقریر میں یہ الفاظ سنے:

"افشوا السلام"(۷۱)

پیغام امن و سلامتی کو عام کرو۔

صلح حدیبیہ اس امر کا واضح ثبوت ہے کہ پیغمبر اسلام کی جنگ کا مقصد محض فتنہ کو ختم کرنا اور آزادی کے عقیدہ کو منوانا تھا۔اس موقع پر آپ کے ساتھی ظاہری فتح و غلبہ کے متوقع تھے لیکن اللہ تعالیٰ نے اس پر امن معاہدہ کو فتح مبین قرار دیا اس لئے کہ اس معاہدے کی ایک شق کے ذریعہ فتنہ کا سد باب کر کے فریقین نے ایک دوسرے کی آزادی کے عقیدہ کو تسلیم کر لیا تھا۔میثاقِ مدینہ آپ کی امن پسندی اور آزادی دین اور عقیدہ کی واضح مثال ہے۔اس میں آپ نے یہودیوں کو اپنے دین پر قائم رہتے ہوئے بعض شرائط کا پابند کیا تاکہ مدینہ کا داخلی امن محفوظ ہو جائے اور اس کے رہنے والوں میں سے کوئی بھی عدم

toobaa-elibrary.blogspot.com

تحفظ کے احساس کا شکار نہ ہو اور سب امن و آشتی کے ماحول میں آزادی سے رہ سکیں۔آپ نے کبھی بھی کسی طالب امن کو امن سے محروم نہ کیا۔ مختصر یہ کہ پیغمبر اسلام نے تمام جہاں کے انسانوں کو محفوظ اور پر امن معاشرہ قائم کرنے کی دعوت دی اور خود اس کا عملی نمونہ پیش کیا کیونکہ محفوظ اور پر امن انسانی معاشرہ ہی ترقی کے لئے سب سے اہم چیز ہے۔

آج دنیا میں امن و سلامتی اور عدم تحفظ کی دوری کے لئے سیرت طیبہ کو اپنانا ہو گا۔آپ نے اپنی سیرت کے عملی و قولی نظارے پیش کئے اور انسانوں کو بتلا دیا کہ دنیا میں امن و سلامتی اور تحفظ کے لئے ایک بہترین معاشرے کا وجود ضروری ہے اس سلسلے میں تعلیمات و اخلاقیات کا ایک بھرپور ذخیرہ انسانوں کو فراہم کیا۔ ہم نے شروعاتی گفتگو میں وقتاً فوقتاً اس جانب اشارہ کیا ہے اور پیغمبر اسلام کی سیرت کی کئی پہلوؤں کو بھی اس ضمن میں آشکار کیا ہے۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

حوالہ جات

(۱) Margoliouth, David Samuel, Mohammed and the Rise of Islam, Ruthman sons, New York, 2010, pg: 23

(۲) الطبرانی، سلیمان بن احمد بن ایوب، المعجم الاوسط، ج۵، رقم الحدیث: ۴۷۴۹، دار الحرمین، القاھرہ، ۲۰۱۰ء، ص: ۸۶

⬅ ہیثمی، مجمع الزوائد، باب لا فضل لأحد علی احد إلا بالتقوی، ج۸، ص: ۸۴

(۳) سورہ سبا، آیت: ۲۸

(۴) سورہ اعراف، آیت: ۱۵۸

(۵) مسلم، الجامع الصحیح، حدیث ۱۱۶۳، کتاب المساجد، باب المساجد، دار السلام، ریاض، ۱۹۹۸ء، ص: ۲۲

(۶) خطیب تبریزی، مشکاۃ المصابیح، ج۳، باب: فضل الفقراء، حدیث ۵۲۴۶، المکتبۃ التجاریہ، دار الفکر، بیروت، ۱۹۹۱ء، ص: ۱۲۰

(۷) سورہ حشر، آیت: ۷

(۸) سورہ نجم، آیت: ۳، ۴

(۹) ابن ہشام، عبد الملک، السیرۃ النبویۃ، ج۳، دار الجیل، بیروت، ۱۹۹۸ء، ص: ۲۰

(۱۰) ابن ماجہ، السنن، کتاب التجارۃ، باب: ما جاء فی کراھیۃ الایمان فی الشرائط، حدیث: ۲۲۴۸، مکبتہ المعارف، الریاض، ۱۹۹۸ء، ص: ۴۷۳

(۱۱) ابن ماجہ، السنن، حدیث: ۱۹۷۷، دار السلام، الریاض، ۱۹۹۹ء، ص: ۲۸۳

(۱۲) احمد بن حنبل، المسند، ج۲، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت، الطبعۃ الاولی، ۱۴۱۶ھ، بمطابق ۱۹۹۶ء ص: ۳۶۵

(۱۳) سورہ احزاب، آیت: ۲۱

(۱۴) سورہ روم، آیت: ۴۱

(۱۵) سورہ انفال، آیت: ۶۱

(۱۶) اسماعیل بن عمر بن کثیر، البدایۃ والنھایۃ، ج۳، دار عالم الکتب، بیروت، ۱۴۲۴ھ بمطابق ۲۰۰۳ء، ص: ۴۵۷

(۱۷) ابن ماجہ، السنن، باب حرمۃ دم المومنین، ج۲، دینی کتب خانہ، لاہور، س ن، ص: ۲۶۸

toobaa-elibrary.blogspot.com

← لابی محمد عبدالملک بن ہشام، سیرۃ النبی، ج۴، دارالصحابہ للتراث، بطنطا، ۱۴۱۶ھ بمطابق ۱۹۹۵ء، ص: ۲۹۷

(۱۸) ابن طاؤس، رضی الدین ابی القاسم علی بن موسیٰ، **كشف المحجة لثمرة المهجة**، مرکز النشر التابع لمکتب الاعلام الاسلامی، بیروت، ۱۴۱۷ھ، ص: ۳۹

(۱۹) ابی عبداللہ محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، کتاب المغازی، رقم الحدیث: ۴۳۰۴، البطعۃ اولیٰ، دارُ طوق النجاۃ، بیروت، ۱۴۲۲ھ

(۲۰) خلیفہ عبدالحکیم، اسلام کا نظریہ حیات، ادارہ ثقافتِ اسلامیہ، لاہور، ۱۹۸۳ء، ص: ۲۹۵

(۲۱) بخاری، کتاب المناقب، باب: علامات النبوۃ فی الاسلام، رقم الحدیث: ۳۶۱۲

(۲۲) ڈاکٹر منظور احمد، مستقبل میں اسلام کی تفہیم اور اکیسویں صدی میں ہمارا کردار، ص: ۹۱۱

(۲۳) خلیفہ عبدالحکیم، اسلام کا نظریہ حیات، محولہ بالا، ص: ۲۰۲تا۲۰۵

(۲۴) ڈاکٹر حمید اللہ، خطبات بہاولپور، ادارہ تحقیقاتِ اسلامی، اسلام آباد، ۲۰۰۷ء، ص: ۴۰

(۲۵) محمد ابن اسحاق بن یسار، السیرۃ النبویۃ لابن اسحاق، ج۲، الطبعۃ الاولیٰ، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ۱۴۲۴ھ بمطابق ۲۰۰۴ء، ص: ۲۱۷

(۲۶) السمھودی، علی بن عبداللہ بن أحمد الحسنی الشافعی، وفاء الوفاء بأخبار دار المصطفیٰ، ج۱، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ۱۴۱۹ھ بمطابق ۲۰۱۰ء، ص: ۵۳۹،

(۲۷) ڈاکٹر منظور احمد، مستقبل میں اسلام کی تفہیم اور اکیسویں صدی میں ہمارا کردار، ص: ۱۲۸

(۲۸) الھیثمی، أبوالحسن نور الدین علی بن أبی بکر، مجمع الزوائد و منبع الفوائد، ج۸، مکتبۃ القدسی، القاھرۃ، ۱۴۱۴ھ، بمطابق ۱۹۹۴ء، ص: ۱۹۱

(۲۹) سنن ابی داؤد، ج۲، دارالرسالۃ العالمیۃ، بیروت، ۱۴۳۰ھ، بمطابق ۲۰۰۹ء، ص: ۶۲۰

(۳۰) محمد بن عمر بن واقد، کتاب المغازی للواقدی، ج۳، الطبعۃ الثالثۃ، عالم الکتب، بیروت، ۱۴۰۴ھ بمطابق ۱۹۸۴ء، ص: ۱۱۰۳

(۳۱) حافظ ابن حجر، تقریب التہذیب، ج۱، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت، ۱۴۱۷ھ بمطابق ۱۹۹۷ء، ص: ۱۰۱

(۳۲) حافظ ابن عبدالبر، صحیح جامع بیان العلم وفضلہ، مکتبۃ ابن تیمیہ، القاھرہ، س ن، ص: ۲۷

(۳۳) الکلینی، الشیخ محمد بن یعقوب أصول الکافی، ج۲، الطبعۃ اولیٰ، منشورات الفجر، بیروت، ۱۴۲۸ھ، ۲۰۰۷ء، ص: ۳۰۷

toobaa-elibrary.blogspot.com

(۳۴) خطیب تبریزی، مشکوۃ المصابیح،ج۲، (مترجم:مولانا محمد صادق خلیل)مکتبہ محمدیہ، ساہیوال،۲۰۰۵ء، ص:۱۶۳

(۳۵) سورہ قلم،آیت:۵۲

(۳۶) سورہ آل عمران،آیت:۱۶۴

(۳۷) سورہ حدید،آیت:۲۵

(۳۸) خلیفہ عبدالحکیم،اسلام کا نظریہ حیات، محولہ بالا ص:۲۹۶

(۳۹) صحیح بخاری، کتاب الإیمان، باب: فضل من استبرأ لدینہ، رقم الحدیث:۵۲، محولہ بالا

(۴۰) سورہ حدید،آیت:۲۳

(۴۱) سورہ ملک،آیت:۲

(۴۲) سورہ بقرہ،آیت:۱۶۸

(۴۳) سورہ آل عمران،آیت:۱۳۰

(۴۴) بخاری،الجامع البخاری، کتاب الزکاۃ، حدیث ۱۳۹۵، ص:۲۲۴۔۲۲۵

(۴۵) ڈاکٹر عبدالحئ،اُسوہ رسول،بیت السلام، کراچی، س ن، ص:۶۹

(۴۶) نعیم صدیقی، عورت معرضِ کشمکش میں،ادارہ معارف اسلامی منصورہ،لاہور، ص:۱۲۰۔۱۲۱

(۴۷) سورہ مجادلہ،آیت:۱

(۴۸) پروفیسر عاصمہ فرحت، سیرت نبوی میں عورت کا کردار،اسلامک پبلی کیشنز،لاہور،۱۹۹۶ء، ص:۱۰۵۔۱۰۶

(۴۹) صحیح بخاری،ج۳،ص:۶۵، محولہ بالا

(۵۰) صحیح مسلم،ج۵،ص:۱۴۸، محولہ بالا

(۵۱) غلام اکبر ملک، عورت کا مقدمہ اسلام کی عدالت میں،اسلامی کتب خانہ،لاہور،۱۹۹۱ء، ص۱۱

(۵۲) سورہ نساء،آیت:۳۴

(۵۳) سورہ نساء،آیت:۱۴۸

(۵۴) مسلم بن حجاج ابوالحسین،الصحیح،ج۱،رقم ۴۲،دارالکتب العلمیۃ،بیروت،۱۹۹۸ء، ص:۱۶۱

(۵۵) ابوداؤد،السنن،ج۲،رقم:۲۶۱۴،ص:۳۸۳، محولہ بالا

(۵۶) ابن ابی شیبہ،المصنف،ج۶،رقم:۳۳۰۹۹،مکتبۃ الرشد،ریاض،۱۴۰۹ھ،ص:۴۸۰

(۵۷) مسلم، صحیح مسلم،ج۳،رقم:۱۸۵۲،ص:۲۳

toobaa-elibrary.blogspot.com

(۵۸) البخاری، الجامع الصحیح، حدیث: ۵۰۲۷، دار السلام، الریاض، ۱۹۹۹ء، ص: ۹۰

(۵۹) ابن ماجہ، السنن، حدیث: ۲۲۹، ص: ۳۵، محولہ بالا

(۶۰) ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ، ج ۲، ص: ۲۸۱

(۶۱) ابن عبد البر، جامع البیان العلم وفضلہ، ج ۲، ص: ۶

(۶۲) محمد بن محمد الفاسی، مجمع الفوائد، ج ۱، المکتبۃ الاسلامیہ سمندری، فیصل آباد، ص: ۴۸

(۶۳) ابن کثیر، سیرت النبی، ج ۱، مکتبہ قدوسیہ، لاہور، ۱۹۹۶ء، ص: ۶۲۱

(۶۴) مالک بن انس، الموطا، کتاب: حسن الخلق، باب: ماجاء فی حسن الخلق، ج ۲، ص: ۹۰۴

(۶۵) مسند امام بن حنبل، ج ۲، ص: ۵۰

(۶۶) سنن ابی داؤد، کتاب الادب، باب: ماجاء فی حسن الخلق، ج ۴، ص: ۴۳۶

(۶۷) سنن ابن ماجہ، کتاب الزھد، باب: المداومۃ علی العمل، ج ۲، ص: ۱۴۱۷

(۶۸) ندوی، سید سلیمان، خطباتِ مدارس، محمد سعید اینڈ سنز، س ن، ص: ۱۰۹، ۱۱۰

(۶۹) سورہ نساء، آیت: ۱۳۵

(۷۰) سنن ابی داؤد، کتاب الحدود، باب العفو من الحدود مالم تبلغ السطان، ج ۴، ص ۳۳۳

(۷۱) سنن ابن ماجہ، کتاب الاداب، باب: افشاء السلام، ج ۲، ص: ۱۲۱۸

toobaa-elibrary.blogspot.com

نتائج وسفارشات

مقالہ ہذا کے اختتام پر ضروری ہے کہ اس تحقیق کے نتائج سے آگاہ کیا جائے۔ بنیادی طور پر یہ تحقیق دو عالمی منشور کے باہمی تقابل سے متعلق ہے:

اول: خطبہ حجۃ الوداع میں بیان کی گئی انسانی حقوق کی شقیں

دوم: اقوام متحدہ کے منشور میں بیان کردہ انسانی حقوق کی شقیں

اگرچہ دونوں منشور میں عالمِ انسانیت کو فلاح و بہبود کی طرف راغب کرنے کی بات کی گئی ہے لیکن بطور محقق جب ہم نے بغور جائزہ لیا تو انسانی حقوق کے عالمی منشور میں جابجا خامیاں، کوتاہیاں اور جانب داری نظر آئی۔ مثال کے لئے یہی بات کافی ہے کہ عالمِ انسانیت کے حقوق کی توثیق و تنسیخ کا حق صرف پانچ ممالک کی جھولی میں ڈالا گیا ہے۔ یہ انسانیت کی برابری سے بڑھ کر کچھ اور اقدام کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ ایک طرح سے انسانوں میں انسانیت کے حقوق کی دعویدار قوتوں کی چوہدراہٹ قائم کی گئی ہے۔ اس کے برعکس خطبہ حج الوداع میں تمام انسانوں کو ایک ہی باپ (آدم) سے قرار دیتے ہوئے برابری کی بنیاد فراہم کی گئی ہے۔

خطبہ حجۃ الوداع میں دیئے گئے حقوق، ضمانتیں اور آزادیاں کسی مرد، ادارہ، کسی اجتماع، گروہ یا حکومت و سلطنت کی منظوری تائید و تجویز سے مشروط نہ تھیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی حاکمیت کے تحت حاصل کردہ اختیارات سے کام لیتے ہوئے پیغمبر اسلام جس منشورِ انسانیت کا اجراء فرما رہے تھے وہ اسی لمحے نافذ العمل ہو گیا اور قیامت تک کے لئے ساری انسانیت کے لئے واجب العمل قرار پایا۔ یہ خطبہ اللہ کے آخری رسول کا انسانیت کے نام آخری پیغام اور آخری وصایا کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس خطبہ میں ان عظیم اصولوں کا اعلان کیا گیا ہے جو عالمِ انسانیت کی ہمیشہ رہنمائی کرتے رہیں گے۔

ہماری تحقیق کی پوری بحث اس بات کا نتیجہ قرار پائی کہ جہاں کہیں بھی انسانیت کی بات کی جاتی ہے وہاں اذہان فوری طور پر خطبہ حجۃ الوداع کی طرف منتقل ہو جاتے ہیں۔ اس میں غلام کی بھی بات کی گئی ہے، کمزوروں کا دفاع بھی کیا گیا ہے، خواتین کے حقوق بھی متعین کر دیئے گئے ہیں، سب سے بڑھ کر انسانیت کو جینے کا سلیقہ سکھایا گیا ہے۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

تمام انبیاء ورسل کی دعوت کا محور و مرکز توحید رہا ہے اور سب کے سب بلا استثناء انسانوں کو ایک اللہ کی طرف بلاتے رہے۔ پیغمبر اسلام کی دعوت و تبلیغ کا بھی اصل اصول توحید تھا۔ دین کا مدار دعوت نبوی کا خلاصہ، مساعی رسالت کا منتہائے مقصد توحید الٰہی تھا اور اسلامی نظامِ حیات کی بنیاد تمام تر توحید پر ہی قائم ہوئی۔ چونکہ اس عقیدہ کا لازمی تقاضا اور مدعا یہ ہے کہ آدمی آدمی کے آگے سرنگوں نہ ہو، انسان پر انسان کی حاکمیت اعلیٰ قائم نہ ہو، بندہ بندے کا غلام نہ بنے بلکہ صرف اللہ رب العالمین کے لئے ہی اس کی اطاعت و بندگی وقف ہو۔ اس کے فکر و عمل کا ہر گوشہ اسی عقیدے سے مستفاد ہو، کارزار حیات میں بس حکمِ الٰہی کا سکہ رواں ہو۔ مختصر یہ کہ انسان اپنے ظاہر و باطن میں اللہ ہی کے مقرر کئے ہوئے راستے پر گامزن رہے کہ یہی راستہ امن کا، نجات کا واحد راستہ ہے اور اسی طرح وہ دین و دنیا کے خسران و نقصان سے بچ سکتا ہے اور اسی کے سبب انسان ہر ظلم و جہل سے، مطلق العنانیت سے، فرعونیت سے اور وحشت سے محفوظ رہ سکتا ہے۔ پیغمبر اسلام نے بھی ماسبق انبیاء کی طرح سب سے پہلے انسانیت کا سوچا اور انسانیت کے حقوق کی بات کی۔ ہماری اس تحقیق کے نتائج میں دو عالمی منشور کا باہمی تقابل کارفرما ہے اور وہ نتائج مندرجہ ذیل ہیں:

(1) خطبہ حجۃ الوداع میں عالمِ انسانیت کے لئے فلاح کی راہ بتلائی گئی ہے۔ توحید خالص جیسے بنیادی عقائد کی نشاندہی کر کے اس بات کی وضاحت کی گئی ہے کہ انسانیت کی فلاح صرف ذات واحد پر ایمان رکھنے سے ہے۔ توحید خالص کے سبق کو انسانیت ایک عرصے سے بھولی ہوئی تھی۔ پیغمبر اسلام نے توحیدِ الٰہی اور حاکمیت خداوندی کے سبق کو پھر سے یاد کرایا، اور ضروری سمجھا کہ عروجِ آدمیت کے لئے اور فلاحِ انسانیت کی خاطر اساسیاتِ دین کی پیروی لازم ہے۔ جبکہ اس کے مقابل میں عالمی انسانی حقوق کے منشور میں اس طرح کے کسی بھی پہلو کا ذکر نہیں کیا گیا ہے۔ چونکہ یہ منشور عام انسانوں کا وضع کردہ ہے لہٰذا اس میں اغلاط کے ساتھ ساتھ کمی بیشی کا قوی امکان ہے۔

(2) خطبہ حجۃ الوداع میں اجتماعی زندگی کی انسانی بنیادیں فراہم کی گئی ہیں۔ پیغمبر اسلام نے خاندانوں میں تمدن و معاشرت کو تباہ ہونے سے بچایا اور ارکانِ خاندان، ارکانِ معاشرہ کے

toobaa-elibrary.blogspot.com

حقوق و فرائض کا تعین کر کے ایسا میزان عطا کر دیا کہ اگر ان کی دیانت داری کے ساتھ تعمیل کی جائے تو نہ صرف ایک گھر اور اس کا ماحول بلکہ پورا معاشرہ عدل و توازن سے ہم آہنگ ہو سکتا ہے۔ اس بات کا اندازہ آپ کے اسوہ حسنہ کے علاوہ ان ارشادات سے بخوبی ہو سکتا ہے جو خطبہ حجۃ الوداع کے روشن الفاظ سے ظاہر ہے۔ اس کے مقابل میں عالمی منشور کی شقوں میں نہ معاشرہ کی وضاحت ہے اور نہ ہی معاشرہ سے متعلق حقوق کا تعین ہے۔ چند سطحی مسائل کو عنوان قرار دے کر انسانیت کی تشریح کی گئی ہے۔

(3) خطبہ حجۃ الوداع میں تکمیلِ دین کو انسانیت کے لئے قرار دیا گیا۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ جاہلیت کے تمام بتوں کی نفی کی گئی۔ جیسا کہ پیغمبر اسلام نے فرمایا: جاہلیت کی ہر چیز میرے پاؤں تلے روندی جا چکی ہے اور جان لو کہ زمانہ جاہلیت کے سارے خون، مال و اموال اور آثار و علامات قیامت تک کے لئے کالعدم ہیں۔ پیغمبر اسلام نے جس دینِ فطرت کی نشاندہی کی اُس میں سادہ اُصول، فرائض و واجبات ہیں۔ اس میں نہ حد سے زیادہ مبالغہ ہے نہ حد سے زیادہ کمی ہے، نہ خود ساختہ وظائف و اعمال نہ غیر ضروری مشقت نہ خلاف فطرت ضابطے اور قاعدے، البتہ چند بنیادی ارکان کی ادائیگی اور کچھ متعین احکام کی بجاآوری اور دین و دنیا کی مجموعی اسکیم سے ہم آہنگ طرزِ عمل کی نمائندگی سے دین کا تعارف مکمل ہو جاتا ہے۔ اس کے مقابلے میں عالمی منشور میں جامعیت نہیں اس میں دین اور جاہلیت کے بنیادی فرق کو واضح نہیں کیا گیا۔ ہر کس و ناکس کو اس منشور میں شامل کرنا ہی دراصل اس منشور کی سب سے بڑی کمزوری ہے۔

(4) خطبہ حجۃ الوداع میں اساسیات دینِ اسلامی کی مکمل نشاندہی اور شناسائی فراہم کی گئی ہے۔ اس خطبہ عظیم میں پورے دین کی اساسیات اور اس کی مذہبی، معاشرتی، معاشی، اخلاقی و اعتقادی بنیادیں بیک نظر سامنے آجاتی ہیں۔ مثال کے طور پر مذہبی و اعتقادی اُمور بیان کئے گئے، انسانی و معاشرتی اُسلوب بیان ہوئے، انسانی، سماجی، اجتماعی اداروں کے تحفظ کا احساس دلایا گیا، معاشی ضروریات اور ہنر مندی کی نشاندہی کی گئی، قانونی و تشریعی وضاحتیں کی گئیں،

toobaa-elibrary.blogspot.com

تبلیغی و تحریکی اُمور وضع ہوئے۔ مجموعی طور پر خطبہ حجۃ الوداع میں انسانی زندگی کی جامعیت بیان ہوئی۔ اس کے مقابل میں عالمی حقوق انسانی کا منشور بہت محدود ہے، زندگی کے چند اساسی اُمور کی نشاندہی کے بعد حقوقِ انسانی کا چرچا کیا گیا ہے۔ اس منشور میں یہ وضاحت نہیں ملتی ہے کہ انسانی معاشرے کی ضرورتیں کیسے پوری کی جائیں۔

(5) خطبہ حجۃ الوداع میں عدلِ اجتماعی کے محرکات کی نشاندہی کی گئی ہے۔ جیسا کہ پیغمبر اسلام نے فرمایا کہ جاہلیت کا تمام سودی کاروبار اب باطل ہیں۔ البتہ اپنی اصل رقم لینے کا تمہیں حق ہے کہ جس میں نہ اوروں پر ظلم ہو نہ تو تم پر اور اللہ نے یہ بات طے کر دی ہے کہ سود کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ پیغمبر اسلام کے ہر جملے میں عالمِ انسانیت کے لئے محبت، خلوص اور رحم نظر آتا ہے۔ جبکہ اس کے مقابلے میں عالمی منشور کی شقیں وسیع نہیں ہیں۔ نہ اخلاقی طور پر کسی چیز کی نشاندہی کی گئی ہے۔ وسعت کی حد درجہ کمی نے انسانی حقوق کے عالمی منشور کو مشکوک بنا دیا ہے۔

سفارشات:

1۔ خطبہ حجۃ الوداع کی روشنی میں اسلامی معاشرہ خاص طور پر اسلامی ریاستوں کے حکمرانوں اور اربابِ اقتدار کو مشورہ دیا جاتا ہے کہ وہ حقِ رسالت پر کامل یقین رکھتے ہوئے انسانی حقوق کا از سر نو جائزہ لیں اور اقوام عالم کے سامنے رکھنے میں سُرعت اور دلیری کا مظاہرہ کریں۔

2۔ اقوام متحدہ کے منشور ''انسانی حقوق'' کے بنظر غائر مطالعہ کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ اس میں مقتدر عالمی طاقتیں من مانی تشریح کرتی ہیں۔ اُن کا یہ عمل درحقیقت انسانی حقوق کی استحصال کا سبب بنتا ہے لہٰذا اس قسم کی یکطرفہ روش کا سدِّباب ہونا چاہیے۔

3۔ پیغمبر اسلام کے صحن کعبہ میں دیئے گئے خطبے میں انسانی خون کو کعبے سے افضل قرار دیا گیا ہے۔ سوال یہ ہے کہ کیا اقوام عالم کی جانب سے پیش کردہ ''انسانی حقوق کا منشور'' اس کا تقابل کر سکتا ہے؟ ہماری تحقیق اور دعویٰ ہے کہ اس طرح کے تقابل کا فی الحال گنجائش نہیں، اس لئے سفارش کی جاتی ہے

toobaa-elibrary.blogspot.com

عالمی ادارے کی اگر ساکھ بچانی ہے تو اس میں پیغمبر اسلام کی جانب سے پیش کردہ انسانی حقوق کے منشور کو شامل کرنا ہوگا تاکہ انسانی حقوق کو مزید تحفظ کا احساس ہو۔

4۔ انسانی حقوق کا عالمی منشور در حقیقت انسانی سماج کو بلیک میل کرنے کا ذریعہ بن گیا ہے اس میں حقیقت کا رنگ بھرنے کے لئے بھی اسلام کے آفاقی اُصول شامل کئے جائیں۔

5۔ خطبہ حجۃ الوداع ہو یا خطبہ منیٰ پیغمبر اسلام نے انسانیت کے لئے اعلیٰ مثالی رہنماء اصول وضع کئے ہیں، جن پر عالمی سیاسی معاشرہ بالعموم اور اسلامی دنیا بالخصوص غور و خوض کرے اور نئے عالمی سیاسی میدان میں انسانیت کو مزید استحصال سے بچایا جائے۔

6۔ سیرت النبی کا مطالعہ ان عصری چیلنجوں کو مد نظر رکھ کر کیا جائے اور تعلیمات نبوی (ص) کی روشنی میں پہلے مرحلے میں اسلامی انسانی معاشرے کی تربیت کی جائے تاکہ مسلمان اس قابل ہو سکیں کہ وہ انسانی حقوق کے منشورِ انسانیت عطا کرنے والے پیغمبر اسلام کی سیرت کا عملی نمونہ بن سکیں اور انسانیت کو اسلام کی جانب عملی دعوت دی جاسکے۔

7۔ خطبہ حجۃ الوداع کے مطالعہ سے یہ بات سامنے آئی ہے کہ انسانی حقوق کا مسئلہ انتہائی سنگین معاملہ ہے لہذا اسے اسلامی ممالک سمیت پورے انسانی سماج کی خدمت کے لئے الٰہی رہبروں کی تعلیمات کو نظر انداز نہیں کرنا چاہئے۔

8۔ چونکہ پیغمبر اسلام عالمِ انسانیت کے لئے رہبر و رہنماء بنا کر بھیجے گئے تھے اور آپ کی یہ صفت عمومی تھی۔ جہاں آپ کو انسانیت کے لئے رہنماء بنا کر بھیجا گیا وہی آپ کی ایک وصف رحمت للعالمین بھی ہے۔ یعنی عالمین کے لئے آپ کی ذات رحمت ہے۔ لہٰذا آپ کی تعلیمات انسانیت کے لئے جاودانی حیثیت رکھتی ہیں، آپ کی شخصیت حیاتِ انسانی کا وہ نمونہ عمل ہے کہ جس کو قرآن مجید نے اُسوہ کامل قرار دیا ہے۔ ان تمام صفات کی روشنی میں سفارش کی جاتی ہے کہ پہلے مرحلہ میں انسانیت کی تعریف متعین کی جائے بعد ازاں انسانیت کو خطبہ حجۃ الوداع کے منشور کی روشنی میں سانحات سے بچایا جائے۔

9۔ آج کا انسانی معاشرہ عالمی منشور کے تقاضوں کے خلاف عملی سرگرمیوں میں مشغول ہو چکا ہے۔ اگر عالمی انسانی معاشرے نے واقعی عالمِ انسانیت کی خدمت کرنی ہے تو اسے حقیقت میں انسانی حقوق کے

toobaa-elibrary.blogspot.com

لئے عملی اقدامات کرنے پڑیں گے اور انسانی حقوق کے عالمی منشور پر سچے دل سے انسانیت کی بقا کے لئے عمل کرنا ہو گا۔

10۔ خطبہ حجۃ الوداع کی روشنی میں انسان کو اپنی انسانیت تلاش کرنے میں مدد ملے گی یعنی شناخت کا مسئلہ حل ہو گا۔ انسانیت کی اصل حقیقت کا ادراک کئے بغیر ممکن نہیں کہ انسانی حقوق کا ایسا منشور تیار کیا جائے جو عالم انسانیت کے لئے قابلِ عمل بھی ہو اور دُکھی انسانیت کا مداوا بھی کر سکے۔ عالمی منشور کی شقیں پیغمبر اسلام کی طرف سے متعین کردہ حقوق کا مقابلہ نہیں کر سکتیں۔ وہ آپ کی تعلیمات کے سامنے ماند پڑی جاتی ہیں۔ کیونکہ اس کی ترتیب اور اعلامیہ میں عالمی سامراجیت کا ہاتھ اور شاطر دماغ ہے۔ یقیناً اس منشور کی تیاری اور ترتیب میں انہوں نے اپنے مقاصد ضرور پیشِ نگاہ رکھے ہوں گے۔ جبکہ اس مقابل میں پیغمبر اسلام کی منشورات واضح ہیں۔ آپ نے اپنے خطبہ میں جگہ جگہ عالمِ انسانیت کو مخاطب کیا ہے۔ اپنے خطبہ میں آپ نے انفرادیت سے زیادہ انسانی اجتماع کو مخاطب کیا ہے۔ ایسے میں ضروری ہے کہ دونوں کا تقابل کیا جائے پھر جائزے، تبصرے اور تجزیئے کے نتیجے میں یہ اعلان کیا جائے کہ واقعی خطبہ حجۃ الوداع کی شقیں انسانیت کی سب سے بڑی محافظ ہیں۔ دوسری جانب عالمی منشور کی ترتیب کے پس پردہ سماج کے کمزور اقوام کا استحصال کسی سے ڈھکا چھپا نہیں ہے۔ ایسے میں انسانی حقوق کا عالمی منشور از سر نو جائزہ لینے کا محتاج ہو چکا ہے۔ لہٰذا سفارش رکھی جاتی ہے کہ انسانی حقوق کے اس عالمی منشور کو اسلام کے آفاقی منشور سے تقابل کیا جائے بعد ازاں اسلام کے آفاقی منشور سے استفادہ کرتے ہوئے عالمی منشور کا از سر نو جائزہ لیا جائے۔

11۔ عالمی منشور میں بعض نمایاں ممالک کو حقِ تنسیخ کا حق دیا گیا ہے یہ بذات خود امتیازی سلوک کی ایک مثال ہے جبکہ اس کے مقابلے میں خطبہ حجۃ الوداع میں تمام انسان کو برابر قرار دیا گیا ہے۔ ذات پات، رنگ و نسل کی مکمل نفی کی گئی ہے۔ جب ہم دونوں منشورات کی طرف نظر کرتے ہیں تو خطبہ حجۃ الوداع کی وثاقت نکھر کر سامنے آتی ہے۔ لہٰذا ضروری ہے کہ خطبہ حجۃ الوداع کی روشنی میں دُنیا کے تمام ممالک کو برابر کی بنیاد پر حق تنسیخ و توثیق کا حق ملنا چاہیے۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

بنیادی طور پر یہ مقالہ انسانی حقوق کے حوالے سے لکھا گیا ہے اور تقابل کرتے ہوئے دو عالمی منشور میں شامل شقوں کی وضاحت کی گئی ہے۔ چونکہ وقت اور وسائل کی کمی کی وجہ سے مقالہ ہذا کے حجم و کمیت میں اضافہ نہیں کیا جاسکتا۔ ایک ہی پہلو کو لے کر تحقیق کے کچھ اُمور سامنے رکھے گئے۔ سیرت النبی چونکہ ایک عالمی منشور کی حیثیت رکھتی ہے لہٰذا اس کے تناظر میں مزید موضوعات پر تحقیقی اُمور انجام دینے کی گنجائش ہر آن رہے گی۔ یہاں پر ہم تحقیق کے نئے متلاشیوں کے لئے چند موضوعات رکھتے ہیں اور اُمید کرتے ہیں کہ وہ سیرت النبی کے تناظر میں نت نئے گوشے وا کرتے رہیں گے۔

(1) ''قرآن وسیرت طیبہ میں خواتین کے حقِ زندگی کا تصور''

موضوع ہذا کے ضمن میں قرآنی طرزِ اسلوب کہ جس میں انسانی حقوق خاص طور پر خواتین سے متعلق بات کی گئی ہے، کو بیان کیا جاسکتا ہے۔ جبکہ سیرت النبی کی روشنی میں بھی خواتین کے حقوق کی نشاندہی کی جاسکتی ہے۔ اس کے علاوہ مکی و مدنی زندگی کے الگ الگ گوشے جہاں پیغمبر اسلام نے مختلف فرامین اور عمل کے ذریعے خواتین سے متعلق حقوق بیان فرمائے ہیں اُن کو زیر بحث لایا جاسکتا ہے۔

(2) ''پیغمبر اسلام بطور مربی اور حقوقِ انسانی کے علمبردار''

یہ موضوع مکمل طور پر پیغمبر اسلام کی شخصیت کے اُس پہلو کو نمایاں کرے گا جو صرف اور صرف حقوقِ انسانی سے تعلق رکھتا ہے۔ پیغمبر اسلام کو حقوق انسانی کے علمبردار اور مربی کے طور پر بیان کیا جا سکے گا اور اس بات کی وضاحت کی جاسکے گی کہ پیغمبر اسلام ہی وہ اولین شخصیت ہیں جس نے دُنیائے عالم میں سب سے پہلے حقوق انسانی کا چارٹر پیش کیا۔

(3) ''اقوام متحدہ کے عالمی انسانی حقوق کے منشور پر ناقدانہ نظر''

اس موضوع کا تعلق انسانی حقوق کے عالمی منشور سے ہے۔ بنیادی طور پر حقوقِ انسانی کے عالمی منشور پر ناقدانہ نظر ڈالی جائے گی اور نشاندہی کی جائے گی کہ منشور پوری جامعیت کے باوجود نقائص سے مبرّا نہیں۔ خاص طور پر پانچ عالمی طاقتوں کو تفویض کیا گیا حقِ تنسیخ اس کی بدترین مثال ہے۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

(4) ''بین الاقوامی معاشرے کے وضع کردہ قوانین کا محاکمہ و محاسبہ''

یہ موضوع بھی سابقہ موضوع سے مماثلت رکھتا ہے۔ البتہ اس میں تنقیدی روش قدرے سخت ہو گی۔ اس موضوع میں ایک طرف بین الاقوامی معاشرے کی نشاندہی کی جائے گی وہی دوسری طرف اُس معاشرے میں رائج انسانی حقوق کا ناقدانہ جائزہ لیا جائے گا۔ سیرت النبی کی مثال دیتے ہوئے اس بات کی وضاحت کی جائے گی کہ آج بھی پیغمبرِ انسانیت کی تعلیمات دُنیا کے لئے مشعلِ راہ ثابت ہو سکتی ہیں۔

(5) ''سیرت النبی میں احترامِ انسانیت کا تصور، ایک تحقیقی مطالعہ''

پیغمبر اسلام کی سیرت کے مختلف گوشے حقوق انسانی سے پُر ہیں۔ خاص طور پر خطبہ حجۃ الوداع میں انسانی حقوق کی جابجا نشاندہی کی گئی ہے۔ احترام انسانیت سیرت النبی کی نمایاں وصف ہے۔ انسانیت کا احترام آپ نے عملاً کر کے دیکھایا۔ غلام اور آقا کے فرق کو مٹانے کی جو کاوش اور کوشش پیغمبر اسلام نے شروع کی اس کی نظیر دُنیا میں نہیں ملتی۔ موضوع ہذا کے ضمن میں پیغمبر اسلام کے اُس پہلو کو نمایاں کیا جاسکے گا کہ جس میں احترامِ انسانیت کا سبق موجود ہے۔

(6) ''انسان کی حقیقت کا ادراک اور حقوقِ انسانی کا رِسالتی اُسلوب''

انسانیت کی حقیقت کا ادراک پیغمبر اسلام سے بہتر کون کر سکتا ہے۔ پھر آپ کے کارِ رسالت میں یہ پہلو فرضِ منصبی کی حیثیت رکھتا تھا لہٰذا یہ بات بدیہی طور پر کہی جاسکتی ہے کہ آپ احترامِ انسانیت کے سب سے بڑے علمبردار تھے۔ موضوع ہذا کے تناظر میں حقوقِ انسانی کا رسالتی اُسلوب بیان کیا جاسکے گا۔

یہاں پر سلسلہ کلام کو اس جملے پر ختم کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ دُنیا کے تمام انسانوں کو خاص طور پر مسلمانوں کو سیرت النبی پر چلنے کی توفیق دے اور یہ بات بھی بیان کرنے کی ہے کہ خطبہ حجۃ الوداع پر نئے سرے سے تحقیق کرنے کی ضرورت ہے۔ مسلمان علماء، مفکرین اور زعماء کی یہ ذمہ داری ہے کہ خطبہ حجۃ الوداع کو عالمی طور پر متعارف کرانے کے لئے ٹھوس اقدام اُٹھائیں۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

مصادر و مراجع

ابن اثیر، عزالدین شیبانی الجزری، الکامل فی التاریخ، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ۱۴۰۷ھ بمطابق ۱۹۸۷ء

ابن اسحاق، محمد ابن یسار، السیرۃ النبویۃ لابن اسحاق، الطبعۃ الاولی، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ۱۴۲۴ھ بمطابق ۲۰۰۴ء

ابن خلدون، عبدالرحمن، تاریخ ابن خلدون، دار الفکر، بیروت، ۱۴۲۱ھ، بمطابق ۲۰۰۰ء

ابن سعد، ابو عبداللہ محمد، الطبقات الکبری، مکتبۃ الخانجی بالقاھرہ، ۱۴۲۱ھ، بمطابق ۲۰۰۱ء

ابن طاؤوس، رضی الدین ابی القاسم علی بن موسی، کشف المحجۃ لثمرۃ المھجۃ، مرکز النشر التابع لمکتب الاعلام الاسلامی، بیروت، ۱۴۱۷ھ

ابن عبدالبر، أبو عمر یوسف بن عبداللہ بن محمد، الاستذکار، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ۱۴۲۱ھ بمطابق ۲۰۰۰ء

۔۔۔۔۔۔، أبو عمر یوسف بن عبداللہ بن محمد، صحیح جامع بیان العلم وفضلہ، مکتبۃ ابن تیمیہ، القاھرہ، س ن

ابن کثیر، حافظ ابوالفدا اسمعیل بن عمر بن کثیر، البدایۃ والنھایۃ، دار عالم الکتب، بیروت، ۱۴۲۴ھ ۲۰۰۳ء

۔۔۔۔۔۔، حافظ ابوالفدا اسمعیل بن عمر بن کثیر، تفسیر القرآن العظیم، دار طیبہ، ریاض، ۱۹۹۷ء

۔۔۔۔۔۔، حافظ ابوالفدا اسمعیل بن عمر بن کثیر، مقدمہ ابن کثیر، دار طیبہ ۱۴۲۰ء بمطابق ۱۹۹۹ء

ابن ماجہ، ابی عبداللہ محمد بن یزید القزوینی، ابی عبداللہ محمد بن یزید القزوینی، السنن، مکبتۃ المعارف، الریاض، ۱۹۹۸ء

ابن منظور، جمال الدین بن محمد بن مکرم، لسان العرب، دار صادر بیروت، ۱۳۰۰ھ

ابن ہشام، لابی محمد عبدالمالک بن ہشام، سیرۃ النبی (ﷺ)، دار الصحابہ للتراث بطنطا، ۱۴۱۶ھ بمطابق ۱۹۹۶ء

أبو داؤد، سلیمان بن الأشعث الأزدي السجستانی، سنن ابی داؤد، دار الرسالۃ العالمیۃ، بیروت، ۱۴۳۰ھ، بمطابق ۲۰۰۹ء

احمد بن حنبل، ابو عبداللہ، المسند، موسسۃ الرسالۃ، بیروت، ۱۴۱۶ھ، ۱۹۹۶ء

اصفہانی، راغب، المفردات فی غریب القرآن، دار المعرفہ، بیروت لبنان، ۱۳۲۷ھ

اکبر آبادی، سعید احمد، الزقانی فی الاسلام، ندوۃ المصنفین، دہلی، ۱۹۴۴ء

آمدی، علامہ علی بن محمد، لاحکام فی اصول الاحکام، ناشر دار الصمیعی، ریاض سعودی عرب ۲۰۰۳ء

بخاری، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، دار طوق النجاۃ، بیروت، ۲۰۱۳ء

بلاذری، أحمد بن یحی بن جابر، الانساب الاشراف، أمر السقیفۃ، دار الفکر، بیروت، س ن

بلگرامی، سید اولاد حیدر فوق، أسوۃ الرسول، مصباح القرآن ٹرسٹ، لاہور، ۲۰۱۱ء

بیھقی، أحمد بن الحسین بن علی، السنن الکبری، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ۱۴۲۴ھ بمطابق ۲۰۰۳ء

toobaa-elibrary.blogspot.com

پرشاد، سوامی لکشمن، عرب کا چاند، مکتبہ تعمیر انسانیت، لاہور، س ن

تبریزی، خطیب، مشکاۃ المصابیح، المکتبۃ التجاریہ، دار الفکر، بیروت، ۱۹۹۱ء

ترمذی أبو عیسی، جامع ترمذی، دار السلام نشر و توضیح، ریاض سعودی عرب

تھانوی، محمد علی، کشاف اِصطلاحات الفنون والعلوم، مکتبۃ لبنان، بیروت، ۱۹۹۶ء

ثانی، ڈاکٹر صلاح الدین، اصول سیرت نگاری، مکتبہ یادگار شیخ الاسلام علامہ شبیر عثمانی، کراچی، ۲۰۰۳ء

جامی، نور الدین عبد الرحمن، شواہد النبوۃ، مکتبہ نبویہ، لاہور، ۱۱۹۵ء

جزائری، سید نعمۃ اللہ، ریاضُ الابرار فی مناقب الائمۃ الاطہار، موسسۃ التاریخ العربی، بیروت، ۱۴۲۷ھ بمطابق ۲۰۰۶ء

جصاص، ابی بکر احمد بن علی الرازی، أحکام القرآن، دار إحیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۰۵ھ بمطابق ۲۰۱۰ء

جونپوری، مولانا کرامت علی، انوار محمدی ترجمہ شمائل ترمذی، ندوۃ التالیف والترجمہ، جامعۃ الرشاد اعظم گڈھ، ۱۹۹۶ء

جوہری، اسماعیل بن حماد، الصحاح تاج اللغۃ وصحاح العربیہ، دار العلم للملایین، القاہرہ، ۱۹۵۶ء

حاکم نیشاپوری، المستدرک علی الصحیحین فی الحدیث، دائرۃ المعارف، دکن، ۱۳۴۴ھ

حرانی، ابو محمد الحسن بن علی بن الحسین شعبۃ، تُحف العقول عن آل الرسول، موسسۃ الاعلمی للمطبوعات بیروت، ۱۴۱۷ھ بمطابق ۱۹۹۶ء

حسنی، السید علی فضل اللہ، سیرۃ الرسول و خلفائہ، الدار الاسلامیۃ، بیروت، ۱۴۱۳ھ بمطابق ۱۹۹۳ء

حلبی، علی بن برہان الدین، انسان العیون فی سیرۃ الامین المامون المعروف بالسیرہ الحلبیۃ، طبع بالمطبعۃ الازہریہ قاہرہ، ۱۳۵۱ھ، بمطابق ۱۹۳۲ء

حمید اللہ، ڈاکٹر، خطبات بہاولپور، ادارہ تحقیقاتِ اسلامی، اسلام آباد، ۲۰۰۷ء

خطیب، محمد عجاج، السنۃ قبل التدوین، ناشر ام القری لطباعۃ والنشر القاہرہ، اپریل ۱۹۸۸ء

خلیفہ عبد الحکیم، اسلام کا نظریہ حیات، ادارہ ثقافتِ اسلامیہ، لاہور، ۱۹۸۳ء

خوارزمی، محمد بن احمد بن یوسف، مفاتیح العلوم، دار الکتاب العربی، بیروت، ۱۴۰۹ھ بمطابق ۱۹۸۹ء

زبیدی، سیّد محمد مرتضی الحسینی، تاج العروس من جواہر القاموس، ناشر، دار الفکر، بیروت، ۱۹۹۴ء

سمھودی، علی بن عبد اللہ بن أحمد الحسنی الشافعی، وفاء الوفاء بأخبار دار المصطفی، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ۱۴۱۹ھ بمطابق ۲۰۱۰ء

سیالکوٹی، مولانا محمد صادق، حزب الرسول، نعمانی کتب خانہ، لاہور، س ن

toobaa-elibrary.blogspot.com

سیوطی،امام جلال الدین عبد الرحمن بن ابی بکر، الدر المنثور فی تفسیر بلماثور، مرکز ھجر للبحوث و دراسات العربیۃ و الاسلامیۃ،القاھرہ،۲۰۰۳ء

۔۔۔۔۔۔،امام جلال الدین عبد الرحمن بن ابی بکر،تدریب الراوی،دار الکتب الحدیثہ مصر،۱۳۸۵ھ

شافعی، شمس الدین ابی الخیر، فتح المغیث بشرح الفیۃ الحدیث، مکتبۃ دار المنہاج، ریاض، سعودی عرب،۱۴۲۶ھ

شافعی، محمد ابن ادریس، کتاب الرسالہ، دار المعارف بیروت، س ن

شبلی نعمانی، سیرت النبی، آر، زیڈ پیکجز، لاہور،۱۴۰۸ھ

شریف رضی، ابی الحسن محمد بن الحسین، نھج البلاغۃ، مرکز الابحاث العقائدیۃ، النجف الاشرف،۱۴۱۹ھ

طارق عبد الحلیم، ڈاکٹر، ''مفتاح الدخول الی علم الاصول، مختصر جامع فی علم الاصول للمبتدئین''، مکتبہ دار القرآن والسنۃ مرکز دار الارقم الاسلامی، ٹورنٹو، ۱۳ر مضان ۱۹۹۸

طبرانی، سلیمان بن أحمد بن أیوب بن مطیر اللخمي الشامی، المعجم الأوسط، دار الحرمین، القاھرۃ ۲۰۱۰ء

۔۔۔۔۔۔، سلیمان بن أحمد بن أیوب بن مطیر اللخمي الشامی، المعجم الکبیر، مکتبۃ ابن تیمیہ، بیروت،۲۰۰۸ء

طبری، ابی جعفر محمد بن جریر، تاریخ الامم والملوک، دارِ ابن کثیر، بیروت،۱۴۲۸ھ بمطابق ۲۰۰۷ء

طبری ،ابی جعفر محمد بن جریر ، تفسیر الطبری جامع البیان عن تاویل القرآن ، مرکز البحوث والدراسات العربیۃ والاسلامیۃ،القاھرۃ،۱۴۲۲ھ بمطابق ۲۰۰۱ء

ظفر، ڈاکٹر عبد الرؤف، ''اسوہ کامل''، نشریات لاہور،۲۰۰۹ء

عاصمہ فرحت، پروفیسر، سیرت نبوی میں عورت کا کردار، اسلامک پبلی کیشنز، لاہور،۱۹۹۶ء

عاملی، علی الکورانی، السیرۃ النبویۃ بروایۃ اھلِ البیت، دار المرتضیٰ، بیروت، س ن

عبد الحئ، ڈاکٹر، اُسوہ رسول، بیت السلام، کراچی،۲۰۱۰ء

عثمانی، مفتی محمد شفیع، معارف القرآن، مکتبہ معارف القرآن، کراچی،۱۴۲۹ھ بمطابق ۲۰۰۸ء

عسقلانی، علی بن حجر، تقریب التہذیب، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت،۱۴۱۷ھ بمطابق ۱۹۹۷ء

۔۔۔۔۔۔، علی بن حجر، فتح الباری فی شرح صحیح بخاری، ناشر دار المعرفہ، بیروت،۱۳۷۹ھ

۔۔۔۔۔۔، علی بن حجر، لسان المیزان، مؤسسۃ الأعلمي للمطبوعات، بیروت،۱۳۹۰ھ، بمطابق ۱۹۷۱ء

کرپالوی، طالب حسین، سیرت النبی، اسلامیہ دار التبلیغ، لاہور،۱۹۹۴ء

کلینی، محمد بن یعقوب، اصول کافی، دار التعارف للمطبوعات، بیروت،۱۹۹۰ء

گیلانی، مولانا مناظر احسن، النبی الخاتم، مکتبہ اُخوت، لاہور، س ن

toobaa-elibrary.blogspot.com

لوئیس معلوف، المنجد فی اللغۃ، دار المشرق سرل پبلیشرز، بیروت لبنان، ۱۹۹۶ء
مجلسی، الشیخ محمد باقر، بحار الانوار الجامعۃ لدر اخبار الائمۃ الاطھار، احیاء الکتب الاسلامیۃ، قم المقدس، ۱۴۳۰ق
مسلم، ابوالحسین ابن الحجّاج القشیری النیشاپوری، صحیح مسلم، دارِ طیبۃ، ۱۴۲۷ھ، بمطابق ۲۰۰۶ء
مطہری، مرتضیٰ، سیری در سیرہ نبوی، انتشارات صدرا و اثار استاد شہید مطہری، ایران ۱۳۶۴ھ
ملک، غلام اکبر، عورت کا مقدمہ اسلام کی عدالت میں، اسلامی کتب خانہ، لاہور، ۱۹۹۱ء
منظور احمد، ڈاکٹر، مستقبل میں اسلام کی تفہیم اور اکیسویں صدی میں ہمارا کردار، مشعل بکس، لاہور، ۲۰۰۸ء
موسوی، علی شرف الدین، انبیا قرآن (محمد مصطفی)، دار الثقافۃ الاسلامیہ، کراچی، س ن
ندوی، ڈاکٹر تقی الدین، سیرت نبوی کے قدیم و اولین مآخذ اور ان کا تنقیدی جائزہ، معارف دار المصنّفین، ہندوستان، ۱۹۸۱ء
ندوی، سید سلیمان، خطبات مدارس، ادارہ مطبوعات طلبہ، لاہور، ۱۹۹۵ء
نعیم صدیقی، عورت معرضِ کشمکش میں، ادارہ معارف اسلامی منصورہ، لاہور، س ن
۔۔۔۔۔، محسنِ انسانیت، مرکزی مکتبہ اسلامی دہلی، ۱۹۹۵ء
نووی، أبوزکریا محی الدین یحیی بن شرف، المنھاج شرح صحیح مسلم بن الحجاج، دار إحیاء التراث العربي، بیروت، الطبعۃ الثانیۃ، ۱۳۹۲ھ
ہندی، علاء الدین علی المتقی بن حسام الدین، کنز العمال، موسسۃ الرسالۃ، بیروت، ۱۴۰۱ھ، بمطابق ۱۹۸۱ء
ہیثمی، أبوالحسن نور الدین علی بن أبی بکر بن سلیمان، مجمع الزوائد ومنبع الفوائد، مکتبۃ القدسی، القاھرۃ، بمطابق ۱۹۹۴ء
ہیکل، ڈاکٹر محمد حسین، حیات محمد،، دار المعارف، القاہرہ، ۲۰۰۱ء
واقدی، محمد بن عمر، کتاب المغازی، عالم الکتب، بیروت، ۱۴۰۴ھ بمطابق ۱۹۸۴ء
ولیم ایل لینگر، انسائیکلوپیڈیا تاریخ عالم، مترجم مولانا غلام رسول مہر، الوقار پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۱۰ء
یزدانی، مولانا محمد حنیف، محمد رسول اللہ غیر مسلموں کی نظر میں، مکتبہ نذیرہ، لاہور، ۱۹۹۶ء
یعقوبی، احمد بن ابی یعقوب، تاریخ الیعقوبی، شرکۃ الاعلمی للمطبوعات، بیروت، ۱۴۳۱ھ، بمطابق ۲۰۱۰ء

toobaa-elibrary.blogspot.com

English Books

Acton, John Emerich Edward Dalberg, The History of Freedom and Other Essays,Published by the Library of Alexandria, 1907

Carlyle, Thomas, On Heros, Hero-Worship and the Heroic in History, The Pennsylvania State University, 2001

Ockley, Simon , History of The Saracen Empire, Henry G.Bohn,York Street Covent Garden London, 1857

Grunebaum, Gustave E. Von, Medieval Islam A Study in Cultural Orientation, The University of Chicago Press, Chicago, 1971

....., Gustave Edmund Von, Classical Islam: A History, 600 A.D To 1258 A.D,Transaction Publishers,New Brunswick New Jersey,1970

Hart, Michael H., The 100 A Ranking of the Most Influential Persons in History, Carol Publishing Group,New York, 1978

Ian, Brownlie, Basic Documents on Human Rights,Great Clarendon Street Press Oxford,New York, 1971

Johns, Claude Hermann Walter, Babylonian and Assyrian Laws, Contracts, and Letters, Carles Scribner,s Sons London, 1904

Kraemer, Hendrik, the Christian Message in a Non-Christian World, Harper & Brothers New York,1938

Lamartine A.De,Histoire de la Turquie ,Publisher Library De Victor lecou Paris 1855

Margoliouth, David Samuel, Mohammed and the Rise of Islam, G.P.Putnams Sons, The Knickerbocher Press New York, 1905

Muir, William, Life of Mahomet, Smith, Elder and Co., Cornhill London, 1923

Nicholson, Reynold A., The Koran (Qur'an) - with an Introduction, Translator: E. H. Palmer,Oxford University press London, 1928

Renger, Johannes M., Hammurabi: King of Babylonia, Encyclopedia Britannica, Published by the Office of Public Information, United Nations Universal Declaration of Human Rights

Smith, Rev.bosworth, Mohammed and Mohammedanism ,Simth, Elder,& Co London 1876

toobaa-elibrary.blogspot.com

Stubb, Henry, An Account Of The Rise and Progress of Mahometanism,Publisher luzak,Co, London, 1911

Toynbee, Arnold Joseph, A Study of History, Oxford University Press, London, 1971

Watt, William Montgomery,Meaning and Truth in the Religions, Publications Princeton University Press ,New Jersey, 1964

……., William Montgomery, Muhammad at Madina ,Oxford: Clarendon Press, 1956,

toobaa-elibrary.blogspot.com